یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

جلد نمبر ٦
انوار النجف
فی
اسرار المصحف
6

سُورۃ الاعراف

- یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی کل آیات بسم اللہ کے علاوہ دو سو چھ ہیں۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورۂ اعراف کو ہر مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھے گا تو اس کو بروز محشر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔ اگر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھے تو اس کا حشر ان لوگوں میں ہوگا۔ جن سے حساب نہ لیا جائے گا۔ اس سورہ مجیدہ میں آیات محکمات موجود ہیں۔ پس اس کی تلاوت کو ترک نہ کرو۔ کیونکہ یہ بروز محشر اپنے پڑھنے والے کے حق میں گواہی دیں گی۔
- حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو شخص یہ سورہ پڑھے گا۔ خداوندکریم بروز قیامت اس کے اور ابلیس کے درمیان پردہ حائل کر دے گا اور وہ آدم کا ساتھی ہوگا اور جو شخص گلاب اور زعفران کے پانی سے لکھ کر اپنے پاس رکھے گا تو جب تک یہ سورہ اس کے پاس ہوگی کوئی دشمن یا درندہ اس کے قریب نہ آ سکے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ لِتُنۡذِرَ بِہٖ

یہ کتاب نازل کی گئی تجھ پر پس نہ ہو تیرے سینہ میں تنگی ۔ اس کی وجہ سے تاکہ ڈرائے

وَ ذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ

اس کے ساتھ اور نصیحت واسطے مومنوں کے اتباع کرو اس کی جو اتاری گئی تمہاری طرف تمہارے رب سے اور نہ اتباع کرو اس کے

دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾ وَ کَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا

ماسوا اولیاء کی بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں اور بہت سی بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کیا

رکوع ۸ : الٓمّٓصٓ حروف مقطعات میں سے ہے ابن عباس سے اس کا معنی منقول ہے انا اللہ اعلم والفضل اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے انا اللہ المقتدر الصادق ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابو لبید مخزومی سے فرمایا ۔ اِنَّ فِی حروف القرآن المقطعة لعلما جمًّا یعنی تحقیق قرآن مجید کے حروف مقطعات میں بہت بڑا علم پوشیدہ ہے ۔ ہم نے الم کی تفسیر میں اس مسئلہ کی ضروری وضاحت کر دی ہے ۔

کِتٰبٌ :۔ ترکیب نحوی کے لحاظ سے یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی ھٰذا کِتٰبٌ اور پھر ذکرٰی اس کی دوسری خبر ہے ۔ انزال کا فاعل شان کبریائی کے اظہار کے لئے نیز معین ہونے کے پیش نظر ترک کیا گیا ہے ۔

فَلَا یَکُنۡ :۔ پہلے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے تم پر نازل ہوئی تو یہاں شرط کا مقام پیدا ہو گیا ۔ لہذا جواب میں فاء کا آنا درست ہوا ۔ یعنی اِذَا عَلِمْتَ ھٰذَا فَلَا یَکُنۡ الخ حَرَج کا معنی ہے تنگ دلی اور یہ دو طرح سے آتی ہے جبکہ حاکم کی طرف سے امر کے صدور میں مامور کو شک ہو ۔ (۲) جبکہ امر کی تعمیل میں خطرہ نظر آ رہا ہو ۔ خداوند کریم نے سینہ میں حرج کی پیدائش کے ہر دو اسباب کو رد فرما دیا ہے ۔ اس جملہ سے (کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ) کہ بلاشک جب کتاب میری طرف سے نازل شدہ ہے اور اس کے اوامر و نواہی کی تبلیغ میری ہی جانب سے ہے تو کس کی مجال ہے کہ میری ممانعت کے ہوتے ہوئے تمہارا بال بیکا کر سکے ۔ لہذا حرج اور تنگدلی کو محسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔

لِتُنۡذِرَ :۔ طبائع انسانیہ فطری طور پر دو قسموں پر منقسم ہیں ۔ ۱ ۔ ایک سفلی جن کا مطمح نظر صرف لذت دنیاویہ کے حصول تک ہی محدود رہتا ہے ۲ ۔ دوسرے شریف جن کا مطمح نظر انسانی کمالات حاصل کر کے ارتقاء نفس ہوتا ہے

فَجَآءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَآئِلُونَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ إِذْ جَآءَهُمْ

پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کو سوتے ہوئے یا دن کو قیلولہ کرتے ہوئے پس نہ تھی اُن کی کوئی بات جب اِن پر آیا ہمارا عذاب

بَأْسُنَآ إِلَّآ أَنْ قَالُوٓا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِينَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ

مگر صرف یہی کہا کہ تحقیق ہم لوگ ظالم تھے پس ضرور ہم پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے

وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِينَ ﴿۷﴾

گئے اور ضرور پوچھیں گے ہم رسولوں سے (بھی) پس ضرور ہم بیان کریں گے (ان کے اعمال) ان پر ساتھ علم کے اور ہم غائب تو نہ تھے

پس خدا کا رسولؑ پہلے گروہ کے لئے صرف منذر بن کر آتا ہے کیونکہ سفلی مزاج اور کمینہ فطرت کے لوگ دلیل و برہان یا کسی دوسری معقول بات کی طرف نہیں توجہ کرتے۔ جیسے مثل مشہور ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے اور دوسری قسم کے لوگ چونکہ عالم علوی سے وابستگی کے پہلے سے خواہاں ہوتے ہیں۔ لیکن خواب غفلت سے جگانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ پس رسولؑ ان کو خواب غفلت سے جگا کر ان کو اپنے صحیح راستہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ واضح مثال یوں سمجھئے کہ تاریکی میں رہنے اور چلنے والے آدمیوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جو حرامکاری اور بدمعاشی کی تکمیل چاہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو کسی منزلِ مقصود پر جانے کے لئے بے چین ہوتے ہیں لیکن تاریکی میں کہیں جا نہیں سکتے۔ روشنی ان کو مل نہیں سکتی۔ لہذا منزلِ مقصود پا نہیں سکتے۔ تو اس صورت میں روشنی لانے والا پہلی قسم کے لئے وبال ہوگا اور دوسری قسم کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہوگا۔ پہلی قسم والے ان کے ساتھ نہ چلیں گے۔ جب تک کہ ان کو ڈرایا دھمکایا نہ جائے۔ اور دوسری قسم والے اس کے ساتھ چلنا اپنی خوش نصیبی محسوس کریں گے اور ذکریٰ کی مومنین کے ساتھ تخصیص اس لئے کی ہے کہ بالفعل قرآن مجید کے نصائح سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو مومن ہوں جس طرح اس کو هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کہا گیا ہے۔

فَجَآءَهَا :۔ جناب رسالتمآبؐ کو مزید تسلّی دی گئی ہے کہ آپ انذار کرنے میں دل تنگ نہ ہوں یہ کافر و مشرک آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اگر کفار سرکشی ہو کر رسولوں کی توہین پر اتر آئیں تو ہم عذاب میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں چنانچہ اُمم سابقہ کی تاریخ شاہد ہے کہ جب نبیوں کو جھٹلایا اور تنگ کیا گیا تو ہم نے رات کو سوتے ہوئے یا دن کو قیلولہ کرتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیا۔ جیسا کہ حضرت لوطؑ کی امت پر رات کو عذاب آیا۔ جبکہ وہ محو خواب تھے اور حضرت شعیب کی امت پر دن کو عذاب آیا جبکہ وہ بوقتِ دوپہر سوئے ہوئے تھے۔ پس اس مثال سے رسالتمآبؐ کو تسلّی دی گئی ہے اور امّت کو تکذیب و تردید کے خطرناک انجام سے متنبہ کیا گیا ہے۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ :۔ آیتِ مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ روزِ محشر ہر ایک سے سوال و جواب ہوگا۔ رسولوں سے تبلیغ رسالت کا

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ

اور تول اس دن پورا ہوگا پس جس کا تول بھارا ہوگا تو وہ چھٹکارا پانے والے ہوں گے اور جس کا

خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾

تول ہلکا ہوگا تو انہوں نے خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو کیونکہ وہ ہماری آیات سے بے انصافی کرتے تھے

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

اور تحقیق ہم نے ٹھہرایا تم کو زمین میں اور بنائی تمہاری اس میں گذران تھوڑا ہی تم شکر کرتے ہو

سوال ہوگا اور امت سے تبلیغ رسالت پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہوگا۔ اس کے بعد فرماتا ہے فَلَنَقُصَّنَّ یعنی ہم ان کے کرتوت ان کے سامنے خود بیان کریں گے کیونکہ ہم غائب تو نہ تھے نیز ان کے تمام اعمال ہمارے ہاں محفوظ ہیں۔ پس اس صورت میں پوچھنا واقعہ کی تفتیش کے لئے نہیں بلکہ ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہے۔

وَالْوَزْنُ :- مفسرین کے اس میں چند اقوال ہیں لیکن علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہاں وزن سے مراد عدل ہے اور ابن عباس کا قول ہے کہ ایک ترازو نصب ہوگا جس کے دو پلڑے ہوں گے اور اسی کے ذریعہ سے انسانوں کی نیکیاں اور برائیاں تلیں گی۔ ممکن ہے ابن عباس کے قول سے بھی وہی معنی عدل مراد ہو اور سادہ لوح انسانوں کو سمجھانے کے لئے مقصود کی تعبیر ان لفظوں سے کی ہو کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (لوگوں سے انکی سمجھ کے مطابق بات کیا کرو)

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ :- موزون کی جمع ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ثقل موازین سے مراد نیکیاں ہیں اور خفت سے مراد برائیاں ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں ہوں گی تو وہ فلاح پائیں گے اور جس کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی تو وہ خسارہ پانے والے ہوں گے۔ تفسیر کبیر میں بروایت ابن عمر حضرت رسالتمآب سے منقول ہے کہ بروز محشر ایک شخص کے ۹۹ دفتر برائیوں کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے کہ ایک ایک دفتر حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہوگا پھر اس کے دوسرے پلڑے میں ایک چھوٹا سا پرزہ رکھا جائے گا جس میں اس شخص کی شہادت توحید و رسالت ہوگی پس یہ پلڑہ جھک جائے گا اور ممکن ہے کہ موازین جمع ہو میزان کی تو اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ نیکی کا ہر ہر قسم کا میزان جدا جدا ہوگا اور اس کے مقابلہ میں اسی قسم کی برائی ہوگی اور صاحب صافی فرماتے ہیں کہ میزان کا مطلب ہے ایسا معیار جو انسان کی قدر و قیمت پر دلالت کرے اور وہ ہے عقیدہ، اگر عقیدہ درست ہو تو انسان کی قدر و قیمت بلند اور اگر عقیدہ فاسد ہو تو اس کی قدر و قیمت ختم۔ پس اس اصول کے ماتحت ہر امت کا میزان ہے۔ اس امت کا نبیؐ و امامؑ کیونکہ نبوت و امامت پر صحیح عقیدہ ہی انسان کی نیکیوں کا

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا

اور تحقیق ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں صورت دی پھر حکم دیا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کا تو سب نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ

مگر ابلیس نہ ہوا سجدہ کرنے والوں میں سے پوچھا (اللہ نے) کس چیز نے تجھے روکا کہ سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫ قَالَ فَاهْبِطْ

تو کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے فرمایا اتر جا

مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬

اس جگہ سے تیرا کوئی حق نہیں کہ فخر کرے اس جگہ پس نکل جا کہ تو کمینہ ہے

اصلی سبب ہوا کرتا ہے اور نبوت و امامت کے متعلق غلط عقیدہ ہی برائیوں کی جڑ ہوتا ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب موازین کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء اوصیاء ہیں اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ وہ موازین ہم ہیں۔ پس عقیدہ کی درستی ہی نجات کی ضامن ہے چنانچہ تفسیر کبیر کی سابقہ روایات بھی اسی امر کی تائید کرتی ہیں۔

رکوع نمبر ۹ حضرت آدمؑ کی خلقت اور حکم سجدہ

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ :۔ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ابتدائے خلقت آدمؑ کا ذکر ہے اور کُمْ کا مضاف محذوف ہے یعنی ہم نے تمہارے باپ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر صورت انسان کی اس کو مرحمت کی، پھر فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا۔ اس طرح ہے جس طرح بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا۔ حالانکہ مقصد یہ ہے کہ تمہارے اسلاف سے وعدہ لیا اور اُن پر کوہ طور کو بلند کیا (۲) ہم نے تمہارے باپ آدمؑ کو پیدا کیا۔ پھر اس کی پشت میں تمہاری تصویر کشی کی۔ پھر فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا۔ (۳) مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔ معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو پیدا کیا اور پھر تم کو صورت و شکل دی پھر اس بات کی تم کو خبر دیتا ہوں کہ فرشتوں کو آدمؑ کے سجدہ کا حکم میں نے دیا تھا۔ گویا ثُمَّ کے بعد اُخْبِرُکُم محذوف ہے پھر بعض کہتے ہیں کہ خلق سے مراد ہے باپ کی پشت میں رہائش اور تصویر سے مراد شکم مادر میں منازل ارتقاء کی سیر اور بعض کہتے ہیں کہ خلق سے مراد ہے انعقاد نطفہ اور تصویر سے مراد ہے اعضاء و جوارح کی موجودہ ترتیب و کیفیت نیز حسن و قبح اور

دیگر کیفیاتِ بدنیہ و خلقیہ سے آراستگی۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ :۔ جب پروردگار نے ازروئے سرزنش فرمایا کہ تو نے آدمؑ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کیا، جبکہ میرا حکم تھا تو اس بدباطن نے نہایت نڈر ہوکر تکبّر کے انداز سے اپنی انانیت کا راگ الاپنا شروع کردیا کہ میں اس سے بہتر و افضل ہوں اور جو بہتر ہو وُہ اپنے سے ناقص کا سجدہ کیوں کرے ؟ محض اپنے بے محل قیاس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے تئیں حکم عمومی سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور پھر اپنے مزعوم باطل کو خدا سے منوانے کے لئے دلیل و برہان کے میدان میں اتر آیا اور اس سلسلہ میں قیاس کو پیش کیا۔

فَاهْبِطْ مِنْهَا :۔ چونکہ ابلیس کا انکار سجدہ محض تکبّر کی بناء پر تھا اور اس کی قیاسی دلیل بقولے بدرا بہانہ بسیار کے ماتحت تھی اور نیز مقدماتِ قیاس اس قدر بودے اور ناقص تھے کہ ان کی تردید کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا پروردگار نے اس کی بدضمیری کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صرف تیرے تکبّر کی شامت ہے پس اس منزلۂ رفیعہ سے اُتر جا۔ کیونکہ میری بارگاہ میں منزل رفیعہ پر عجز و انکساری اور اطاعت شعاری سے ٹھہرا جا سکتا ہے۔ پس جو مرتبہ پہلے حاصل کر چکا تھا۔ اس سے معزول کر دیا گیا اور بارگاہِ قرب سے نکالا گیا گویا اس صورت میں فَاهْبِطْ اور فَاخْرُجْ کا امر تکوینی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ یہ امر آسمان پر ہُوا۔ پس انکار کے بعد اس کو حکم ہوا کہ اب آسمان سے اتر جا اور زمین پر رہ اور جنت سے نکل جا۔ لہٰذا یہ دونوں امر تشریعی ہیں۔ لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں و مناسب ہے واقعہ کی تفصیل تفسیر انوار النجف کی دوسری جلد میں مرقوم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس جگہ دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

قیاسِ ابلیس

ابلیس نے سجدہ نہ کرنے کے جواز کو اپنے زعم میں دو مسلّمہ مقدموں کا رہینِ منّت قرار دیا (۱) میں آدم سے اشرف و افضل ہوں چنانچہ صاف و اشگاف لفظوں میں کہہ دیا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ابلیس اگرچہ حضرت آدم کے سامنے نہیں جھکا لیکن تمرد کے جواز کے لئے ایک قیاسی نکتہ اس کے پیش نظر تھا وہ یہ کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ یعنی میں اس سے بہتر و افضل ہوں۔ پس ابلیس سے بھی بدترین انسان ہے جو اپنے اندر احساسِ کمتری پاتے ہوئے زبان سے لَسْتُ بِخَيْرِكُمْ کا اعلان کرے اور اپنے سے افضل کا اعتراف کرکے اس کے سامنے جھکنے سے گریز کرے اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ افضل کو اپنے سامنے جھکانے کی سعی نامسعود میں اسے تشدد کا نشانہ بنائے حالانکہ ابلیس نے باوجود دعوائے افضلیت کے حضرت آدمؑ کو اپنے سامنے جھکانے کی خواہش تو بجائے خود اس ظلم کا دل میں خیال تک نہ کیا تھا۔ (۲) جو افضل و اشرف ہو تو جائز نہیں کہ اس کو پست کے سامنے جھکنے کا حکم دیا جائے لہٰذا مجھے آدم کے سجدہ کا حکم دینا غلط اور ناجائز ہے۔ دوسرا مقدمہ چونکہ وہ اپنے نزدیک واضح اور بدیہی سمجھتا تھا۔ اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی اور سوال پروردگار کے جواب میں صرف پہلے مقدمہ کو ثابت کرنے کی سعی نامسعود میں گویا ہُوا کہ میرا مادہ خلقت آگ ہے اور آدمؑ کا مادہ خلقت مٹی ہے۔ لہٰذا میں آدمؑ سے افضل ہوں۔

Imp

یہاں دو اور مقدمے موجود ہیں جن کو مسلمات سے فرض کر کے ان کے اثبات کے درپے نہیں ہوا۔ اور وہ یہ کہ (۱) آگ مٹی سے افضل ہے (۲) جس کا مادہ تخلیق افضل ہو وہ افضل ہی ہوا کرتا ہے۔
آگ کے مٹی سے افضل ہونے کے چند وجوہ ہیں (۱) آگ میں چمک اور روشنی ہے اور زمین میں تاریکی اور ظلمت ہے ۲۔ آگ میں بلندی ہے چنانچہ کرۂ نار تمام کروں سے اوپر ہے اور زمین میں پستی ہے۔ چنانچہ کرۂ ارض تمام کروں سے پست ہے۔ ۳۔ کرۂ نار عالم علوی کا مجاور ہے اور کرۂ ارض عالم علوی سے بہت دور ہے ۴۔ آگ لطیف ہے اور مٹی کثیف ہے۔ ۵۔ آگ میں تاثیر کرنے کا جوہر ہے اور زمین میں قبول کرنے کا مادہ ہے پس آگ فاعل ہے اور زمین منفعل ہے۔ ۶۔ آگ میں حرارت ہے جو زندگی سے مناسبت رکھتی ہے اور زمین میں برودت ہے جو موت سے موزوں ہے یہ وہ ظاہری وجوہ ہیں جن سے آگ کی برتری ثابت ہوتی ہے لیکن اگر آگ اور مٹی کے ذاتی خواص و اوصاف کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آگ زمین کے مقابلہ میں فضائل و کمالات سے تہی دامن ہے اور آگ کے پاس صرف حسن ظاہر کے علاوہ اور کچھ نہیں۔
(۱) زمین میں خشوع و خضوع اس کی فطری و جبلی صفت ہے جو شایانِ شان مخلوق ہے اور آگ اس صفت سے خالی ہے بلکہ اس میں سربلندی اور تکبر کی صفتِ بد پائی جاتی ہے جو مخلوق کے لئے انتہائی طور پر ناپسندیدہ ہے۔ اور زمین اس صفت بد سے منزہ ہے چنانچہ آگ پر اور آگ کا اضافہ ہو تو اوپر کی طرف بڑھتی ہے اور مٹی کے اوپر مٹی ڈالو تو وہ نیچے کی طرف لڑھک جاتی ہے (۲) آگ میں بلندی کی صفت ہے اور ہر بلندی کی انتہا تنزل کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے اور زمین اس خطرہ سے بے نیاز ہے (۳) آگ میں جو چیز ڈالی جائے وہ اُسے جلا دیتی ہے اور زمین میں جو چیز رکھی جائے وہ اُسے محفوظ رکھتی ہے۔ ہاں زمین میں بعض چیزوں کا گل سڑ جانا اس لئے نہیں ہوا کرتا کہ زمین انہیں نقصان پہنچاتی ہے بلکہ چیزوں کے کافی عرصہ تک زمین میں رہنے سے ان کو زمین سے مانوسیت پیدا ہو جاتی ہے پس وہ اپنی موجودہ صورت کو زمین کی صورت سے بدلنے لگ جاتی ہیں رفتہ رفتہ وہ شکل ارضی اختیار کر لیتی ہیں۔ یعنی زمین کی طویل صحبت انہیں اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے نہ کہ ان کو فنا کرتی ہے بخلاف اس کے آگ میں یہ قابلیت نہیں کہ کسی چیز کو اپنے رنگ میں رنگ کر اسے آگ بنا دے بلکہ جو بھی اس کے قریب جائے اس کا کام ہے اس کو جلا کر خاکستر بنا دے۔ ۴۔ زمین میں قوت تولید اور مادہ نمو ہے چنانچہ تمام نباتات اس کی ان دونوں قوتوں کے شاہد عین ہیں اور اسی پر تمام ذوی الارواح و غیر ذوی الارواح مخلوق کی زندگی کا دار و مدار ہے اور آگ میں بخلاف اس کے قوتِ احراق ہے جو ذوی الارواح و غیر ذوی الارواح تمام مخلوق کے لئے پیغام موت ہے اور زمین میں امانت کا مادہ ہے اور آگ میں اس کے برخلاف خیانت کا مادہ ہے۔ ۶۔ زمین اللہ کی مخلوق کے لئے محل سکون ہے اور آگ نافرمانوں کے لئے جیل خانہ اور محل عذاب ہے ۷۔ زمین کو اپنی فروتنی کے باعث یہ شرف نصیب ہے

کہ اللہ نے اس کو محل سجدہ قرار دیا نیز مدفن انبیاء و اولیاء بھی اسی کو قرار دیا اور آگ صرف اس کے دشمنوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ ۸۔ زمین ظاہری صورت میں عالم علوی سے اگرچہ دُور ہے لیکن ان عادات حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے عالم علوی کے قریب تر ہے اور برخلاف اس کے آگ ظاہری طور پر جس قدر عالم علوی کے قریب ہے اوصاف غیر محمودہ کی بنا پر اسی قدر عالم علوی سے دُور تر ہے۔ (۹) آگ کی شکل لطیف ہے لیکن عمل کثیف ہے اور برخلاف اس کے زمین کی شکل کثیف اور عمل لطیف ہے۔ ۱۰۔ آگ میں اثر کرنے کی قوت ہے اور اس میں اثر لینے کی قوت نہیں ہے اور بخلاف اس کے زمین میں اثر کرنے کی قوت ہے جس طرح قوت تولید و نمو وغیرہ اور اس میں اثر لینے کی بھی قوت ہے اور جس میں دونوں قوتیں ہوں وہ ایک قوت والی چیز سے افضل ہے۔ ۱۱۔ زمین کا اثر کرنا ایک اندازۂ خاص کے ماتحت ہوتا ہے جو قابل و منفعل کے لئے باعث نمو و زیادتی ہوتا ہے۔ اور فائدہ مند ہوتا ہے لیکن آگ میں جو اثر کرنے کا جوہر ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں حتیٰ کہ قابل و منفعل کو موت سے ہم آغوش کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں جن میں آگ اثر کرتی ہے ہمیں آگ کے اثر کو کنٹرول کرنے کے لئے وسائط تلاش کرنے پڑتے ہیں اور ذرائع و تدابیر پر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ آگ کی تاثیر کسی حد تک پہنچ کر ختم کر دی جائے اور قابل و منفعل کو موت سے بچا لیا جائے پس ان باطنی خوبیوں کو اگر نظر انداز کیا جائے اور صرف ظاہری کو دیکھا جائے تو ابلیس کی طرح دھوکا میں پڑنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے کیونکہ وہ مٹی کی حقیقی اور باطنی اوصاف کو نظر انداز کر کے آگ کی ظاہری چمک دمک پر ناز کرتے ہوئے اپنی ناری پیدائش کو آدمؑ کی خاکی پیدائش پر ترجیح دے رہا تھا اور اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا نعرہ بلند کر رہا تھا جب ثابت ہو گیا کہ مٹی کو ہی فضیلت حاصل ہے تو قیاس کا پہلا مقدمہ باطل ہو گیا لہٰذا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ خدا کو بھی معلوم تھا کہ یہ آگ سے پیدا ہے اور آدمؑ مٹی سے ہے اور فرشتے نور سے ہیں اور وہی ان سب کا خالق ہے اگر بالفرض مٹی کا درجہ پست بھی ہو تاہم ہو سکتا ہے کہ پست مادہ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں ایسا جوہر رکھ دیا جائے جو بلند مادہ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں نہ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حکم دینے سے پہلے اس جوہر کی نشاندہی کر دی جائے جو اس خاص مخلوق کو تفویض کیا گیا ہے اسی لئے تو جب ابلیس نے انکار کیا تو معرض عتاب میں ذات پروردگار نے ارشاد فرمایا۔ جب میرا حکم تھا تو پھر اور کون سی چیز تجھے سجدہ سے مانع ہوئی؟

اس تہدیدی سرزنش کے بعد تو ابلیس کو یقین ہی تھا کہ میں حکم سجدہ سے مستثنیٰ نہیں تھا اور خالق کا مجھے مستثنیٰ نہ قرار دینا اس امر کی دلیل ہے کہ آدمؑ میں ایسا جوہر موجود ہے جو آگ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اپنے مقام پر اس کو اپنے قیاس کے بے محل ہونے کا یقین تھا لیکن مقام انانیت میں اکڑ کر پوری جسارت اور بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی وجہ افضلیت بیان کی اور انکار سجدہ پر ڈٹا رہا۔ اس مقام پر ابلیس نے دو غلطیاں کیں۔ ایک اظہار تکبر اور

دوسری حکم شرعی خداوندی میں اپنے قیاس کا ڈھونگ اور چونکہ دوسری غلطی پہلی غلطی کا اثر و نتیجہ تھی۔ اسی لئے خداوند کریم نے اس کی پہلی غلطی کی مذمت فرمائی اور عتاب کا رُخ بھی اسی پہلی غلطی کی طرف کیا۔ اور ابلیس کو مرتبہ سے گرانا اور اپنے دربار سے نکال دینا اور اسے رجیم مردود ملعون اور کمینہ وغیرہ خطابات سے مخاطب کرنا اسی تکبر ہی کے نتیجہ میں تھا۔

تکبّر انسان مدنی الطبع ہونے کے لحاظ سے باہمی میل جول کا محتاج ہے اور باہمی انس و محبت ہی میل جول کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے اور کردار و اخلاق کی صحت ہی انسان کی اس اہم پوزیشن کی کفالت کرسکتی ہے اور اخلاق کی کمزوری اور کردار کی پستی باہمی انس و محبت کی دشمن اور میل جول کی قاطع ہے۔ تمام انبیاء انسانوں کو اخلاق کی تعلیم و تربیت دینے کے لئے تشریف لائے تاکہ انسانی تمدّن صحیح معنی میں برقرار رہے اور اخلاق انسانیت سے دست بردار ہوکر یہ انسان درندگی اور بہیمیت کی نازیبا صفات کا مظہر نہ بنے اور تمام صفات بد میں سے تکبّر ایسی بدصفت ہے جو تنہا انسانی زندگی کی بربادی یا خرمن امن و اتحادِ بشری کے خاکستر ہونے کے لئے کافی ہے حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں مکارم الاخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ حضورؐ اور حضورؐ کی آل اطہار علیہم السلام سے تکبّر کی مذمت میں بہت کچھ احادیث وارد ہیں چنانچہ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اُصُوْلُ الْکُفْرِ ثَلَاثَۃٌ اَلْحِرْصُ وَالْاِسْتِکْبَارُ وَالْحَسَدُ۔ کفر کی جڑیں تین چیزیں ہیں (۱) حرص (۲) تکبر (۳) حسد

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے الحاد کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تکبّر الحاد کا پہلا زینہ ہے۔

۳۔ آپ نے فرمایا ہر قوم کے بدترین انسانوں میں تکبّر ہوا کرتا ہے۔ کبر اللہ کی رداہے اور جو شخص تکبّر کرتا ہے وہ اللہ کی ردا میں ہاتھ ڈالتا ہے اور خدا اس کو ذلیل کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ خدا الٹے مُنہ ایسے شخص کو جہنم میں ڈالے گا۔

۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک مثقال برابر بھی تکبّر ہوگا۔ وہ ہرگز جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جہنّم میں ایک وادی ہے جس کا نام سقر ہے اور وہ صرف متکبّرین کیلئے ہے

۶۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تکبّر اور فخر کرنے والے انسان پر تعجب ہے کہ کل تو وہ نطفہ تھا اور آئندہ مردہ ہو جائے گا یعنی جس کی ابتداء اور انتہا اس قدر ذلیل ہو وہ تکبّر کرنے کا کیا حق رکھتا ہے بلکہ درمیانی منزل میں تاج کرامت سے سرفراز ہوکر اپنے اس پروردگار کا کیوں نہ شکر ادا کرے جس نے اس کو اس قسم کی ردّی اور ناقص منزل سے بلند کرکے انسان اور اشرف المخلوقات بنایا پس بعد کی منزل یعنی موت کو یاد کرکے اس سے خوف کھاتا رہے اور نافرمانی کی جرأت نہ کرے۔

۷۔ تفسیر صافی میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جو تواضع کرتا ہے۔ خدا اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے خدا اس کو پست کرتا ہے

اگر اس سلسلہ میں اہل بیتؑ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو انسان محو حیرت ہو کر رہ جاتا ہے اور ان کے اخلاق کو دیکھ کر جب اپنے گریبان میں انسان نظر دوڑاتا ہے تو اسلام کی بجائے خود انسان کے لئے انسان کہلانا بھی مشکل نظر آتا ہے اسی تکبّر کی نفی کے لئے حکم دیا کہ انسان اکیلا کھانا نہ کھائے۔ کیونکہ یہ تکبّر کی علامت ہے۔ اکیلا کمرے میں نہ سوئے۔ بلند سٹیج پر اکیلا نہ بیٹھے۔ چند ساتھیوں کے ہمراہ کہیں جاتے ہوئے آگے چلنے میں خوشی محسوس نہ کرے کیونکہ یہ سب تکبّر کی علامات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معصوم زمین پر بیٹھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے اور اپنی خدمت آپ کرنا ان کا شیوہ تھا۔ غلاموں کے ساتھ مل کر ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ کسی کو توہین آمیز خطابات سے مخاطب نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ کتاب اربعین علامہ مجلسی میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے پہلی حدیث میں حضرت علیؑ سے یہ بھی فرمایا کہ کسی چھوٹی قد والے کو چھوٹی قد والا کہہ کر نہ بلاؤ کیونکہ اس میں بھی اس کی توہین ہے اور اپنے تکبّر کی نشانی ہے۔

قیاس کی مذمّت

تمام فرق اسلامیہ میں سے مذہب حقہ شیعہ خیر البریہ کو بجا فخر حاصل ہے کہ اس مذہب میں بالکل قیاس کو دخل نہیں ہے بلکہ آئمہ اہل بیتؑ سے قیاس کی مذمت میں احادیث تواتر سے مروی ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قیاس والوں نے علم کو قیاس سے حاصل کرنا چاہا۔ لہٰذا وہ حق سے دور تر ہوتے گئے کیونکہ اللہ کا دین قیاس سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلا گناہ جو صفحۂ عالم پر سرزد ہوا وہ ابلیس کی انانیت تھی۔ جب خدا نے آدمؑ کے سجدہ کا فرشتوں کو حکم دیا۔ پس سب نے سجدہ کیا سوائے اس لعین کے تو خدا نے فرمایا تو نے کیوں سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے حکم دیا تھا تو اس نے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا نعرہ لگایا اور اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا تو خدا نے اس کو ملعون ٹھہرایا۔ اس کا نام رجیم رکھا اور بارگاہِ قرب سے اس کو نکال دیا اور خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی کہ جو دین میں قیاس کرے گا اس کو اپنے دشمن ابلیس کے ساتھ ملا کر جہنم کے نچلے طبقے میں داخل کروں گا۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ابو حنیفہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کو فرمایا۔ اے ابو حنیفہ میں نے سنا ہے کہ تو قیاس کرتا ہے تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے بطور نصیحت فرمایا۔ قیاس مت کیا کرو۔ کیونکہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے جبکہ اس نے خدائی حکم کے سامنے قیاس کرتے ہوئے کہا تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔ اگر آدمؑ کی نوریت کا اپنی ناریت سے مقابلہ کرتا۔ تو اسے پتہ چلتا کہ ان میں سے افضل کون ہے؟ اس مکالمہ کو ہم نے مقدمہ تفسیر ص۵۰ میں وضاحت سے نقل کیا ہے۔

باوجود اس کے کہ ابلیس پر اپنے قیاس کی مار پڑی اور قرآن نے اس واقعہ کو متعدد بار دہرایا تاکہ امت اسلامیہ اس سے درس عبرت حاصل کرے لیکن آل محمدؐ کے دروازہ پر نہ جھکنے اور علم کو اپنے اہل سے نہ حاصل کرنے کی بدولت مسلمانوں نے جہاں اور ہزاروں ٹھوکریں کھائیں وہاں یہ مصیبت بھی ان کے لئے طوق گردن ہو گئی کہ قیاس کو دین سمجھ

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝۱۵ قَالَ فَبِمَآ

کہنے لگا مجھے مہلت دے یوم حشر تک فرمایا تحقیق تو مہلت دیا گیا ہے کہنے لگا پس بوجہ

اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۱۶ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ

اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے ضرور بیٹھوں گا اُن (آدمیوں) کیلئے تیرے سیدھے راستہ پہ پھر آؤں گا اُن پر سامنے سے

اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ۝۱۷

اور پیچھے سے اور دائیں جانب سے اور بائیں جانب سے اور نہ پائے گا تو ان کے اکثر کو شکر گزار

بیٹھے چنانچہ فقہا اسلام نے قرآن وحدیث کے بعد حکم فقہی کا ماخذ قیاس کو قرار دیا بلکہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دی۔ چنانچہ فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔ اِنَّ مَذْهَبَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ اِذَا وَرَدَ عَلٰی خِلَافِ الْقِیَاسِ لَمْ یُقْبَلْ یعنی ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب اکیلی حدیث قیاس کے خلاف ہو تو قبول نہ کی جائے گی۔ بلکہ قیاس پر عمل کیا جائے گا۔ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ چھاپ مصر اور دوسرے مقام پر رازی نے قیاس کے متعلق ابن عباس سے روایت نقل ہے کہ ابلیس کے لئے فرمانبرداری قیاس سے بہتر تھی لیکن اس نے نافرمانی کر کے قیاس کر لیا اور پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہی ہے پس جو شخص بھی اپنی رائے سے دین میں قیاس کرے گا خدا اس کو ابلیس کے ساتھ مقرون کرے گا۔ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۵ چھاپ مصر۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں کتاب و اہلبیتؑ سے تمسک کی توفیق مرحمت فرمائی اور ایسے آئمہ کی پیروی سے ہمیں نجات دی جو حدیث رسولؐ سے اپنے قیاس کو بہتر سمجھتے ہیں۔ خدا بُرا کرے تعصب کا کہ رازی جیسے انسان بھی اس مرض کا جب شکار ہوئے تو حق و باطل میں فرق کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ چنانچہ خود معترف ہے کہ ہمارے آئمہ قیاس کو حدیث رسولؐ پر ترجیح دیا کرتے تھے اور یہ بھی جانتا ہے کہ قیاس کرنے والے شیطان کے ساتھی ہوں گے اور باوجود اس کے پھر ہے۔ انہی کے نقش قدم پر اگر آلِ محمدؐ سے مفت کی عداوت نہ ہوتی تو کیوں دیدہ دانستہ قعر ہلاکت میں کرنے کو گوارا کرتا۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْ :- شیطان نے بارگاہِ ربوبیت سے مردود ہونے کے بعد قیامت تک کی مہلت طلب کی۔ تو خداوند کریم نے وقت معلوم تک اس کو مہلت دے دی اور بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا وقت معلوم سے مراد حضرت قائم آلِ محمدؐ کا زمانہ ہے۔

فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ :- شیطان اپنی غوایت و گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے گویا اس کے عقیدہ میں یہ بات تھی کہ گمراہی کا فاعل بھی اللہ ہی ہوا کرتا ہے معلوم ہوا فعل شر کی اللہ کی جانب نسبت دینے والا پہلا شخص شیطان ہے

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

فرمایا نکل جا اس جگہ سے ذلیل مردود جو بھی تیرے تابع ہوگا۔ اُن میں سے البتہ پر کروں گا۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

جہنم کو تم سب سے

جس طرح کہ دین خدا میں قیاس کو دخل دینے والا پہلا وہی ہے تو جن لوگوں کے عقائد میں یہ بات داخل ہو کہ ہر اچھے اور برُے کام کا فاعل خدا ہوا کرتا ہے تو وہ اصول میں شیطان کے تابع ہوئے اور جن کے فروع میں قیاس داخل ہو وہ فروع میں شیطان کے مقلد ہوئے۔

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ [۱۶]: تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے زرارہ سے فرمایا کہ اس سے مراد تم لوگ ہو کیونکہ وہ دوسروں کے گمراہ کرنے سے تو فارغ ہو چکا ہے یعنی وہ تو اس کے اپنے ہی ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابو بصیر نے روایت کی ہے کہ صراط مستقیم سے مراد حضرت علیؑ ہیں پس شیطان اسی راستہ پر بیٹھ کر اسی راہ پر بیٹھنے والوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ معصوم کا یہ فرمان حضرت علیؑ کے شیعہ کہلانے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت اور مہمیز نصیحت ہے۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ [۱۷]: تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت مجیدہ کی تفسیر اس طرح ہے۔ کہ سامنے سے گمراہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ ان پر آسان کر دوں گا اور پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جمع اموال اور بخل عن الحقوق کی دعوت دوں گا اور دائیں طرف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر دین کا معاملہ فاسد کروں گا اور ان کے سامنے گمراہی اور شبہات کو مزین کر کے پیش کروں گا اور بائیں طرف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو لذتوں سے مانوس کروں گا۔ اور ان کے دلوں پر شہوات کو غالب کروں گا۔

اب اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو بات حرف بحرف صحیح ہے۔ شیطان نے آخرت کا معاملہ اس طرح آسان کیا ہے کہ جس قدر گناہ سرزد ہوں ذرہ بھر بھی جہنم کا خوف دل میں خطور نہیں کرتا اور اگر کسی وقت دل میں خیال آ بھی جائے تو فوراً شیطان کسی زبان پر یہ کلمات جاری کرا دیتا ہے۔ علی علی کرو اور جنت تمہاری۔ بس اس ایک جملہ کو سنتے ہی حساب وکتاب کے خطرہ سے طبیعت مطمئن ہو گئی۔ پھر جو جی چاہا کر گزرے نہ قرآن کی پرواہ نہ محمدؐ و آل محمدؐ کے احکام کی پرواہ صرف زبان پر علیؑ علیؑ اور باقی تمام عادات، اطوار، گفتار، کردار وغیرہ میں ابلیس کی تعلیم کا پرتو۔ واجبات شرعیہ کی کوئی پرواہ نہیں اور مناہی شرعیہ کا کوئی لحاظ نہیں۔ صرف علیؑ کا نام آتا ہے۔ علیؑ کے کام کا پتہ نہیں یا یہ کہہ دوں کہ نام سے محبت ہے اور کام سے عداوت ہے اس طرح دوسری شق کو دیکھئے مال کو جمع کرنے کا حرص اور حقوق

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

اور اے آدمؑ رہ تو اور تیری بیوی جنت میں پس کھاؤ جہاں سے چاہو اور نہ پاس جانا اس درخت

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

کے ورنہ ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے

خداوندی کی ادائیگی سے پہلوتہی اسی قوم کا شعار بن چکا ہے۔ نہ زکوٰۃ، نہ خمس اور نہ خیرات بے شک شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ خرچ کرنے سے مال برباد ہوتا ہے اور انسان بھوکا ہو جاتا ہے اگر زمین کو کسی کارِ خیر کے لئے وقف کیا تو اولاد بھوکی مرے گی لیکن اگر شیطان کی راہ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کرنا ہو تو نہ بھوک کا ڈر اور نہ اولاد کی پرواہ ہوتی ہے پس شیطانی تسویلات نے فکرِ آخرت سے بالکل بیگانہ کر دیا ہے اسی طرح تیسرے اور چوتھے پہلوؤں کو دیکھا جائے تو دین کے مسائل میں شبہات اور غلط رواج و رسوم کی تحسین و تزئین جو اس قوم میں موجود ہے مجال نہیں کہ کوئی ان کی غلط رسم کو غلط کہہ دے یا اُن کی مروجہ عادت کو باطل کہہ دے۔ پس جو رسم رواج پا گئی اسی کو ہی دین کہنا ہے اور جو واقعی دین ہے اس پر ہزاروں اعتراضات و شبہات وارد کریں گے۔ مجالس سید الشہداءؑ میں حقیقی پہلو کا جائزہ لیجئے اور موجودہ رسم و رواج سے تطابق دیجئے۔ آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا اور جو بھی غلط کو غلط کہے گا۔ اسی پر دشمنِ حسینؑ کا فتویٰ عائد کیا جائے گا۔ کون کہے کہ غلط روایت پڑھنا گناہ ہے۔ ڈاڑھی منڈوانا حرام ہے۔ عورتوں اور مردوں کا مخلوط ہونا ناجائز ہے۔ گانے کی طرز سے مجلس خوانی ٹھیک نہیں اور ذکرِ حسینؑ میں مقصدِ حسینؑ کو بیان کرنا ضروری ہے، حلال و حرام کے مسائل کو جگہ دینا لازمی ہے وغیرہ تو بلا دریغ کہنے والے کہہ دیں گے۔ ایسی اصلاحات کی تحریک کرنے والا امام حسینؑ کی مجلس کا دشمن ہے۔ الامان۔ شیطان نے ظاہری لذات اور شہوات کو ایسا محبوب بنا دیا ہے کہ لذت اور شہوت کے سائے میں رہ کر دین کا ٹھیکہ حاصل کرنا عادت بن چکی ہے اسی بناء پر امام معصوم آنے والی نسلوں کے ایمانی کردار سے نقاب کشائی فرما رہے ہیں جبھی تو فرمایا کہ شیطان کا ہر چہار طرف سے گمراہ کرنا تم لوگوں کیلئے ہے ورنہ دوسروں سے تو وہ فارغ ہو چکا ہے۔

وَسْوَسَ لَهُمَا ؕ:۔ وسواس کا معنی ہے دل میں ایک خطور سا پیدا ہو جانا۔ اگر مطلق خطور ہو تو اس کا استعمال اِلٰی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے وَسْوَسَ اِلَيْهِ اور اگر ایسا خطور ہو جس میں خیر خواہی اور خوبی کا پہلو بھی ہو تو اس کا استعمال لِ کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کیا گیا۔ شیطان کا وسوسہ اور حضرت آدمؑ کا اس کے دامِ تزویر میں آنا پوری تفصیل کے ساتھ ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بیان کیا ہے لیکن مطلب کی وضاحت کے لئے اس کا خلاصہ یہاں پھر بیان کرتے ہیں تاکہ آیات کے معنی سمجھنے میں آسانی ہو۔ سب سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے

ہ/۹/۱

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

پس وسوسہ ڈالا ان کو شیطان نے تاکہ ظاہر کرے ان کے لئے وہ جو چھپی ہے ان سے اُن کی عورتیں سے

وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا

اور کہا کہ نہیں روکا تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے مگر یہ کہ ہو تم دونو فرشتے یا ہو جاؤ

مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

ہمیشہ زندگی پانے والے اور قسم کھائی ان کے لئے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں

۱۔ حضرت آدمؑ وحوا کی جنت جنت الخلد نہیں تھی ورنہ وہاں سے نکالے نہ جاتے نیز جنت الخلد دار الجزاء کا نام ہے اور دار العمل سے پہلے دار الجزاء میں پہنچ جانا معقول نہیں پس وہ جنت باغاتِ دنیا میں سے ایک باغ تھا جس میں حضرت آدمؑ کو عارضی طور پر رہائش دی گئی تھی۔ ۲۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش زمین کی خلافت کے لئے تھی اور زمین کا آباد کرنا ان کی غرض خلقت تھا نہ کہ بنی بنائی جنت میں قیام پذیر ہونا اور آدمؑ کو یہ چیز معلوم تھی۔ نیز ابلیس کو بھی اس کا علم تھا۔ ۳۔ ابتداً حضرت آدمؑ کو عارضی طور پر وہاں ٹھہرایا گیا۔ تاکہ ترتیب وار فطرت انسانی کے ماتحت آگے بڑھیں چونکہ یک لخت زمین غیر آباد پر بھیجنا فطرت انسانیہ کے پیش نظر آدم پر بار خاطر ہوتا اس لئے کچھ وقت تک مانوسیت کے لئے ان کو ملائکہ کی صحبت دی گئی (۴) زمین پر جاکر عہدۂ جلیلہ نبوت کے پیش نظر اپنی اولاد کو ابلیس کے مکر وفریب سے بچنے کی انہوں نے تلقین کرنی تھی۔ پس ان امور کے جاننے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ حضرت آدمؑ کا خروج بطور سزا کے نہیں بلکہ ڈیوٹی کے تقاضے کے لئے ان کی خلقت ہوئی تھی کیونکہ جس طرح وہ جنت ان کی دار الجزاء نہیں تھی اسی طرح اس سے نکلنا سزا نہیں قرار پا سکتا کیونکہ جب آدمؑ دار العمل میں پہنچے بعد میں ہیں تو پہلے سزا یا جزا کا کوئی معنی ہی نہیں۔ خدا کے علم میں تھا کہ آدمؑ نے اس عارضی گھر جنت میں کتنی مدت تک قیام کرنا ہے اور اس مدت کا آدمؑ کو علم نہ دیا گیا تھا۔ اس لئے وساوس شیطانی کے عملی تجربہ کے لئے آدم کی جنت سے روانگی کو ایک مقررہ درخت کے قریب جانے پر معلق کر دیا اور آدمؑ کو صرف اتنا کہا کہ اس درخت کے قریب جانے سے تمہیں خسارہ ہوگا اور خسارہ کی نوعیت نہ بیان کی گئی۔ اب شیطان کا وسوسہ ڈال کر آدم کو درخت کے قریب لے جانا اور آدم کا اس سے کچھ کھانا جنت سے خروج کا موجب ہو گیا۔ جیسا کہ علم خداوندی میں پہلے سے تھا اور آدمؑ کو اب بتا دیا گیا کہ یہ لو اس درخت کے قریب جانے کا بدلہ پس یہاں سے روانہ ہو کر اپنے مقام خلافت پر جاؤ۔ جانا تو بہرکیف تھا ہی اب خسارہ یہ ہوا کہ اگر اس درخت کے قریب نہ جاتے تو کچھ دیر زیادہ ملائکہ کی صحبت میں سرسبز وشاداب باغات میں آرام کی

زندگی گزارتے لیکن اب فوراً آنا پڑ گیا اور چونکہ علم خداوندی میں ایسا ہی تھا۔ لہذا وہی ہو کے رہا اس میں نہ حضرت آدمؑ کی توہین ہے اور نہ عصمت کے منافی کوئی بات ہے اور ابلیس نے وسوسہ اس لئے ڈالا کہ جب سجدہ کے انکار سے اس کو مردود ٹھہرایا گیا تو اس کے دل میں آتشِ انتقام بھڑک اٹھی اور اس کو معلوم تھا کہ دارالعمل میں پہنچ جانے کے بعد تو آدمؑ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور نہ میرے داؤ میں آئیں گے کیونکہ نبیؑ ہیں۔ لہذا دارالعمل میں پہنچنے سے پہلے اسی عارضی آرام گاہ میں ان پر مکر کا جال ڈال کر انتقام لیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے حیلہ میں کامیاب ہوا۔

لِيُبْدِيَ لَهُمَا ۔ اگر لام کو نتیجہ کے لئے قرار دیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو مقام عیب ان سے پوشیدہ رکھا گیا تھا وہ اب ان پر ظاہر ہو گیا اور اپنی لغزش کا خوب احساس ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت دی گئی اور مقررہ درخت سے منع کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر اس کے قریب گئے تو تم کو ہی خسارہ ہو گا۔ یعنی نہی ارشاد کے طور پر تھی نہ کہ مولوی تھی جس کی مخالفت موجب گناہ ہوتی ہے اب فطرتِ انسانیہ کے ماتحت آدمؑ نے سوچا کہ وہ خسارہ کیا ہو گا تو دو قسم کے خطور پیدا ہوئے جو وسوسہ تھے کیونکہ اس جگہ کے ماحول میں ہی تو سوچنا تھا۔ اب خیال کیا کہ یا تو اس درخت کے کھانے سے فرشتہ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہاں فرشتوں کی رہائش ہی دیکھی تھی یا یہ صورت ہو گی کہ اسی باغ کی عارضی سکونت کو میرے لئے دائمی قرارگاہ بنا دیا جائے گا۔ پس شیطان نے اس وسوسہ کو اور تقویت دی اور قسم کھا کہ کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہیں جو منع ہوئی ہے وہ اس لئے ہے کہ اس درخت کے کھانے سے یا ملک ہو گے یا یہاں کی رہائش دائمی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور کیا خسارہ متصور ہو سکتا ہے۔ بس یہ خسارہ کوئی بڑی بات نہیں۔ اس ان دیکھی چیز کو دیکھو ضرور اور نہ چکھے ہوئے پھل کا ذائقہ چکھو ضرور پس حضرت آدمؑ اس قسم کے دھوکے میں آگئے اور وہ پھل کھا لیا جس کے نتیجے میں انہیں باغ جنت چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ اس کو کھانے والا وہاں رہ نہیں سکتا اور یہ چیز آدمؑ و حوا سے پوشیدہ رکھی گئی تھی جو اب ظاہر ہو گئی اور جس خسارہ کا وسوسہ حضرت آدمؑ کے دل میں ڈالا گیا وہ تو ہو سکتا ہی نہیں تھا کیونکہ ان کی پیدائش خلافت ارضیہ کے لئے تھی۔ اب حضرت آدمؑ پر شیطان کے دام تزویر کی قلعی کھل گئی اور ابلیس کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا اور مقام تبلیغ میں اپنی اولاد پر ابلیس کی عداوت کی وضاحت کا مقام خوب ہاتھ آیا اور اگر لام کو تعلیل کے لئے قرار دیا جائے تو اس کا مقصد یہ ہو گا کہ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا ہی اس لئے تھا کہ اس درخت کے قریب جا کر جنت میں رہنے کے قابل نہ رہیں گویا اس کو اس بات کا پہلے سے علم تھا۔ کہ اس درخت کے قریب جانے کا خاصہ یہی ہے لیکن یہ بعید ہے اور صافی و برہان میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے ان کو جو لباس جنت پہنایا تھا وہ فوراً ان سے علیحدہ ہو گیا اور گر گیا اور تفسیر مجمع البیان میں ایک قول ہے کہ نور کا لباس تھا اور ممکن ہے اس سے مراد وقار و ہیبت ہو۔ واللہ اعلم

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

پس پھسلا دیا اُن کو دھوکے سے تو جب انہوں نے چکھا درخت ظاہر ہوگئی اُن پر اُن کی عورتیں اور شروع ہوئے ۔

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا

سینے تھے اپنے اُوپر جنت کے پتے اور اُن کو ندا دی اپنے رب نے کیا میں نے تمہیں

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

روکا نہیں تھا اس درخت سے اور تم کو کہا تھا کہ تحقیق شیطان تمہارا واضح دشمن ہے ؟

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کہنے لگے اے پروردگار ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی اور اگر تو معاف نہ کرے اور رحم نہ کرے تو ہم ہوجائیں گے ۔

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

خاسرین میں سے فرمایا اترو بعض تمہارا بعض کا دشمن ہوگا اور زمین میں تمہارا ٹھکانا

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

اور جینا ایک وقت تک ہوگا فرمایا اس میں تم جیوگے اور اسی میں تم مروگے اور اس سے نکالے جاؤگے

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ :- جب انہوں نے پھل کھایا تو مقام عیب کھل گیا اور ان پر ان کی عورتیں ظاہر ہوگئیں ۔ شائد اس کا مطلب یہ ہو کہ پہلے تو ملائکہ کے ہمراہ مصروف تسبیح تھے ۔کسی دوسری جہت کا خیال تک نہ تھا ۔بس صرف ایک ہی کام تھا اور ایک ہی خیال تھا ۔اب جو درخت کا پھل کھایا ۔تو اس کے لوازم سامنے آگئے کہ حاجات ضروریہ بھی محسوس ہوئیں اور قوائے شہوانیہ بھی کام کرنے لگ گئیں فوراً ان جہات کی طرف توجہ دینی پڑی اور قوتِ عاقلہ الٰہیہ نے جتلا دیا کہ مقام عیب یعنی عورتین کو کھلا نہیں ہونا چاہیئے اس سے پہلے انہوں نے نہ صرف اپنی طرف دھیان کیا تھا اور نہ ایک دوسرے کی طرف دھیان کیا تھا بلکہ تسبیح و تقدیس پروردگار کی دھن میں ہی مصروف تھے ۔جیسا کہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے ۔کانت سواتھما لاتبد و الھما فبدت یعنی ان کی عورتین ان پر ظاہر نہ تھیں اب ظاہر ہوگئیں گویا حاجاتِ ضروریہ کا احساس ہوا اور قوائے شہوانیہ میں گرمی پیدا ہوئی بلکہ غذا کے اندر جانے سے بدنی مشینری چالو ہوگئی تو بدن کے جو حصے معرض توجہ میں نہ تھے ۔اب مرکزِ التفات بن گئے فطرتِ انسانیہ کے ماتحت حیا و شرم لازمی تھا ۔پس مقامِ شرم کو ڈھانپنے کی سوچی ۔چنانچہ اور تو کوئی چیز تھی نہیں ۔جنت کے بعض درختوں

کے پتوں کو اپنے اوپر سی دیا شاید وہ انجیر کے پتے تھے یا کیلے کے پتے تھے۔

اِهْبِطُوْا :- تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے بروز جمعہ زوال شمس کے وقت حضرت آدمؑ میں نفخ روح ہوئی اور پھر فرشتوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا اور جنت میں سکونت ملی اور کلیہ چھ گھنٹے وہاں رہ کر شام کو باہر نکل آئے۔ حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ

حضرت آدمؑ جنت سے باہر تشریف لائے تو جبرئیل نے پوچھا۔ اے آدمؑ! خدا نے تجھے اپنے ید قدرت سے خلق فرمایا اور تجھ میں رُوح پھونکی پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا پھر تجھے حوّا زوجہ عطا کی اور جنت میں سکونت بخشی پھر صرف ایک درخت سے اس نے منع کیا۔ لیکن تو رُک نہ سکا تو حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔ اے جبرئیل ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر مجھے بتایا کہ میں تیرا خیرخواہ ہوں مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ مخلوق میں سے کوئی خدا کی جھوٹی قسمیں بھی کھایا کرتا ہے (برہان)

نیز آپ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ شب معراج حضرت موسیٰ و حضرت آدمؑ کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدمؑ پر یہی سوال کیا اور حضرت آدمؑ نے اس کا جواب دیا۔ من جملہ اس جواب کے فرمایا۔ شیطان نے خیرخواہی کی قسم کھائی کہ کہا میں تیری حالت پر غمگین ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ تو شیطان نے کہا میں تیرے ساتھ مانوس ہو چکا ہوں لیکن تو عنقریب یہاں سے چلا جائے گا۔ ایسی جگہ جو مجھے ناپسند ہے تو میں نے کہا اس کا پھر علاج کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا اس درخت کا پھل کھا لو اور ہمیشہ جنت میں رہو اور قسم کھائی کہ میں خیرخواہی کر رہا ہوں اور مجھے نہ معلوم تھا کہ خدا کی جھوٹی قسم بھی کوئی کھا سکتا ہے۔ پس میں نے اعتبار کر لیا۔ (برہان)

وسوسہ کی حقیقت

احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے کہ دل مثل ایسے گنبد کے ہے کہ متعدد دروازوں سے اس میں حالات کا ورود ہو یا مثل ایسے نشانے کے ہے جس پر ہر جانب سے تیر پڑ رہے ہوں یا مثل ایسے شیشے کے ہے جس پر یکے بعد دیگرے مختلف صورتوں کا نقش ہوتا ہو یا مثل ایسے حوض کے ہے کہ ہر جانب سے نالیوں کے ذریعے اس میں پانی جمع ہوتا ہو۔ پس دل میں حالاتِ مختلفہ کا ورود یا تو ظاہری راستوں سے ہوگا۔ جو حواس خمسہ کہلاتے ہیں اور یا باطنی راستوں سے ہوگا۔ جیسے قوتِ خیالیہ، قوتِ شہویہ، قوتِ غضبیہ وغیرہ۔ پس دل پر انہی متعینہ راستوں کے ذریعے یکے بعد دیگرے جو حالات وارد ہوتے ہیں۔ ان کا دل پر اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے دل کے تاثرات بدلتے رہتے ہیں اور دل آثارِ مختلفہ کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ ان میں بعض دیرپا ہوتے ہیں اور بعض فوری ہوتے ہیں جو ادھر سے آئے اور ادھر گئے پس یہی خیالات انسان کی عملی قوتوں کی تحریک کرتے ہیں اور ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی دعوت دیتے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ جو برائی کی تحریک کرتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اخروی خسارہ ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے وہ جو اچھائی کی طرف اقدام کے محرک ہوتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اُخروی فائدہ ہوتا ہے۔ پہلی

قسم کے خیال کا نام **وسوسہ** ہے اور دوسری قسم کے خیال کا نام **الہام** ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان خیالات کو کون لاتا ہے؟ یقیناً انسان خود تو لاتا نہیں ہے کیونکہ ہر انسان جانتا ہے کہ دل پر وارد ہونے والے خیالات غائبانہ آجاتے ہیں اور پھر ہزار کوشش کرے تو دل سے دُور نہیں ہوتے اگر اپنے لائے ہوئے ہوتے تو ہٹانے سے ہٹ سکتے اور بعض اوقات انسان کوشش کرتا ہے کہ ان سے گلوخلاصی ہو جائے ساری کی ساری رات بیداری میں کٹ جاتی ہے لیکن وہ خیالات جان نہیں چھوڑتے۔ معلوم ہُوا ان کا فاعل خود انسان نہیں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ان خیالات کا فاعل دوسرا کوئی انسان بھی نہیں ہے۔ اب یا تو اس کا فاعل خُدا ہے یا شیطان۔ پس اگر وہ خیالات اچھائی اور نیکی کے ہیں تو یقیناً ان کا فاعل اللہ ہے کیونکہ شیطان سے نیکی کی کوئی توقع نہیں ہے اور اگر وہ خیالات برائی کے ہیں تو وہ اللہ کی جانب سے تو ہو نہیں سکتے کیونکہ خدا برائی کی دعوت نہیں دیتا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وہ خیالات شیطان کی جانب سے ہیں پس ثابت ہُوا کہ الہام خدا کی طرف سے اور وسوسہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔

انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں

معتزلہ چونکہ ملائکہ کو انبیاء سے افضل مانتے ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ شیطان نے آدمؑ کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا پھل کھانے سے تم ملک بن جاؤ گے یا ہمیشہ کی زندگی پاؤ گے تو اگر ملائکہ انبیاء سے افضل نہ ہوتے تو ابلیس یہ وسوسہ کیوں ڈالتا اور حضرت آدمؑ اس کی طرف اقدام کیوں کرتے لیکن آیت مجیدہ سے ملائکہ کی افضلیت ثابت کرنا غلط ہے کیونکہ حضرت آدمؑ خطاب خداوندی سُن چکے تھے کہ اس درخت کے قریب جانا باعث نقصان ہے اور معمولی سے معمولی دماغ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ حاکمِ بالا کی مخالفت ہرگز ترقّیِ مراتب و مدارج کا موجب نہیں بنتی بلکہ تنزّلی کی موجب ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا مخالفت کی طرف اقدام کرنا اور اس اُمید سے کہ مجھے ترقّی ملے گی۔ عام صاحب عقل سے ناممکن ہے چہ جائیکہ پیغمبرؑ اس قسم کی توقع رکھے۔ ہاں ایسی صورت میں خسارہ کی امید ہوتی ہے اور یہ وسوسہ خسارہ کی دو طرفوں کا اظہار تھا اور اس ماحول میں طبعی طور پر وسوسہ کی شقیں یہی ہونی چاہئیں تھیں۔ لہٰذا آیت مجیدہ نبوّت کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ فرشتے کی افضلیت پر اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ وسوسے کی دو شقیں ترقی درجات کے دو پہلو تھے جو شیطان نے بطور وسوسہ پیش کئے تو ہم کہیں گے کہ یہاں اَوْ اعراض کے لئے ہے کہ شیطان نے آدمؑ کو دھوکہ دینے کے لئے پہلے یہ حربہ استعمال کیا کہ اگر تو اس پھل کو کھائے گا تو ملک بن جائے گا اور چونکہ ابلیس جانتا تھا کہ آدمؑ ملائکہ سے افضل ہے اور ملائکہ کے حکمِ سجود میں بھی شامل تھا پس فوراً ابلیس سمجھا کہ دھوکا کا یہ پہلو کمزور ہے جس کے سامنے ملائکہ سربسجود ہو چکے ہوں وہ فرشتہ بننے کی خواہش کیونکر کرے گا۔ لہٰذا اَوْ کے کلمہ کے ذریعے پہلے مطلب سے اعراض کیا اور ہمیشگی کا طمع دلایا۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اَوْ کی تخییر کے لئے مانیں جو موجب شبہ ہے۔ بہرکیف انبیاء کے ملائکہ سے افضل ہونے میں کوئی شُبہ نہیں ہے جس کے کئی وجوہات ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ

اے اولاد آدمؑ تحقیق ہم نے نازل کیا تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہارے مقام شرم کو اور زینت ہے اور لباس تقویٰ

ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ

یہ بہتر ہے یہ اللہ کی آیات میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اے اولادِ آدمؑ نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان

كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ

جسطرح کہ نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے کہ اتارا ان سے ان کا لباس تاکہ دکھائے ان کو ان کے مقام شرم تحقیق وہ تم

وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

کو دیکھتا ہے اور اس کی نسل بھی کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے تحقیق ہم نے بنایا شیطانوں کو ولی ان لوگوں کا جو ایمان نہیں رکھتے۔

۱۔ نبی کے سامنے ملائکہ سربسجود ہوئے ۲۔ نبی خُدا کی جانب سے عہدۂ خلافت پر مامور ہیں اور فرشتوں کی حیثیت پیغام رساں کی ہے ۳۔ خداوندکریم نے آدمؑ، نوحؑ، آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمران کے عالمین پر مصطفےٰ ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور عالمین میں ملائکہ بھی داخل ہیں ۴۔ فرشتے چونکہ مادہ سے بالاتر ہیں لہذا مقامِ اطاعت وعبادت میں اُن کو رکاوٹ کوئی نہیں اور انبیاء مادہ سے مقرون ہونے کے باوجود مطیع وفرمانبردار پروردگار تھے لہذا یہ ملائکہ سے افضل ہیں۔

۵۔ شبِ معراج سیدالملائکہ جبرئیل نے سیدالانبیاء کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایک مقام پر رُک کر کہا۔ لَوْ دُنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ اگر میں ایک انگلی کے بند کی مقدار آگے آؤں تو جل جاؤں پس جبرئیل رُک گیا اور حضورؐ آگے بڑھتے گئے۔

رکوع نمبر ۱

قَدْ اَنْزَلْنَا :۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ لباس تقویٰ سے مراد سفید لباس ہے اور ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ لباس سے عام لباس مراد ہے اور ریش سے مال ومتاع مراد ہے اور لباس تقویٰ سے عفیف ہونا مراد ہے کیونکہ عفیف یعنی پاکدامن انسان اگر ننگا ہو تب بھی اس کی شرمگاہ پر پردہ ہوتا ہے اور بدکار اگرچہ لباس میں ہو تب بھی اس کی شرمگاہ ظاہر ہوتی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ریش کا معنی اثاثۂ بیت۔ مال جمال گذران اور نیز مفسرین سے منقول ہے اور لباس تقویٰ کا معنی عمل صالح، حیا، لباس، زہد وتواضع، لباس حرب وضرب خوفِ خدا ستر عورت اور ایمان باختلاف اقوال مفسرین منقول ہے۔

يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ : مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ خدا نے ابلیس اور اس کے لشکر کو یہ

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ

اور جب کریں برائی تو کہتے ہیں ہم نے پایا اسی طریقہ پر اپنے آباء کو اور اللہ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہہ دیجئے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

تحقیق اللہ نہیں حکم دیتا برائی کا کیا کہتے ہو اللہ پر وہ بات جو تم نہیں جانتے

طاقت دی ہے کہ انسان کے جسم میں خون کی طرح پھیل جائیں۔ پس بنی آدم کے سینوں میں اُن کے ٹھکانے ہیں۔ وہ تو بنی آدم کو دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا :۔ اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں کہ وہ مرد عورتیں بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور کہتے تھے ہم ایسے طواف کرتے ہیں جس طرح پیدا ہوئے تھے اور ایسے کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم گناہ کر چکے ہیں اور اپنی کمر کے ساتھ چمڑے کی ایک طریز سی باندھ لیتے تھے جس کو نوف کہتے تھے اور عورت اپنے آگے شرمگاہ کے مقام پر کوئی مختصر سا ٹکڑا رکھ لیا کرتی تھی اور تفسیر صافی و برہان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کیا تو نے کسی کو دیکھا ہے جو کہتا ہو کہ خدا نے مجھے زنا شراب یا کسی فعل حرام کا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا اس فاحشہ سے کیا چیز مراد ہے جس کے متعلق کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو لوگوں نے کہا خدا ہی بہتر جانتا ہے اور اس کا ولی اس کو جانتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ آئمہ جور کے حق میں ہے اور جو لوگ دعوے کرتے ہیں کہ خدا نے ہم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا ہے پس اللہ ان کی تردید کر رہا ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں اور سراسر جھوٹ بولتے ہیں پس اسی کو فاحشہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ صت ۲۴ :۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے کئی معانی منقول ہیں (۱) نماز کے لئے ہر مسجد میں قبلہ کی طرف رُخ کرو (۲) اپنے منہ کو اس جانب سیدھا رکھو، جس جانب نماز میں منہ کرنے کا حکم ہے (۳) جب نماز کے وقت کسی مسجد میں پہنچو تو وہاں ادا کر لو اور یہ نہ کہو کہ میں فلاں مسجد میں جا کر پڑھوں گا (۴) ہر نماز کے لئے مسجد کا قصد کیا کرو گویا نماز با جماعت کا حکم دیا گیا ہے (۵) اطاعت خداوندی میں اپنے وجوہ کو خالص کرو اور شرک کی ملاوٹ نہ کرو۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ صت ۲۴ :۔ اس میں کئی اقوال ہیں (۱) یعنی جس طرح وہ تمہاری ابتداء پر قادر ہے اسی طرح تمہاری دوبارہ بازگشت پر بھی قادر ہے لہذا تم نے اس کے پیش ہونا ہے تو پھر اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرو۔ ۲۔ مٹی سے تم کو پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری بازگشت وہی مٹی ہے ۳۔ جب تم کو پیدا کیا تو تم کسی چیز کے مالک نہ تھے اسی طرح جب دوبارہ تمہیں اٹھایا جائے گا تو کسی چیز کے مالک نہ ہو گے اور حضرت

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ

کہہ دیجئے امر کیا ہے میرے رب نے انصاف کا اور سیدھا رکھو اپنے منہ کو نزدیک ہر نماز کے اور

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

پکارو اس کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو جس طرح اس نے تم کو پیدا کیا اسی طرح پلٹو گے

رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز ننگے محشور ہوں گے۔ چنانچہ پارہ نمبر ۹ کے رکوع نمبر ۵ کی تفسیر میں ایک روایت ہم نے اصولِ کافی سے نقل کی ہے۔ جس میں جناب رسولِ پاکؐ کا حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد کو اپنی قمیض سے کفن دینے کا تذکرہ ہے تاکہ وہ میدان محشر میں ملبوس محشور ہوں۔ ہم نے اس حدیث کو نورانی لطیفہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قبر میں بھی ولائے علیؑ کے سوا کسی کی نہ گزر سکے گی۔ اسی جلد کے صفحہ ۱۷۷ پر ملاحظہ ہو اور تفسیر کی جلد نمبر ۴ میں اس مطلب کی طرف اشارہ گزر چکا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں آئمہ طاہرینؑ سے یہ روایت بھی ہے کہ میت کو کفن پہنایا کرو کیوں کہ بروزِ محشر لوگ اپنے اپنے اکفان پر فخر کریں گے۔ (۲) جس عقیدہ پر انسان مرے گا بروز محشر اسی عقیدہ پر اُٹھے گا۔

آداب واطوار خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ ص۲۵ ا۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ جمعہ اور عیدین میں غسل کرنے اور سفید لباس پہننے کا حکم ہے۔

۲۔ تفسیر برہان میں بروایت فقیہہ امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ ہر نماز کے وقت ڈاڑھی میں کنگھی کرنے کا حکم ہے۔

۳۔ مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ اور عید کے دن زینت کا لباس پہن کر جایا کرو۔

۴۔ حضرت امام حسن علیہ السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو عمدہ لباس پہن لیتے تھے تو ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ فَاَتَجَمَّلُ لِرَبِّيْ تحقیق اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے لہذا میں بھی اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر جمال اختیار کرتا ہوں

۵۔ بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کنگھی کیا کرو کیونکہ اس سے رزق بڑھتا ہے۔ بال اچھے رہتے ہیں، حاجتیں پوری ہوتی ہیں، قوت باہ زیادہ ہوتی ہے اور بلغم ختم ہوتی ہے اور حضرت رسالتمآبؐ ڈاڑھی پر نیچے سے چالیس مرتبہ اور اُوپر سے سات مرتبہ کنگھی پھیرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے رزق بڑھتا ہے اور یہ چیز بلغم کی قاطع ہے۔

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ

ایک گروہ کو ہدایت کی اور ایک فریق پر واجب کیا گمراہی کو تحقیق انہوں نے بنایا شیاطین کو اپنا ولی

مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ

سوائے خدا کے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں اے اولاد آدمؑ پکڑو اپنی زینت

عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾

نزدیک ہر مسجد کے اور کھاؤ پیو اور نہ اسراف کرو تحقیق وہ دوست نہیں رکھتا اسراف کرنیوالوں کو

۶۔ اس آیت مجیدہ کی تاویل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی زیارت سے قبل غسل کر لیا کرو۔

۷۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ہر نماز فریضہ یا نافلہ کے لئے کنگھی کرو اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کنگھی کرنا وبا کو دور کرتا ہے اور حضرت صادق علیہ السلام ہر نماز کے بعد کنگھی کیا کرتے تھے۔

۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس جگہ زینت سے مراد ہے کہ جمعہ، عید کے دن چادر اوڑھ کر نکلے۔

وَلَا تُسْرِفُوا :۔ تفسیر کبیر میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جاہلی قبائل عرب زن و مرد بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے کہ ہم گناہ والے کپڑوں میں طواف کیوں کریں اور بعضوں کا گمان تھا کہ جس طرح ہم اپنے جسم سے کپڑے دُور کرتے ہیں۔ خدا اس فعل سے ہمارے جسم سے گناہ کو دُور کرے گا۔ گویا نیک فالی کے لئے ایسا کرتے تھے اسی طرح مسجد نبوی میں پہنچتے تھے تو کپڑے اتار لیتے تھے اور ننگے اندر جاتے تھے لیکن صرف یہ نہ کرتے تھے بلکہ وہ کھانے پینے میں کمی کر دیتے تھے اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے ان تمام رسوم کو غلط کہہ کر صحیح طریقہ کی تعلیم دی کہ عبادت کے لئے زینت اختیار کرو یعنی لباس پہنو اور کھاؤ پیو جو چاہو۔ ہاں فضول خرچی نہ کرو۔

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ :۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے یہ سمجھا ہے کہ خدا نے جو کچھ کسی کو دیا ہے وہ اس لئے کہ وہ اللہ کو زیادہ پیارا تھا اور جس کو نہیں دیا وہ اس لئے کہ اس کے نزدیک وہ ذلیل تھا۔ یہ بات نہیں بلکہ مال سب اللہ کا ہے اور انسان کو بطور امانت عطا فرماتا ہے اور ان کو حکم دیا ہے۔ کہ کھانے، پینے، پہننے، نکاح کرنے اور سواری کرنے میں میانہ روی کو اختیار کریں اور بقایا مال سے فقراء مومنین کی خبر گیری کریں۔ ان کی حاجات پوری کریں۔ پس جو ایسا کرے گا تو گویا اس نے حلال کھایا۔ حلال پیا، حلال سواری

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ

کہہ دو کس نے حرام کی اللہ کی زینت وہ جو ظاہر کی اس نے اپنے بندوں کے لئے اور پاکیزہ رزق

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

کہہ دو جو لوگ ایمان لائے زندگی دنیا میں یہ چیزیں خالص ان کی ہوں گی بروز قیامت

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

اسی طرح ہم تفصیل کرتے ہیں اپنی نشانیوں کی اس قوم کے لئے جو جانیں

کی اور حلال سے نکاح کیا اور جو اس سے تجاوز کرے گا تو حرام کرے گا۔ پھر فرمایا خدا اسراف والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو مال کا امین بنا کر اسے ہزار دینار کا گھوڑا خریدنے کی اجازت دے جبکہ اسے بیس دینار کا گھوڑا بھی کافی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ضروریات زندگی جس طرح خوش اسلوبی سے پورے ہو سکتے ہوں پس اس سے آگے بڑھانا فضول خرچی ہے ایک حدیث میں معصوم سے منقول ہے کہ جب رات دن کی قوت گھر میں موجود ہو تو ایسی صورت میں سوال کرنا بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے

لطیفہ تفسیر مجمع البیان میں حکایت ہے کہ ہارون رشید کے پاس ایک انگریز ڈاکٹر تھا جو فن طب میں ماہر تھا۔ اس نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ علم تو صرف دو ہیں ایک علم دین اور دوسرا علم طب لیکن تمہاری کتاب قرآن میں علم طب کا کوئی ذکر نہیں تو علی بن حسین بن واقد نے اس کا جواب دیا کہ خداوند کریم نے ساری طب کو ایک نصف آیت میں بند کر کے رکھ دیا ہے اور وہ ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھانے پینے میں اعتدال ہی کا نام تو ہے طب اور نبی علیہ السلام نے ایک ہی فقرہ میں ساری طب کو بند کر دیا ہے۔ اور وہ ہے المعدة بيت الداء والحمية رأس كل دواء واعط كل بدن ما عودته یعنی معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز ہر دوا کا سر ہے اور بدن کو وہ غذا دو جو اس کی عادت میں داخل ہو تو ڈاکٹر یہ سن کر کہنے لگا تمہاری کتاب اور نبی نے تو جالینوس کو طب میں مات کر دیا۔

رکوع ۱۱ ترکِ لذات

قُلْ مَنْ حَرَّمَ ۔ زینت کی چیزیں جو زمین سے نکلتی ہیں اور پاکیزہ اور لذیذ چیزیں جو زمین اگاتی ہے انسان پر حرام نہیں ہیں اور دنیا میں طیبات اور زینتوں میں مسلمان کافر سب شریک ہیں لیکن آخرت میں یہ چیزیں صرف ان لوگوں کے لئے ہوں گی جو دنیا میں مومن ہوں گے یا یہ معنی ہو گا کہ دنیا میں یہ لذات مصائب و آلام کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ لیکن آخرت میں مومنوں کے لئے یہ لذات خالص ہوں گی یعنی غم و دُکھ کی ملاوٹ نہ ہو گی۔

تفسیر صافی میں عیاشی اور کافی سے منقول ہے کہ سفیانِ ثوری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت نے قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ پس وہ امام کے پاس آیا اور بے ادبانہ زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہنے لگا کہ حضرت رسالتمآب اور حضرت علیؑ نے تو اس قسم کا لباس کبھی نہیں پہنا تھا۔ آپ نے نہایت متانت اور اور حوصلے سے ارشاد فرمایا کہ حضورؐ رسالتمآب جس زمانہ میں تھے وہ زمانہ تنگدستی کا تھا اور اب زمانہ خوش حالی کا ہے اور نیک لوگ اس خوشحالی سے فائدہ اٹھانے کے زیادہ سزاوار ہیں ہیں پھر آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ ہم دوسروں کی نسبت اس کو استعمال کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں (یہ اس کے سوال کا جلی جواب تھا۔ پھر اس کے نقص کی طرف مائل ہوئے اور فرمایا) اے سفیان میرا ظاہری لباس جو تو دیکھ رہا ہے یہ میں نے صرف لوگوں کیلئے پہن رکھا ہے۔ پھر سفیان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور اوپر کا کپڑا اٹھایا جس کے نیچے ایک کھردرا کپڑا تھا۔ پس فرمایا یہ میں نے اپنے لئے پہنا ہے اور جو تو ظاہر میں دیکھ رہا ہے وہ لوگوں کے لئے پہنا ہوا ہے پھر آپ نے سفیان کا کپڑا اٹھایا تو اوپر کھردرا تھا اور اندر نرم لباس پہنے ہوئے تھا۔ فرمایا تو نے لوگوں کے دکھاوے کیلئے اوپر کھردرا لباس پہنا ہے اور اپنی ذات کے لئے نرم لباس پہن رکھا ہے۔

نیز مروی ہے کہ آپ ایک مرتبہ مرو کے عمدہ خوبصورت کپڑے پہن کر اپنے کسی صحابی پر تکیہ لگا کر جا رہے تھے کہ راستہ میں عباد بن صامت سے ملاقات ہوئی۔ وہ کہنے لگا حضورؐ آپ تو خاندان نبوت میں سے ہیں۔ کیا کہنا تیرے باپ کا وہ کس قسم کے بلند انسان تھے (یعنی حضرت علی علیہ السلام تو تارکِ دنیا تھے اور آپ قیمتی لباس پہنتے ہیں) اس کا مقصد صرف اعتراض کرنا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عباد۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ : الآیہ یعنی آپ نے قرآن کی یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا جب خدا کسی انسان پر نعمت نازل فرماتا ہے تو وہ چاہتا ہے۔ کہ اس انسان پر اس نعمت کا اثر دیکھے اس کے بعد فرمایا۔ اے عباد میں جگر گوشۂ رسول ہوں مجھے اذیت نہ دو۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ حضرت علیؑ تو کھردری قمیص پہنتے تھے جس کی قیمت چار درہم کے لگ بھگ ہوا کرتی تھی اور آپ قیمتی لباس زیب تن فرماتے ہیں تو فرمایا حضرت علیؑ جس زمانہ میں تھے وہ زمانہ تنگ حالی کا تھا اس زمانہ میں اس قسم کا لباس، لباس شہرت کہلاتا تھا لیکن آج خوشحالی کا زمانہ ہے اور یہ کپڑے عام معمول ہو گئے ہیں لہٰذا ان کو لباسِ شہرت نہیں کہا جاتا اور ہر زمانہ میں بہترین لباس وہ ہے جو اس زمانہ میں مروّج ہو ہاں جب ہمارا قائم ظہور کرے گا تو وہ علیؑ کا لباس پہنے گا اور انہی کی سیرت کو اپنائے گا۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سردیوں کے لئے پشمینہ خرید فرماتے تھے جس کی لاگت پچاس دینار ہوتی تھی اور سردیاں گزر جانے کے بعد وہ صدقہ کر دیتے تھے اور اس کی آپ نے کبھی پرواہ نہ کی تھی اور یہی آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ نیز امام جعفر صادق علیہ السلام بھی پشم

کا جبّہ اور طلیسان پہنا کرتے تھے اور نیز آپ نے فرمایا کہ جب امام حسین شہید ہوئے تو ان کے جسم پر پشم کا جبّہ تھا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی و عیاشی منقول ہے ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے غلام عباس بن ہلال شامی نے عرض کی۔ حضور! خشک روٹی کھانا اور کھردرا موٹا لباس پہننا اور خشوع کرنا لوگوں کو زیادہ پسند ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت یوسف بن یعقوب پیغمبرؑ نبی اور نبی زادے تھے اور ریشم کے زرباف کپڑے کی قبا زیب تن فرمایا کرتے تھے اور آل فرعون کے سٹیج پر بیٹھ کر حکم صادر فرماتے تھے۔ لوگوں کو اس کے لباس سے غرض نہ تھی بلکہ ان کے عدل کی ان کو ضرورت تھی۔ اسی طرح امام وقت کی شان ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا (امام کا حق ہے) بولے تو سچ ہو وعدہ کرے تو پورا کرے اور حکم کرے تو عدالت کے ماتحت ہو۔ خداوند کریم نے حلال کا کھانا پینا حرام نہیں کیا۔ البتہ اس نے حرام کو حرام کہا ہے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ جو صحابی رسولؐ۔ باخلاص مومن اور کامل انسان تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام سے انتہائی محبت رکھتا تھا چنانچہ حضرت علیؑ نے اسی عثمان کی محبت میں اپنے فرزند کا نام بھی عثمان رکھا تھا یہ شخص بڑا عابد و زاہد تھا۔ تفسیر کبیر میں ہے ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ حضور دل میں وسواس بہت پیدا ہوتا ہے اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو خصی کر دوں۔ حضورؐ نے فرمایا ایسا مت کرو بلکہ قوت مردمی کے کم کرنے کے لئے میری امّت کے لئے روزہ ہے یعنی روزہ رکھا کرو۔ پھر عثمان نے عرض کی میرا گوشہ نشینی کو جی چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا میری امّت کے لئے گوشہ نشینی یہ ہے کہ نماز باجماعت کی انتظار کے لئے مسجد میں بیٹھے رہا کرو۔ اس نے کہا میرا سیاحت کو دل چاہتا ہے تو فرمایا میری امّت کی سیاحت حج و عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس نے عرض کی میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی تمام ملکیّت کو ختم کر دوں آپ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ اپنا اور بال بچوں کا خرچ پورا کرو اور جو بچے اس سے یتیموں، مسکینوں کی خبر گیری کرو اس نے عرض کی میرا دل کہتا ہے کہ اپنی عورت خولہ کو طلاق دے دوں تو آپ نے فرمایا میری امّت پر اس چیز کا چھوڑنا واجب ہے جو حرام ہو۔ اس نے عرض کی میرا دل کہتا ہے کہ مجامعت نہ کروں۔ آپ نے فرمایا مسلمان جب اپنی عورت یا کنیز کے ساتھ مجامعت کرے اگر بچہ پیدا نہ ہو تو خدا اس کے بدلہ میں اس کو جنت الخلد میں وصیف عطا کرے گا اور اگر بچہ پیدا ہو خواہ اس سے پہلے مرے یا بعد میں مرے۔ دونوں صورتوں میں اس کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو گا اور قیامت میں باعث سرور ہو گا اور اگر زمانہ بچپن میں مرے گا تو بروز محشر اس کا شفیع اور باعث رحمت ہو گا۔ اس نے عرض کی کیا گوشت کھانا چھوڑ دوں تو آپ نے فرمایا نہ بلکہ مجھے جب گوشت ملتا ہے تو کھاتا ہوں اور اللہ سے اس کے ملنے کی دعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا کیا خوشبو کو چھوڑ دوں تو آپ نے فرمایا مجھے جبریل نے اطلاع دی ہے کہ خوشبو لگایا کرو اور خصوصاً بروز جمعہ اس کا ترک نہ کرو۔ پھر فرمایا اے

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ

کہہ دو کہ صرف حرام کیں میرے رب نے برائیاں جو ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور شراب اور ظلم

وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

ناحق اور شرک کرنا اللہ کے ساتھ ایسی چیز کا کہ نہیں اتاری اس پر اس نے کوئی دلیل

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور کہنا اللہ پر ایسی بات کا جو نہ جانتے ہو

عثمان میری سنّت سے منہ نہ پھیرو کیونکہ جو میری سنّت سے منہ پھیرے گا اور توبہ سے پہلے مر جائے گا۔ بروز قیامت فرشتے میرے حوض کوثر سے اس کا منہ پھیر دیں گے۔ اِس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اسلام صرف ترک لذّت کا نام نہیں بلکہ لذّات کو حلال طریقہ سے استعمال کرنے کا نام ہے اسلام اور نیز معلوم ہُوا کہ تمام چیزوں کی اصل ہے مباح ہونا۔ پس حرام وہی ہوں گی جن کی حرمت پر نص ہو گی۔

قُلْ اِنَّمَا:۔ اس سے پہلے حلال کا حکم مطلق بیان فرمایا۔ اب محرمات کی تفصیل بیان فرما رہا ہے۔

۱۔ فاحش ظاہری یعنی بدکاری و زناکاری جیسا کہ زمانہ جاہلی میں رواج تھا کہ میلوں اور عرسوں کے موقع پر بدکار عورتیں اپنے خیام کے اُوپر جھنڈا لگا دیتی تھیں تاکہ حرام کار مرد یہ نشانی دیکھ کر وہاں پہنچیں۔

۲۔ فاحش پوشیدہ یعنی خفیہ زناکاری اور گزشتہ آیت کی تطبیق سے یہ بھی ممکن ہے کہ عورتوں و مردوں کے ننگے طواف مراد ہوں چونکہ مرد دن کو کرتے تھے لہٰذا وہ فاحش ظاہری ہوا اور عورتیں رات کو کرتی تھیں۔ لہٰذا وہ فاحش پوشیدہ ہوئی۔

۳۔ شراب نوشی۔

۴۔ ظلم و تکبّر اور بغیر الحق کا لفظ تاکید کے لئے ہے۔

۵۔ شرک اور مَا لَمْ يُنَزِّلْ کا جملہ تحکّم اور استہزاء کے طور پر ہے کیوں کہ ایسا شرک کوئی بھی نہیں۔ جس کی خدا اجازت دے یا اس پر برہان نازل فرمائے۔

۶۔ اللہ پر ایسی بات کرنا جس کا علم نہ ہو یعنی علم کے بغیر دین میں مفتی بننا۔ چنانچہ بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دو خصلتوں سے بچو کیوں کہ انہی کی بدولت ہلاک ہوئے جو ہوئے۔

۱۔ قیاس سے فتویٰ دینا۔

۲۔ ایسی چیز کو دین بنانا جس کا علم نہ ہو۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا لوگوں پر خدا کی

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا

اور ہر اُمت کے لئے مدت مقرر ہے پس جب آئے گی مدت ان کی تو نہ پیچھے ہٹیں گے اس سے ایک گھنٹہ اور نہ

يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ

آگے ہوں گے ۔ اے اولاد آدمؑ اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں تم پر ہماری آیات کو

آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾

پس جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی تو نہ خوف ہوگا ان کو اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔ اور جن لوگوں نے

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾

جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر کیا ان سے وہی دوزخ جانے والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

حجت کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جو جانتے ہوں کہیں اور جو نہ جانتے ہوں وہاں ٹھہر جائیں ۔

ایک روایت میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے ۔ اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں ۔ (صافی)

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس اجل سے مراد وہ اجل ہے جو شب قدر میں ملک الموت کو بتائی جاتی ہے ۔

فَمَنْ أَظْلَمُ ص۳۱ : یہاں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں ۔ ایک افتراء کذب اور دوسری تکذیب آیات اور ان کے ارتکاب کو ظلم سے تعبیر فرمایا ہے ۔ پہلی چیز کا مطلب ہے کہ جو چیز خدا نے نہیں کہی وہ کہنا اور دوسری چیز کا مقصد ہے جو کچھ خدا نے کہا ہے اس کو نہ ماننا پس تمام کے تمام گناہ ان دو کلیوں میں بند ہو جاتے ہیں ۔ پہلی چیز کہ جس کی نفی کرنی ہے اس کا اثبات کرنا ۔ اس میں شرک کرنا ۔ بُت پوجنا اور باقی محرمات شرعیہ کو بجا لانا سب کے سب داخل ہیں اور دوسری چیز کہ جس کو خدا نے مثبت کیا ہے ۔ اس کی نفی کرنا ۔ نبوت کا انکار ، ولایت کا انکار آیات کلام اللہ کا انکار اور جملہ اصول دین اور فروعات اسلامیہ جن کے بجا لانے کا حکم ہے ۔ ان کا انکار اس کلیہ میں داخل ہے ۔ کیونکہ تکذیب سے مراد عام ہے ۔ خواہ تکذیب دل سے ہو یا زبان سے ہو یا عمل سے ہو ۔

نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ : کتاب سے مراد عذاب ہے اور کتاب سے تعبیر اس لئے ہوا کہ کتاب میں اس کا وعدہ ہو چکا ہے ۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جو لوگ ظالم ہیں ان کو بھی اپنے رزق اور عمر کا حصہ تو ملے گا ۔ یعنی ظلم

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا یا جھٹلائے اس کی آیات کو

اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

ایسے لوگوں کو پہنچے گا حصہ عذاب کا جو (کتاب میں ہے) یہاں تک کہ جب آئیں گے ان پر ہمارے بھیجے

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا

ہوئے پیغام موت لے کر تو کہیں گے کہ کہاں ہے وہ جس کو تم پکارتے تھے اللہ کے سوا تو یہ جواب دیں گے گم ہو گئے

عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ہم سے اور شہادت دیں گے اپنے خلاف کہ ہم کافر تھے

کی وجہ سے ان کا رزق یا عمر کٹ نہ جائے گی پس جب اپنا عمر و رزق کا حصہ ختم کر لیں گے تو ملائکہ موت پیغام موت لے کر اُن کے سر پر آجائیں گے

ابن عباس نے کہا ہے کہ کافر کے لئے موت قیامت ہے اور فرشتے زجر و توبیخ کے طور پر بوقت موت اُن کو کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے؟

قَالَ ادْخُلُوْا ص ۳۲ :- جب بیان لئے جا چکیں گے اور وہ لوگ اپنے کفر کا اقرار کر لیں گے تو حکم ہوگا، کہ جاؤ جہنم میں۔ یعنی ان کو جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اور ان سے پہلے بھی جنوں اور انسانوں میں سے کچھ لوگ جہنم میں پہنچ چکے ہوں گے تو ہر بعد والی جماعت پہلوں کو لعنت کرے گی یعنی دنیا میں یہ لوگ جن کی اتباع کر کے جہنم کے سزاوار ہوئے تھے۔ یعنی ان کے پیر و مرشد جو پہلے جہنم میں ٹھکانا بنائے ہوئے ہوں گے۔ یہ مریدوں کی ٹولیاں جب یکے بعد دیگرے جہنم کا پرمٹ لے کر وہاں پہنچیں گی تو اپنے راہنماؤں، اماموں، پیروں اور بزرگوں کو لعن طعن کریں گی اور جب سب وہاں اکٹھے ہو جائیں گے تو یہ لوگ اپنے پیروں کو کہیں گے کہ اس عذاب میں ہم کو تم نے ڈالا ہے۔ خدا تم پر لعنت کرے اور معصوم نے فرمایا کہ ان سے ظالم امام مراد ہیں اور خدا سے عرض کریں گے۔ اے پروردگار! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ ان کو دوگنا عذاب دے تو خدا فرمائے گا۔ اب پیر و مرید دونوں کے لئے عذاب یکساں ہے اور سب کے لئے دوگنا ہے۔ خوب آرام سے رہو یہ سن کر پیر غصہ ہوں گے اور کہیں گے واہ تم ہمارے خلاف کیوں شور کر رہے ہو تم ہم سے کوئی اچھے ہو تم کیوں ہمارا اتباع کرتے تھے وہاں گناہ میں ہم دونوں برابر کے شریک تھے اب عذاب میں دونوں کا برابر کا حصہ ہے۔ گھبراتے کیوں ہو؟

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي

(تو خدا) فرمائے گا داخل ہو ان جماعتوں میں جو گذریں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے

النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ

دوزخ میں تو جب داخل ہو گی ایک جماعت لعنت کرے گی دوسری کو یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گے اس میں

أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ

سب تو کہے گی پچھلی جماعت پہلی کے متعلق اے پروردگار انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا پس دے ان کو عذاب دوگنا

النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ

دوزخ کا فرمائے گا ہر ایک کے لئے دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو اور کہے گی پہلی جماعت پچھلی کو کہ

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ

تم کو ہمارے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے پس تم بھی چکھو عذاب کو بوجہ اس کے جو کرتے

تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ

تھے تحقیق جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے اُن پر دروازے

رُکوع نمبر ۱۲

لَا تُفَتَّحُ :۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومنوں کے ارواح و اعمال جب بلند ہوتے ہیں تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں لیکن جب کافر کا رُوح و عمل بلند ہوتا ہے تو اُوپر سے ندا آتی ہے اس کو سجین میں گرا دو اور وہ حضر موت میں ایک وادی ہے جس کو وادئ برہوت بھی کہتے ہیں۔

مِنْ غِلٍّ ص۳۳ :۔ جو لوگ جنّت میں جائیں گے اُن کے دلوں سے کینہ حسد اور بغض و عداوت وغیرہ اندرونی آلائشات کا خاتمہ کر دیا جائے گا پس وہ بھائی بھائی بن کر جنّت میں عیش کریں گے۔

أُورِثْتُمُوهَا ص۳۳ :۔ خدا کی جانب سے اُن کو ندا پہنچے گی کہ اپنے اعمال کی بدولت ہی تم لوگ اس جنّت کے وارث بنے ہو اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ہر شخص کے لئے دو گھر ہیں۔ ایک جنّت میں دوسرا جہنم میں پس کافر شخص مومن کے دوزخ کے گھر کا وارث ہوگا اور مومن مرد کافر کے جنّت کے گھر کا وارث ہوگا۔

فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ ص۳۴ :۔ جنّت والے جب جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ ہمیں تو وعدۂ خداوندی کے مطابق جنّت

السَّمَآءِ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ

آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ سوراخ سوزن میں اور اس طرح بدلہ دیں گے ۔ ہم

نَجۡزِى الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ ؕ

مجرموں کو ان کا جہنم سے بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر لحاف ہوگا (جہنم کا) اور اسی

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا

طرح بدلہ دیں گے ہم ظالموں کو اور جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ہم نہیں تکلیف دیتے کسی

نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾

نفس کو مگر اس کی طاقت پر وہ لوگ اصحاب جنت ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ۚ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ

اور کھینچ لیں گے وہ جو ان کے سینوں میں ہوگا کینہ بہیں گی ان کے نیچے نہریں اور کہیں گے حمد

لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدۡ جَآءَتۡ

ہے اللہ کی جس نے رہبری کی ہماری طرف اس کے اور ہم نہ تھے کہ راہ پاتے اگر نہ رہبری فرماتا ہماری خدا تحقیق آئے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ الۡجَنَّةُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾

رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے ان کو ندا ملے گی کہ اس جنت کے تم وارث ہوئے ہو بوجہ اس کے جو تم عمل کرتے تھے ۔

کا گھر مل چکا ہے تم بتاؤ کہ تمہیں بھی کچھ ملا ہے تو جہنم والے کہیں گے ہاں تو اس وقت مؤذن اذان دے گا کہ ظالموں پہ خدا کی لعنت ۔ تفاسیر امامیہ میں ہے کہ یہ مؤذن حضرت علیؑ ہوگا ۔ مجمع البیان میں محمد بن حنفیہ سے روایت ہے حضرت علیؑ نے فرمایا ۔ میں وہ اذان دینے والا ہوں گا ۔ نیز ابن عباس سے منقول ہے کہ علیؑ کے قرآن مجید میں ایسے نام ہیں ۔ جن کو لوگ نہیں جانتے ۔ چنانچہ مؤذن سے مراد بھی یہی ہے کہ کہے گا اللہ کی لعنت اُن لوگوں پہ جنہوں نے میری ولایت کی تکذیب کی اور میرے حق کو ظلم سے دبا لیا ۔

اعراف کا ذکر

وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ ۔ یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حجاب ہوگا ۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پہ ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے درمیان ایک حد فاصل ہو گی ۔ جس کا ایک دروازہ بھی ہوگا ۔ جس کے اندر کی طرف خدا کی رحمت ہو گی اور باہر کی طرف عذاب خداوندی ہوگا ۔

رازی نے کہا ہے کہ الاعراف جمع ہے عرف کی اور اس کا معنی ہے بلند جگہ اور بعض نے کہا ہے کہ جنت اور

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

اور ندا دیں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ ہم نے پالیا ہے جو ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا ہمارے رب نے

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

سچ مچ تو کیا تم نے پایا ہے جو تمہارے ساتھ وعدہ کیا رب نے سچ مچ تو کہیں گے ہاں پس آواز دے گا آواز دینے والا ان کے درمیان کہ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

خدا کی لعنت اوپر ظالموں کے جو روکتے تھے اللہ کے راستے سے اور چاہتے تھے اس کی کجی اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔

كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَ

اور ان کے درمیان پردہ ہوگا اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو علامتوں سے اور

نَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا

پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلام ہو تم پر اور نہ داخل ہوں گے اس میں حالانکہ پُرامید ہوں گے اور جب

صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

پھیری جائیں گی ان کی آنکھیں طرف دوزخ والوں کے تو کہیں گے اے پروردگار نہ کر ہمیں ساتھ قوم ظالم کے

دوزخ کے درمیان جو سور حائل ہو گی اس کی بلندی کا نام ہے اعراف اور بعض نے صراط کو اعراف کہا ہے۔

اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ اعراف پر کون لوگ ہوں گے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی۔ جہنم اور ان کے درمیان ان کی نیکیوں کا پردہ ہوگا اور جنت اور اُن کے درمیان برائیوں کا پردہ ہوگا۔ پس وہاں ٹھہرائے جائیں گے۔ پھر جب خدا چاہے گا۔ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دے گا۔ یہ قول ابنِ عباس اور ابنِ مسعود سے منقول ہے۔

تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ اعراف صراط کے اُوپر ایک بلند جگہ کا نام ہے جس پر حضرت حمزہ حضرت عباس حضرت علی اور حضرت جعفر طیار تشریف فرما ہوں گے اور چہروں کی سفیدی اور سیاہی سے اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانیں گے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ آلِ محمدؐ ہوں گے۔ پس جنت میں نہیں جائے گا مگر اُن کا دوست اور جہنم میں نہیں جائے گا۔ مگر ان کا دشمن چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ بروزِ قیامت ہم جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑے ہوں گے اپنے دوستوں کو پہچانیں گے اور جنت میں داخل کریں گے اور اپنے دشمنوں کو بھی پہچانیں گے اور ان کو جہنم داخل کریں گے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ اگر خدا چاہتا تو لوگوں کو خود اپنی

معرفت عطا فرما دیتا لیکن اس نے ہمیں اپنا باب صراط اور سبیل قرار دیا ہے اور ہم وہ دروازہ ہیں جس سے اللہ کی طرف جایا جاسکتا ہے۔ حضرت سلمان سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے دس سے زیادہ مرتبہ سُنا کہ انہوں نے فرمایا علیؑ۔ تو اور تیرے اوصیاء جنّت اور دوزخ کے درمیان اعراف پر ہوں گے۔ پس جنّت میں نہیں جائے گا مگر وہ جو تمہیں جانتا ہوگا اور تم اس کو جانتے ہوگے اور جہنّم میں نہیں جائے گا مگر وہ جو تمہارا انکاری ہوگا اور تم اس کا انکار کروگے۔ بہرکیف اس مطلب کی احادیث حدّ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں کہ اعراف پر آلِ محمد موجود ہوں گے اور اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان کر جنّت اور جہنّم میں داخل کریں گے۔ بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ کُلُّ اُمَّۃٍ یُحَاسِبُھَا اِمَامُ زَمَانِھَا یعنی بروز قیامت ہر امّت کا حساب اس امّت کے امام زمانہ کے ہاتھ میں ہوگا اور وہی حساب لے گا اور امام زمانہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانے گا۔ جس طرح کہ خدا فرماتا ہے یَعْرِفُوْنَ کُلًّاۢ بِسِیْمٰھُمْ کہ وہ سب کو پہچانتے ہوں گے علامات سے۔ پس اپنے دوستوں کو کتاب دائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ بلاحساب جنّت میں چلے جائیں گے اور دشمنوں کو کتاب بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ بلاحساب جہنّم میں چلے جائیں گے۔

ان روایات کے مقابلہ میں دوسری وہ روایات بھی موجود ہیں۔ جن میں ہے کہ اعراف پر وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی اگرچہ یَعْرِفُوْنَ کُلًّاۢ بِسِیْمٰھُمْ کا جملہ تو ان سے تطبیق نہیں کرتا کیوں کہ وہ بیچارے سب مومنوں اور سب کافروں کا سُراغ کس طرح لگا سکیں گے لیکن آیت مجیدہ کا بعد والا جملہ کہ لَمْ یَدْخُلُوْھَا وَھُمْ یَطْمَعُوْنَ یعنی خود جنّت میں داخل نہ ہوں گے۔ البتہ جنّت کا طمع ان کو ہوگا۔ اس کی تائید کرتا ہے کہ اعراف پر ایسے لوگ ہی ہوں گے چنانچہ اس بارے میں کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے۔ جب آپ سے راوی نے اعراف والوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ قوم ہوگی جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ پس اگر خدا ان کو جہنّم میں بھیجے تو ان کے گناہوں کی شامت سے اور اگر ان کو جنّت میں بھیجے تو اپنی رحمت سے تو ان ہر دو قسم کی روایات میں کوئی تنافر نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے ایک گناہگار طبقہ اعراف پر اپنے آئمہ کے ساتھ موجود ہو اور جنّت کا امیدوار ہو اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اعراف جنّت اور جہنّم کے درمیان ایک بلند مقام ہے کہ اس پر ہر زمانہ کا نبی اور اس کا صحیح جانشین اپنے گناہگار امتیوں اور دوستوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے جس طرح کہ لشکر کا مالک وسالار اپنے کمزور سپاہیوں کو اپنے پاس کھڑا کر لیا کرتا ہے۔ نیک لوگ جنّت میں جائیں گے تو خلیفۂ نبی اپنے پاس ٹھہرے ہوئے گنہگاروں سے کہے گا کہ اپنے نیک بھائیوں کو دیکھو کہ وہ کیسے جنّت میں جارہے ہیں تو یہ گنہگار لوگ ان کو سلام دیں گے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ لَمْ یَدْخُلُوْھَا وَھُمْ یَطْمَعُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اصحاب جنّت کو سلام دیں گے اور خود جنّت میں نہ جائیں گے البتہ جنّت کے امیدوار ہوں گے کہ شائد

خدا ان کو نبی اور امام کی سفارش سے جنّت میں داخل کردے ۔ پھر جب اہلِ دوزخ کو دیکھیں گے تو کہیں گے۔ اے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں میں سے نہ کر اس کے بعد اصحاب اعراف یعنی انبیاء کے جانشین جہنمیوں اور کافروں کے سرداروں سے خطاب کریں گے کہ آج تم کو اپنی جمعیت وکثرت اور تکبّر نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ پھر جنّت والوں کی طرف اشارہ کر کے ان کو کہیں گے کہ کیا تم لوگ انہی لوگوں کے متعلق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ یہ لوگ رحمتِ خدا سے دور ہیں کہ اُن کو تم ذلیل سمجھتے تھے اور فقر کی وجہ سے ان کو حقیر جانتے تھے اور اپنی دنیا پر نازاں ہوتے تھے ۔ پھر وہ اصحابِ اعراف اپنے پاس ٹھہرے ہوئے گنہگار امیدواروں سے خطاب فرمائیں گے کہ اب تم بھی بلامضائقہ جنّت میں چلے جاؤ۔ تفسیر قمی سے بھی اس قسم کی ایک حدیث منقول ہے وہاں یہ ہے ۔ کہ آئمہ طاہرینؑ اپنے گنہگار شیعوں کے ہمراہ اعراف پر موجود ہوں گے اور آخر میں لفظ یہ ہیں کہ اصحابِ اعراف یعنی آئمہ طاہرینؑ جہنّم میں جلنے والے اپنے دشمنوں سے کہیں گے کہ یہ ہمارے وہ شیعہ اور بھائی ہیں ۔ جن کے متعلق تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اِن کو خدا کی رحمت نہ پہنچے گی ۔ پھر شیعہ گنہگاروں کو فرمائیں گے ۔ اب جنّت میں جاؤ اور خوف و غم کا کوئی فکر نہ کرو اور حضرت علیؑ کے قسیم الجنّۃ والنّار ہونے کی احادیث بکثرت موجود ہیں جو ان احادیث کی تائید کرتی ہیں (ملخص از تفاسیر)

رازی نے ذکر کیا ہے کہ اصحابِ اعراف وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں مومنوں اور کافروں کے اعمال سے مطلع ہوں گے اور ان کی نشانیاں جانتے ہوں گے پس بروزِ محشر انہی علامات سے ان کو پہچان کر ایک دوسرے سے الگ کردیں گے اور مومنوں کو جنّت کی طرف اور کافروں کو جہنّم کی طرف بھیجیں گے ۔ خداوندکریم تمام اہلِ محشر کو ان لوگوں کے شان کی عظمت دکھائے گا ۔ جو اعراف پر متمکن ہوں گے ۔ درمیان میں بیٹھ کر اپنے دوستوں کو جنّت میں جاتا ہوا دیکھیں گے اور مسرور ہوں گے گویا شاہانہ شان سے اس بلند سٹیج پر تماشائی کی حیثیت سے لطف اندوز ہوں گے اور یہ لذّت اپنے جنّت میں پہنچنے سے بہت زیادہ ہے پھر جب اہلِ دوزخ اور اہلِ جنّت اپنے اپنے ٹھکانے لگ جائیں گے تو اصحابِ اعراف اپنے جنّت کے بلندترین درجات کی طرف منتقل ہو جائیں گے ۔ اور رازی کے نزدیک جنّت کا طمع رکھنے والے یہی ہوں گے ۔ وہ کہتا ہے کہ اعراف پر بیٹھ کر نظارہ کرنا جنّت کی لذّات سے زیادہ ہے اور یہاں اُن کی شاہانہ شان کا مظاہرہ ہے اور اس نظارہ کی موجودگی میں وہ خود جنّت میں نہ جائیں گے ۔ ہاں اُن کو اُمید ہوگی کہ ابھی نظارہ کے خاتمہ کے بعد ہم اپنے درجات میں جائیں گے اور اُمید یقین کے معنی میں ہے جس طرح قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے ۔ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ ۔ یعنی وہ اللہ کہ میں اُمید اور طمع رکھتا ہوں کہ مجھے بخش دے حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کو یقین تھا پس یہاں بھی طمع یقین کے معنی میں ہے ۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى

اور آوازیں دیں گے اعراف والے ان آدمیوں کو جن کو پہچانیں گے علامتوں سے کہیں گے نہیں نفع دیا

عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

تم کو تمہاری کثرت نے اور جو تم تکبّر کرتے تھے کیا انہی لوگوں کے متعلق تم

اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ

قسم کھاتے تھے کہ نہ دے گا اللہ ان کو اپنی رحمت (کہا جائے گا) داخل ہو جنت میں نہ کوئی غم تم کو اور نہ کوئی

رُکوع نمبر ۱۳ :-

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ :- یعنی اعراف والے جہنّمیوں سے خطاب کریں گے۔ مومنوں کی طرف اشارہ کرکے کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تمہارا نظریہ کچھ اور تھا اب تمہارا تکبّر اور جمعیت پر نازاں ہونا کہاں گیا؟ مفصّل روایت ابھی گذر چکی ہے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ :- تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جہنّمی پیاسے مرتے ہیں اور پیاسے قبر میں جاتے ہیں۔ اور پیاسے محشور ہوں گے۔ تفسیر برہان میں ایک روایت ہے کہ جہنّم والے عذاب سے تنگ ہوں گے تو جنّت والوں سے پانی اور طعام کا سوال کریں گے۔ تاکہ اُن پر تخفیف عذاب ہو لیکن جنّت والے چالیس برس تک اُن کو جواب تک نہ دیں گے پھر ازراہ تحقیر و تذلیل ان کو کہیں گے (ہٹ جاؤ) یہ چیزیں کافروں پر حرام ہیں پھر خازنین جہنّم سے درخواست کریں گے جس طرح ایک اور مقام پر قرآن میں ان کی حکایت موجود ہے کہ اللہ سے دُعا مانگو کہ ایک دن تو ہم سے عذاب کو اُٹھا لے پھر وہ بھی چالیس سال تک خاموش رہیں گے۔ پھر جواب دیں گے کہ کافر کی اب کوئی دُعا قبول نہیں ہو سکتی۔ پھر مالک داروغہ جہنّم سے آخری درخواست کریں گے۔ جس طرح قرآن مجید میں حکایت موجود ہے۔ اے مالک تو سفارش کر تو وہ بھی چالیس برس کے بعد جواب دے گا۔ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ۔ تم نے ہمیشہ یہیں ٹھہرنا ہے۔

نَنْسٰهُمْ :- خدا کو بھول نہیں لگتی۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں خدا و قیامت کو بھلا دیا ہوگا بروزِ محشر خدا ان کو اس کی سزا دے گا کہ ان کی طرف کوئی نظرِ رحمت نہ ہوگی۔ یعنی ہم ان کے ساتھ معاملہ اس طرح کریں گے جس طرح بھول جانے والا انسان کیا کرتا ہے کہ ان کی آواز کا بہت دیر کے بعد جواب دیں گے۔ اور پھر ان کی کوئی دُعا قبول نہ کریں گے اور ان کی چیخ و پکار پر رحم نہ کریں گے۔ جس طرح دنیا میں اُنہوں نے کیا تھا

تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا

حزن ہوگا۔ اور آوازیں دیں گے دوزخ والے جنّت والوں کو کہ عنایت کرو ہمیں

مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

کچھ پانی یا کچھ وہ جو تم کو رزق دیا اللہ نے۔ وہ کہیں گے تحقیق اللہ نے یہ دونوں حرام کی ہیں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ

کافروں پر جنہوں نے بنایا اپنا دین لہو و لعب اور دھوکا دیا ان کو زندگی دنیا نے تو ہم آج

فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

ان سے لاپرواہی کریں گے۔ جس طرح انہوں نے لاپرواہی کی اس دن کی ملاقات سے اور تھے ہماری آیات کا انکار کرتے

تنبیہہ و تذکرہ

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ اور اس کی اولادِ طاہرین کی وِلا کلید جنّت ہے اور ان کی محبّت بالآخر انسان کو جنّت میں پہنچا دے گی۔ لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کیا عام محبّت یا وِلا کا دعوٰی رکھنے والے محب و موالی ہیں بھی سہی یا نہ ؟ اہلبیت کے نام سے والہانہ عقیدت کا نام تو محبّت و موالات نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ان کی تعلیمات سے وابستگی نہ ہو۔ چنانچہ کتاب اصول کافی باب زیارۃ الاخوان میں خثیمہ روایت کرتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں وداع کرنے کی غرض سے حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا۔ اے خثیمہ اپنے موالیوں کو ہمارا سلام پہنچانا اور اُن کو تقوٰے کی وصیّت کرنا اور اس بات کی کہ دولتمند پر ضروری ہے کہ فقیر کی امداد کرے۔ طاقتور پر واجب ہے۔ کہ ناتواں کی دستگیری کرے اور ان کے زندوں پر لازم ہے کہ مرنے والوں کے جنازوں میں شرکت کریں۔ اور گھروں میں جاکر ایک دوسرے سے ملاقات کریں کیوں کہ ان کی گھروں میں ایک دوسرے سے ملاقات ہمارے مشن کی زندگی کی موجب ہے اور خداوند کریم اس شخص پر رحم کرے جو ہمارے مشن کو زندہ کرے۔ اے خثیمہ ہمارے موالیوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتے۔ مگر ساتھ عمل کے اور ہماری ولایت کو نہیں پا سکتے مگر ساتھ پرہیزگاری کے ابلغ موالينا انا لا نغني عنهم من الله شيئًا الّا بعمل وانهم لن ينالوا ولايتنا الّا بالورع الخ۔ اب ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم میں محبّت کی کونسی علامت پائی جاتی ہے۔ خداوند کریم ہم کو آلِ محمّد کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ :۔ ان کی طرف انتظار کی نسبت مجازاً دی گئی ہے۔ ورنہ وہ لوگ تو قیامت کے

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے دی ان کو کتاب جس کی ہم نے تفصیل کی علم سے درحالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کیلئے جو ایمان لائے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

نہیں انتظار کرتے مگر اس کے انجام کی جس دن ہوگا انجام (ان کے اعمال کا) تو کہیں گے جنہوں نے لاپرواہی برتی تھی پہلے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ

تحقیق آئے تھے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے کیا ہمارا کوئی ہے۔ شفیع جو ہمارے حق میں شفاعت کرے یا ہمیں لوٹایا جائے تاکہ

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

عمل کریں غیر اس عمل کا جو کرتے تھے تحقیق انہوں نے اپنے آپکو خسارہ دیا ہے اور گم ہوگیا ان سے وہ جو افتراء باندھتے تھے

سرے سے قائل ہی نہ تھے۔ ہاں البتہ مومنین کو ان کے ایمان کی انتظار تھی اور بصورت دیگر ان کے عذاب میں گرفتار ہونے کی اُمید تھی۔ اب کفار کی طرف انتظار کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے بس جس دن عذاب کو دیکھیں تو ان کو پتہ لگے گا کہ رسول سچ فرمایا کرتے تھے۔ اب کاش کوئی ہماری سفارش کرتا یا ایک مرتبہ ہمیں دنیا کی طرف واپس پلٹنے کا موقع دیا جاتا۔ تاکہ ہم مومنوں کی طرح اعمال کرتے لیکن اس وقت ان کی کوئی شنید نہ ہوگی۔

رکوع نمبر ۱۴

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ؕ :- یعنی اس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کو مکمل کیا۔ اگر وہ چاہتا۔ تو ایک لمحہ میں ہوسکتا تھا۔ لیکن اس کی مصلحت کا تقاضا ہی یہی تھا۔ جیسا کہ ایک انسان مقام نطفہ سے لے کر مقام تولد تک چھ یا دس ماہ میں تیار ہوتا ہے اگر اللہ چاہتا تو ایک لمحہ میں پیدا کرتا۔ لیکن اس کی مصلحت نے ایسا ہی چاہا ہے اسی طرح تمام مخلوق کی پیدائش اور تربیت و تکمیل کو اس نے تدریجی قرار دیا ہے پس اسی طرح آسمانوں اور زمین کی خلقت کا حال ہے اور چھ دن سے مراد یہ ہے کہ اتنے وقت میں ان کی خلقت تمام ہوئی کہ اگر گردش شمس کا حساب لگایا جائے تو چھ دن بنتے ہیں۔ ورنہ اس وقت نہ سورج تھا نہ چاند، پھر چھ دن کس طرح تھے کیونکہ آسمان پیدا ہوں تو اس میں سورج و چاند رکھے جائیں اور گردش کے بعد زمانہ پیدا ہو اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایام کی ابتداء اتوار سے رکھی گئی اور خلقت آسمان و زمین کی تکمیل بروز جمعہ ہوئی پس اس لئے اس روز کو جمعہ کہتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى

تحقیق تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ متمکن ہوا عرش

الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ

پر پہنا دیتا ہے رات کو دن پر کہ اس کو پالیتی ہے جلدی اور سورج اور چاند کو اور ستاروں کو

مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾

کہ مطیع ہیں اس کے حکم کے سامنے بے شک ایجاد اور امر اسی کا ہی ہے بابرکت ہے اللہ جو رب ہے عالمین کا

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾

پکارو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور پوشیدہ تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو

ثُمَّ اسْتَوٰی: یعنی خلقت آسمان و زمین کے بعد سریر مملکت الوہیت عرش مجید کو قرار دیا۔ جس طرح حکومت کے لئے ایک پایۂ تخت ہوا کرتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا عرش مجید پر بیٹھا ہے اور باقی مکانات اس سے خالی ہیں بلکہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز پہ حاوی ہے اور عرش مجید کو اس کی طرف نسبت ہے جو مقام عرش کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔

اَلْخَلْقُ وَالْاَمْرُ: خلق اور امر کے جداجدا معانی ہیں۔ خلق کا معنی ایجاد کرنا اور امر کا معنی ہے کہ کہ وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے یعنی جس طرح حق خلق اسی کا ہے اسی طرح مخلوق پر حق حکومت و تصرف بھی اسی کو ہی حاصل ہے۔

برائے دفع اثر جادو وجنات

خاصیت مروی ہے کہ جس شخص کو جادو یا جنات کا خطرہ ہو اس آیت مجیدہ کی تلاوت کرے۔ تو کوئی نقصان نہ اٹھائے گا۔ اِنَّ رَبَّکُمُ سے آخر تک ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص جنگل میں رات گزارے اور یہ آیت پڑھ لے تو اس سے شیاطین دور ہوتے ہیں۔ اور ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جنگل میں رات آگئی تو اس نے جان بوجھ کر یہ آیت نہ پڑھی تو جنوں نے اس پہ حملہ کر دیا۔ جب مجبور ہوا تو یہ آیت پڑھی۔ پس جنوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ اب ہم نے صبح تک اس کی حفاظت کرنی ہے اور اس کی ایذا رسانی سے باز آگئے اور اس نے صبح سویرے امیرؑ کو بتایا کہ واقعی آپ کا کلام شافی ووافی تھا۔ (کافی)

تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً: یعنی دعا میں آہستہ سے اور عاجزی وزاری سے خدا سے مناجات کی جائے

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ

اور نہ فساد کرو زمین میں بعد اصلاح کے اور پکارو اس کو خوف اور طمع سے تحقیق

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا ۢ

اللہ کی رحمت قریب ہے احسان کرنے والوں سے اور وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری

بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ

دینے کے لئے اپنی رحمت سے پہلے یہاں تک کہ جب اٹھائیں وہ بھارے بادلوں کو تو چلاتے ہیں ہم اس کو

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى

زمین غیر آباد کی طرف پس نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو پھر نکالتے ہیں اس سے ہر قسم کے پھل اس طرح ہم نکالتے ہیں

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ

مرے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور زمین پاکیزہ (زرخیز) اگتی ہے اس کی انگوری اپنے رب کے اذن سے اور جو خبیث ہے

خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

(اس سے) نہیں اگتی مگر تھوڑی اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیات واسطے اس قوم کے جو شکر کرے

ایک جنگ میں حضورؐ مصروف تھے کہ ایک وادی میں دیکھا کہ لوگ تہلیل و تکبیر باآواز بلند پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا لوگو! کچھ سوچو، سمجھو، تم کسی دُور والے کو یا کسی بہرے کو تو نہیں بلا رہے ہو۔ بلکہ تم سمیع قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ موجود ہے اس کے بعد خدا ارشاد فرماتا ہے کہ تحقیق وہ حد سے بڑھنے والوں کو نہیں دوست رکھتا اور آج کل تو لوگوں نے دستور بنا لیا ہے۔ شور مچا مچا کر قرآن پڑھنا اور دعائیں مانگنا۔ خدا جانے یہ بدعادت ان میں کیوں سرایت کر گئی ہے غالباً تصنع اور ریا ہی اس کا محرک اعظم ہے۔ خُدا ہمیں اس وبا سے نجات دے۔

لَا تُفْسِدُوْا :۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے زمین کو خراب نہ کرو اور فسادات کی بنیاد قائم نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ صافی سے حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ بعثت سے پہلے زمین فاسد تھی اور حضورؐ کی تشریف آوری سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے اب مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ دوبارہ اسے فساد کی طرف نہ لے جانا۔ لیکن حضرت امیر علیہ السلام کو اپنے حقوق سے پیچھے ہٹا کر جب امت نے نظام اسلام اپنے ہاتھ میں لیا تو زمین خدا رفتہ رفتہ فساد کی طرف پلٹ گئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
اور تحقیق ہم نے بھیجا نوح کو طرف اپنی قوم کے فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾
تمہارا کوئی معبود نہیں سوائے اس کے تحقیق میں خوف کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا

خَوْفًا وَّطَمَعًا ص۴۱ :- یعنی ایک طرف اس کی گرفت اور جہنم کا ڈر ہو اور دوسری طرف اس کی رحمت و بخشش کی اُمید ہو۔ چنانچہ معصوم کا ارشاد ہے کہ اگر مومن کے خوف کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور اس کی اُمید کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائے تو دونوں پلڑے برابر ثابت ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ مومن کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ جو شخص صرف اُمید ہی اُمید رکھتا ہو۔ وہ بھی غلطی پر ہے۔ اور جو صرف خوف ہی خوف رکھتا ہو اور جنت سے مایوس ہو جائے۔ وہ بھی غلط راستہ پر ہے۔ مومن ان دونوں راستوں کے درمیان چلتا ہے۔

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى :- یعنی جس طرح ہم زمین کے شکم سے بیجوں کو جمادیت سے نباتیت کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مُردے کو زندہ کرنا ہے۔ اسی طرح نطفۂ انسانی جماد کی قسم سے جس کو انسانیت کی طرف علی التدریج خدا منتقل کرتا ہے۔ پس خدا فرماتا ہے۔ جس طرح میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی اسی قدرت سے کر سکتا ہوں۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ ص۴۱ :- مروی ہے کہ ایک مرتبہ امیر شام نے امام حسن علیہ السلام سے دریافت کیا کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں تو اس نے پوچھا بتاؤ میری داڑھی خفیف اور آپ کی گھنی ہے ان کا قرآن میں کہاں ذکر ہے تو آپ نے یہی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی نیز عمرو عاص اور امام حسین علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی طرح منقول ہے۔

رکوع نمبر ۱۵

حضرت نوحؑ کا ذکر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا :- حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کی دسویں پُشت تھے۔ نوح بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس بن بارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدمؑ اور یکے بعد دیگرے یہ سب کے سب نبی تھے لیکن سرکشوں اور ظالموں کے ڈر سے چھپ کر انہوں نے زندگی گزاری اس لئے اِن کا ذکر مشہور نہیں ہے اور نہ

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ

کہا اس کے سرداران قوم نے تحقیق ہم سمجھتے ہیں تجھے گمراہی میں فرمایا اے قوم میں

بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ

گمراہ نہیں ہوں لیکن میں تو بھیجا ہوا ہوں عالمین کے پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تم کو پیغامات

رَبِّیْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ

اپنے رب کے اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں اللہ کی جانب سے جو تم نہیں جانتے کیا اوپرا لگتا ہے تم کو کہ آیا

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ

تمہارے پاس ذکر تمہارے رب سے اوپر ایک بندے کے جو تم میں سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے اور تم ڈرو تاکہ تم

تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ

رحم کئے جاؤ تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے اس کو نجات دی اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے اور

اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾

ہم نے غرق کیا ان کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تحقیق وہ (دل کے) اندھے لوگ تھے

قرآن مجید نے وضاحت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت نوحؑ کا اصلی نام باختلاف احادیث عبدالغفار یا عبدالمالک یا عبدالاعلیٰ تھا اور کثرت گریہ کی وجہ سے ان کو نوحؑ کہا جاتا ہے جب خدا نے حضرت نوحؑ کو مبعوث فرمایا تو ہبۃ اللہ کی اولاد نے فوراً مان لیا اور اس کے ساتھ ہو گئے لیکن قابیل کی اولاد نے انکار کیا اور کہنے لگے ہم سے پہلے قوم جن کا زمین پر تسلط تھا تو خدا نے اُن کی طرف فرشتہ بھیجا تھا اگر ہماری طرف بھی کسی کو بھیجنا تھا تو فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گویا بشر اور رسولؐ کے درمیان کافر لوگ پہلے دن سے منافات سمجھتے تھے۔ جب بھی نبیؐ کہتا تھا کہ میں رسول ہو کر آیا ہوں تو فوراً تردید کرتے ہوئے کہہ دیتے تھے کہ بشریت اور رسالت کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی بہتات ہوا کرتی ہے۔ حضرت نوحؑ کا رنگ گندمی، چہرہ پتلا، سر لمبا، آنکھیں موٹی اور پنڈلیاں ہلکی قد طولانی اور جسم موٹا تھا ان کی تبلیغ میں تین تین سو برس کے تین دور گزرے اور جتنی ہی تبلیغ کرتے گئے اتنی ہی قوم کی سرکشی بڑھتی گئی اور ہر بعد کا دور پہلے دور سے سخت رہا ہے اور ایک شخص چھوٹے بچے کو اٹھا لاتا تھا اور نوحؑ کی طرف اشارہ کر کے کہتا تھا کہ اگر میرے بعد تو زندہ ہو تو دیکھو اس کی بات نہ ماننا اور پھر ان کو پتھر مارنے کی طرف اکساتے تھے۔

چنانچہ حضرت نوحؑ پتھر کھا کھا کر زخمی ہو جاتے تھے اور لوگ عالم غشی میں اُن کو اٹھا کر گھر کے دروازہ پر چھوڑ جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت نوحؑ کی عمر ۲۵۰۰ برس تھی۔ ۸۵۰ برس بعثت سے پہلے اور ۹۵۰ برس تبلیغ کے اور ۲۰۰ برس کشتی کے بنانے میں اور ۵۰۰ برس طوفان کے بعد ایک دن اتنی عمر طویل کے بعد دھوپ میں سوئے ہوئے تھے کہ ملک الموت وارد ہُوا حضرت نوحؑ نے دریافت کیا کہ کیسے آئے ہو؟ ملک الموت نے سلام دیا۔ حضرت نوحؑ نے جواب دیا تو ملک الموت نے کہا۔ میں تیرا رُوح قبض کرنے آیا ہوں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا مجھے اس قدر مہلت دے دو کہ دھوپ سے منتقل ہو کر سایہ میں پہنچ جاؤں چنانچہ ملک الموت نے اجازت دے دی اور آپ سایہ میں آ گئے اور فرمانے لگے۔ اے ملک الموت! اس قدر عمر طویل پانے کے بعد مجھے اس طرح معلوم ہو رہا ہے کہ میری زندگی صرف اسی قدر ہی تھی جو دھوپ سے سائے تک آنے کی مقدار ہے حضرت نوحؑ کے کشتی سے اترنے کے بعد جب دوبارہ لوگوں میں بت پرستی پھیلی تو بُتوں کے نام وہی رکھے جو حضرت نوحؑ سے پہلے مشرکوں نے رکھے ہوئے تھے۔ یمن والوں کے بُتوں کے نام یغوث و یعوق تھا۔ دومۃ الجندل والوں کے بت کا نام وَدّ تھا۔ حمیر کے بت کا نسر اور ہذیل کے بُت کا نام سواع تھا۔ (مجمع البیان)

اور معارج النبوۃ میں ہے کہ اتنی طویل عمر کے باوجود حضرت کا نہ دانت گرا تھا اور نہ آپ کے بال سفید ہوئے تھے۔

Imp

Imp

حضرت نوح علیہ السلام کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ طوفان سے غرق ہونے کے بعد تمام مخلوق اُن کی نسل سے ہے اور لمبی عمر کی وجہ سے اُن کا لقب شیخ المرسلین ہے۔ بنا برمشہور کے نجف اشرف میں حضرت امیر علیہ السلام کے سرہانے حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ مدفون ہیں۔ حضرت نوحؑ کی نسل۔ آپ کے تین فرزندوں سے چلی حام یافث سام اور ان کا چوتھا لڑکا کنعان طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔ مروی ہے ایک دن حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوئے ہوئے تھے کہ ہوا نے آپ کے لباس کو اِدھر اُدھر کر دیا تو حام اور یافث باپ کو ننگا دیکھ کر ہنسنے لگے اور کپڑا درست نہ کیا بلکہ سام جب ان کو منع کرتا تھا۔ اور کپڑا ٹھیک کرتا تھا۔ تو وہ دونوں کپڑے کو الگ کر کے ہنستے تھے۔ جب حضرت نوحؑ بیدار ہوئے تو اُن کے ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ سام نے صاف صاف بتا دیا۔ پس آپ ان دونوں پر ناراض ہوئے اور ان کو بددُعا دی اور سام کے حق میں دُعا کی۔ پس تمام حبشی حام کی اولاد ہیں اور ترک اور یاجوج ماجوج یافث کی اولاد سے ہیں اور باقی سفید گورے رنگ کے لوگ سام کی اولاد سے ہیں۔ (مجمع البیان)

Imp

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اس کے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ سَفَاهَةٍ

کیا تم نہیں ڈرتے کہا سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے تحقیق ہم دیکھتے ہیں تجھے بیوقوفی میں اور

وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

ہم تجھے خیال کرتے ہیں جھوٹوں میں سے فرمایا اے قوم میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ میں رسول ہوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾

عالمین کے پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیرخواہ امانت دار ہوں

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تم اوپری سمجھے ہو یہ بات کہ آئے تمہارے پاس ذکر تمہارے رب سے اُوپر ایک بندے کے جو تم میں سے ہے تاکہ

لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ

تم کو ڈرائے اور یاد کرو جبکہ تم کو اس نے خلیفہ بنایا قوم نوح کے بعد اور زیادہ دی تم کو جسمانی قوت پس یاد کرو

فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ کی نعمتیں تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

حضرت نوحؑ کے باقی واقعات کشتی بنانا، طوفان کا آنا، کنعان کا غرق ہونا وغیرہ بعد میں مفصل آئیں گے۔

رکوع نمبر ۱۶

حضرت ہود کا ذکر

وَاِلٰی عَادٍ :۔ حضرت نوح کے قصہ پر عطف ہے کہ ہم نے قوم عاد کی طرف حضرت ہود کو بھیجا۔ ہود کے باپ کا نام شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا منقول ہے کہ قوم عاد یمن میں سکونت پذیر تھی اور عمان سے حضر موت تک پھیلی ہوئی تھی زمینیں سرسبز و زرخیز تھیں۔ فصل زیادہ ہوتے تھے اور باغات بھی عمدہ عمدہ ان کے پاس تھے اور اس کے ساتھ اُن کی عمریں طویل تھیں۔ قد وقامت میں طویل جسیم تھے جیسے کہ بَصْطَةً کا لفظ شاہد ہے کہتے ہیں ان کا بڑی قد والا سو ذراع کا ہوتا تھا اور پست قد ساٹھ ذراع کا ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ امام محمد باقر

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا

کہنے لگے کیا تو آیا ہے تاکہ ہم عبادت کریں اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ قَالَ

بزرگ پس لے آ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر تو ہے سچا فرمایا

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ

تحقیق واجب ہو چکا ہے تم پر تمہارے رب سے عذاب اور غضب

علیہ السلام سے مروی ہے کہ کھجوروں کی طرح ان کی قدیں تھیں۔ حضرت ہود نے ان کو بت چھوڑنے اور خدا واحد کی پوجا کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے نہ مانا بلکہ حضرت ہود کو اذیتیں پہنچائیں۔ پس تین سال یا باختلاف روایت سات سال اُن پر بارش نہ ہوئی اور اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب کوئی مصیبت سر پر آتی تو مسلمان یا کافر سب مکہ کا قصد کرتے تھے اس وقت مکہ میں عمالقہ کی سکونت تھی جو عملیق بن لاوذ بن سام کی اولاد تھے اور ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا۔ جس کی ماں قوم عاد میں سے تھی۔ پس انہوں نے ایک وفد مکہ کی طرف روانہ کیا۔ حدود حرم مکہ سے باہر معاویہ کا قیام تھا۔ اس نے وفد کی بہت عزت کی۔ چنانچہ یہ لوگ پورا ایک مہینہ اس کے ہاں شراب نوشی میں خوش حال رہے۔ معاویہ نے سوچا کہ یہ لوگ طلب بارش کے لئے مکہ جا رہے تھے ادھر میرے ننھیال قحط کا شکار ہو رہے ہیں اور مہمانوں کو گھر سے نکالنا بھی نادرست ہے اسی سوچ میں تھا کہ آخر اپنی دو کنیزوں کے سامنے راز ظاہر کر دیا اور پوچھا کہ کیا علاج کیا جائے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں ایک نظم بنا کر دی جائے۔ جس میں ان کے یہاں ٹھہرنے کی مذمت ہو اور قوم عاد کے لئے بارش کی دعا ہو۔ ہم مجلس شراب میں وہ نظم گائیں گی تو خود بخود آمادۂ مکہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہُوا کہ جب کنیزوں نے نظم گائی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمیں جا کر مکہ میں اپنی قوم کے لئے طلب بارش کی دعا کرنی چاہیئے تو ان میں ایک شخص موجود تھا جو اندرونی طور پر حضرت ہود پر ایمان لا چکا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ تمہاری دعا کا انہیں کوئی فائدہ نہ ملے گا۔ ہاں اگر تم لوگ اپنے نبی کے اطاعت گذار ہو جاؤ تو خدا بارانِ رحمت نازل فرمائے گا۔ انہوں نے اس کو نہایت ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکہ میں استسقاء کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وفد کا سردار و رئیس قیل بن عنزہ تھا۔ اس نے مکہ میں پہنچ کر ان لفظوں سے دعا مانگی۔

اے ہمارا پروردگار اگر ہود سچا ہے تو ہمیں بارانِ رحمت نازل فرما۔ تو خداوند کریم نے تین بادل بھیجے سفید، سرخ اور سیاہ۔ پھر آسمان سے ندا پہنچی کہ ان بادلوں میں سے قوم کے لئے ایک چن لو تو اس نے سیاہ کو چُنا

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ

کیا تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو تم نے خود رکھ لئے ہیں اور تمہارے بڑوں نے کہ نہیں

اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ

اتاری اللہ نے ان پر کوئی دلیل پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار

الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا

کرنے والوں میں سے ہوں پس ہم نے اس کو نجات دی اور جو اس کے ہمراہ تھے ساتھ اپنی رحمت کے

دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾ ع ۱۶

اور توڑ دی جڑ ان کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور نہ تھے مومن

جس میں عذاب خدا پنہاں تھا۔ قوم عاد نے بادل کو دیکھا تو خوش ہوئے کہ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا یعنی یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے۔ پس سات راتیں اور آٹھ دن ان پر موسلا دھار بارش رہی کہ وہ سب کے سب تباہ ہو گئے۔

حضرت ہود اپنے مخصوص مومنین کے ہمراہ علیحدہ ہو گئے تھے اور ان پر اس بادل کی معمولی بوندا باندی تھی اور قوم عاد پر بارش کے علاوہ آسمان سے پتھر برستے رہے اور اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کی جڑ کاٹ ڈالی۔

أَتُجَادِلُونَنِي :- انہوں نے اپنے بتوں کے جدا جدا نام رکھے ہوئے تھے کہ فلاں بارش برساتا ہے فلاں رزق کا کفیل ہے۔ فلاں بیماری سے تندرستی عطا کرتا ہے وغیرہ گویا ہر خدا کے ذمہ انہوں نے ڈیوٹیاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ حضرت ہود کا واقعہ مفصل سورۂ ہود میں بھی انشاء اللہ آئے گا۔

رکوع نمبر ۱۷

حضرت صالح کا ذکر

وَإِلَىٰ ثَمُودَ :- ثمود اور عاد ایک دوسرے کے چچا زاد تھے۔ کیونکہ ارم بن سام بن نوحؑ کے بیٹے۔ ایک نام کا عوص تھا۔ دوسرے کا نام عابر تھا۔ عاد عوص کا بیٹا تھا اور ثمود عابر کا لڑکا تھا۔ پس عاد کی اولاد کی طرف حضرت ہود پیغمبر مبعوث ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد ثمود کی اولاد اُن کی وارث ہوئی اور اُن کی جگہ متمکن ہوئی۔ تو خدا

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود

غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

سوائے اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس دلیل تمہارے رب سے یہ اللہ کی ناقہ ہے تمہارے لئے نشانی پس چھوڑ دو اس کو

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

چرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھوؤ اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا تم کو دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ

اور یاد کرو جب کہ کیا تم کو اس نے خلیفہ بعد قوم عاد کے اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا

کہ بناتے ہو نرم نرم زمین میں محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر پس یاد کرو اللہ

اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ

کی نعمتیں اور نہ ہو زمین میں فساد کرنے والے تو کہا

الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

سرداروں نے جو متکبر تھے اس کی قوم کے کمزوروں کو

نے اُن کی طرف حضرت صالح کو مبعوث فرمایا ان کی عمریں بھی لمبی ہوا کرتی تھیں ۔ گرمیوں سردیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ گھر بنایا کرتے تھے ۔ نرم اور سہل زمینوں میں گرمیوں کے لئے گھر بناتے تھے اور پہاڑ کے دامن میں سردیوں کے گھر پہاڑوں کو کرید کر بنایا کرتے تھے جس طرح قرآن مجید اس کی حکایت کر رہا ہے اور کل پانچ نبی ہیں جن کی زبان عربی تھی ۔

۱۔ حضرت ہودؑ ۲۔ حضرت صالحؑ ۳۔ حضرت شعیبؑ ۴۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور پانچویں حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مجمع)

مروی ہے کہ ۱۶ برس کی عمر میں حضرت صالح مبعوث برسالت ہوئے اور ۱۲۰ برس کی عمر تک تبلیغ فرماتے رہے لیکن وہ لوگ ذرہ بھر اثر قبول نہ کرتے تھے اور اُن کے پاس ستر بت تھے ۔ جن کی پوجا

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ

جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کیا تم جانتے ہو کہ صالح رسول ہے اپنے رب سے ؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم

اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

تو اس کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں کہا تکبر کرنے والوں نے تحقیق ہم اس چیز سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو

كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ

کافر ہیں تو نحر کر دیا ناقہ کو اور سرکشی کی اپنے رب کے امر سے اور کہنے لگے اے صالح

ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

لا وہ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو رسول پس پکڑا اُن کو زلزلہ نے تو

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ

ہو گئے اپنے گھروں میں پچھاڑے ہوئے پس (صالح نے) روگردانی کی ان سے اور فرمایا اے قوم تحقیق

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾

میں نے پہنچائی تم پر رسالت اپنے رب کی اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے

کرتے تھے آخر تنگ آکر حضرت صالح نے فرمایا کہ مجھے تمہارے ساتھ دماغ سوزی کرتے ہوئے لمبی مدت ہوئی ہے اب فیصلہ کن بات یہ ہے کہ میں تمہارے خداؤں کو بلاتا ہوں اور اپنے خدا کو بھی بلاتا ہوں جس نے ہماری دعا سنی اور قبول کی وہ ٹھیک ہوگا[1] وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے چنانچہ اپنے مخصوص عید کے دن بتوں کو لائے اور اُن کے سامنے بہت زاری کی کہ صالح کے سامنے ضرور جواب دینا۔ لیکن جب حضرت صالح نے ان کو بلایا۔ تو وہ گونگے کے گونگے رہے۔ چنانچہ چند بار اُن کی طرف سے کوشش کی گئی اور ناکام ہوئی تو قوم کے ستر آدمیوں نے استدعا کی کہ اب آپ اپنے خدا کو بلائیں آپ نے فرمایا تم بتاؤ کیا کچھ مانگنا ہے تو انہوں نے ایک پہاڑ کے قریب جا کر کہا کہ اس پتھر سے دس ماہ کی حاملہ سرخ رنگ کی اونٹنی پیدا کرے کیونکہ وہ اس پتھر کی بڑی عزت کرتے تھے بلکہ اس کی پوجا کیا کرتے تھے چنانچہ جب حضرت صالح نے دعا کی تو پتھر میں جنبش ہوئی اور اس سے اونٹنی پیدا ہوئی پھر انہوں نے کہا ہم دیکھیں اس کا بچہ پیدا ہو تو آپ کی دعا سے فوراً اس کا بچہ پیدا ہوا۔ وہ ناقہ بڑا طول و عرض رکھتی تھی اور جب اس کا بچہ پیدا ہوا۔ تو وہ اپنی ماں کی طرح بڑے جسم کا تھا۔ وہ دیکھ کر حیران و ششدر ہو گئے پس غریبوں میں سے ایک طبقہ مومن ہو گیا لیکن منکرین کا طبقہ ویسے اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا

[1] حضرت صالح علیہ السلام کی اس پیش کش کا مقصد صرف الزام خصم تھا اور ان جاہلوں کے لئے اس سے بڑھ کر ہدایت کا کوئی دوسرا کارگر طریقہ تھا ہی نہیں جس کو اختیار کیا جاتا۔ کیونکہ وہ براہین کو ٹھکرا چکے تھے۔

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ ۝۷۵ :- یہ لِلَّذِیْنَ سے بدل بعض ہے یعنی تکبر کرنے والوں نے غریب اور کمزور لوگوں میں سے ان سے پوچھا جو حضرت صالح پر ایمان لا چکے تھے کہ کیا تم اس کو رسول مانتے ہو تو انہوں نے کہا۔ ہاں! تو وہ کہنے لگے ہم تو اس کی رسالت کو نہیں مانتے۔ بات اسی طرح ہوئی کہ جب وہ ستر آدمی واپس اپنی قوم کو بتانے کے لئے روانہ ہوئے تو ان میں سے ۶۴ آدمی مرتد ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہے اور چھ مومن رہے۔ واپس آنے پر ان میں سے ایک مرتد ہوگیا اور باقی پانچ بچ گئے اور انہوں نے باقی قوم کو بتایا لیکن انہوں نے کہا کہ ہم تو ہرگز ماننے کو تیار نہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ :- عقر کے معنے ہے پے کرنا یعنی اس کا پیر کاٹ ڈالنا اور چونکہ عقر کرنے والے پے کرنے کے بعد نحر بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس لئے عقر کا معنی نحر بھی کیا جاتا ہے اور عقر کا لغوی معنی ہے ایسا زخم جو جانبر نہ ہونے دے۔

قصہ خداوند کریم نے حضرت صالح پر وحی کی کہ تیری قوم اس ناقہ کو قتل کرے گی۔ یہ ناقہ قوم ثمود کے لئے باعث برکت تھی۔ اور وہ اس لئے بھی خوش تھے کہ ان کو اس سے تکلیف کوئی نہ تھی اُن کا حوض ایک دن ناقہ کے لئے تھا اور ایک دن ان کے لئے تھا جس دن حوض کا پانی ناقہ پیتی تھی۔ اس دن وہ سارے لوگ اس ناقہ کا دودھ پیتے رہتے تھے۔ جب حضرت صالح نے اپنی قوم کو وحی ربانی سنائی کہ تم میں ایک شخص پیدا ہوگا جو اس ناقہ کو قتل کرے گا اور وہ ساری قوم کی تباہی و بربادی کا سبب ہوگا تو انہوں نے کہا ہم بچہ پیدا نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ اسی شہر میں اسی دوران میں نو آدمیوں کے بچے پیدا ہوئے اور انہوں نے ان کو قتل کر دیا پھر دسویں آدمی کا لڑکا پیدا ہوا تو اس نے قتل کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ اس سے پہلے اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ سرخ رنگ، نیلگوں آنکھ اور کوتاہ قد تھا۔ بہت جلدی اُس نے تربیت پائی اور جوان ہوا۔ جب یہ لڑکا ان نو آدمیوں کے پاس سے گذرتا تھا تو اس کو دیکھ کر وہ طیش میں آتے تھے کہ حضرت صالح نے ہمارے بچے مروا ڈالے اگر ہمارے بچے زندہ ہوتے تو وہ بھی آج اس بچے کی طرح چلتے پھرتے پس دل میں انتقام کا جوش اٹھا اور حضرت صالح کے قتل کے درپے ہوئے آپس میں مشورہ کیا کہ سفر کے بہانے سے یہاں سے نکل جائیں اور رات کو اچانک صالح پر حملہ کریں گے۔ اور قتل کر دیں گے کسی کو ہمارے مجرم کا پتہ نہ لگ سکے گا اور ہم خود انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم مسافری پر گئے ہوئے تھے ہمیں کیا خبر؟

حضرت صالح کا یہ دستور تھا کہ شہر میں نہ سوتے تھے بلکہ سارا دن قوم کو وعظ کر کے رات کو شہر کے باہر ایک مسجد میں جا کر آرام کرتے تھے۔ اس مسجد کو مسجد صالح کہتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ارادۂ فاسدہ سے روانہ

ہوئے اور رات کو پہاڑ کی غار میں پنہاں ہو گئے۔ خداوند کریم نے پہاڑ کو ان کے اُوپر گرا دیا اور وہ وہیں کے وہیں رہ گئے۔ صبح سویرے بعض آدمی جو ان کے راز دان تھے پتہ کرنے کے لئے باہر نکلے تو پہاڑ کو ان کے اُوپر گرا دیکھا۔ شہر میں آکر واویلا مچا دیا کہ دیکھو صالح نے کیا غضب کیا ہے کہ پہلے ان بے چاروں کے بچے قتل کروا دیئے اب ان پر پہاڑ گرا کر سب کو مروا دیا پس شہر والوں نے اس ناقہ کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔

اس میں اختلاف ہے کہ ناقہ کے قتل کا بہانہ کیا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ دسواں لڑکا قدار نامی جب بڑا ہوا تو مجلس شراب میں جاتا تھا ایک دن جب شراب کی مجلس گرم تھی تو انہوں نے شراب میں پانی کی ملاوٹ کا ارادہ کیا اتفاق سے وہ دن ناقہ کا تھا جب حوض پر پہنچے تو پانی موجود نہ تھا کیونکہ جس دن ناقہ نے پانی پینا ہوتا تو وہ سارے حوض کا پانی پی جاتی تھی۔ جب دوسرے دن یہ لوگ جاتے تھے تو حوض پُر ہوتا تھا اور یہ لوگ پیا کرتے تھے۔ جب ان شرابیوں کو پانی نہ ملا تو بہت برہم ہوئے اور قدار نے کہا اگر کہو تو میں اس ناقہ کو قتل کرتا ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ناقہ کے دن یہ لوگ ناقہ کا دودھ بھی پیتے تھے اور اگر پانی کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو پہاڑوں اور غاروں سے تلاش کر کے پیتے تھے اور ناقہ کی قد و قامت سے ان کے حیوان بھی ڈرتے تھے ان سب باتوں سے تنگ آکر انہوں نے ناقہ کو پے کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔

صدوف نامی ایک عورت جو خوبصورت بھی تھی اور بڑی مالدار تھی۔ اونٹ، گائے، بکریاں وغیرہ اس کے پاس بہت تھیں تو وہ اپنے مال یا حسد کی وجہ سے حضرت صالح کو بہت دشمن سمجھتی تھی تو اس نے مصدع نامی ایک شخص کو کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو قتل کرے گا تو میں تیرے ساتھ شادی کروں گی اور دوسری ایک عورت عنیزہ نامی تھی جس کی لڑکیاں خوبصورت تھیں اس نے قدار بن سالف کو کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو قتل کرے گا تو میری لڑکیوں میں سے جسے چاہے گا تیری شادی کروں گی اور مروی ہے کہ قدار حرامزادہ تھا اگرچہ سالف کے گھر پیدا ہوا تھا لیکن سالف کا نطفہ نہیں تھا اور بایں ہمہ اپنی قوم میں مقبول شخصیت کا مالک تھا۔ تو مصدع اور قدار نے اپنی قوم کے چند اوباش بدمعاش بھی اپنے ساتھ ملا لئے جن کی تعداد سات تھی۔

بعضوں نے وجہ یہ لکھی ہے کہ ملکاء نامی ایک عورت قوم ثمود پر حکمران تھی۔ جب حضرت صالح کی دعوت اور معجزہ سے متاثر ہو کر لوگ ایمان کی طرف راغب ہوئے اور رفتہ رفتہ ایمان والے بڑھتے گئے یہاں تک کہ حضرت صالح قوم ثمود کے اقتدار کے مالک ہو گئے اور دشمن لوگ دب کر خاموش ہو گئے تو ملکاء کے دل میں اپنے اقتدار کے چلے جانے کا درد پیدا ہوا اور دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے دو عورتیں طلب کیں۔ قطام اور قبال۔ قطام قدار کی معشوقہ تھی اور قبال مصدع کی محبوبہ تھی۔ پس ملکاء نے لالچ کے جال میں ان دو عورتوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور کہا کہ رات کو تمہارے عاشق تمہارے پاس آئیں تو ان کو اپنے جسم پر تصرف نہ کرنے دینا۔ جب تک کہ ناقہ کے قتل کا وعدہ نہ کریں۔ پس ایسا ہی ہوا اور یہ دونوں بدمعاش ہر رات اپنی معشوقاؤں سے ملتے تھے تو اب

ہو گئے تو ملاقات مشروط تھی۔ چنانچہ انہوں نے ناقہ کے قتل کا بھی حتمی وعدہ کر لیا اور اس سکیم کے تحت دوسرے غنڈوں کو بھی دعوت دی۔ چنانچہ سات آدمی اور بھی ساتھ ہو گئے۔

بہرکیف جس راستہ سے ناقہ پانی پی کر واپس جاتی تھی۔ اس راستہ پر انہوں نے مورچے جما لئے ایک پتھر کے پاس چھپ کر مصدع بیٹھ گیا اور دوسرے پتھر کے ساتھ قدار پوشیدہ ہو گیا جونہی ناقہ پانی پی کر چلی تو پہلے پہل مصدع نے تیر کس کر مارا کہ اس کی پنڈلی زخمی ہو گئی اب جو ناقہ قدار کے قریب سے گذری تو عنیزہ خود بھی نکلی اور اپنی لڑکی کو آگے بڑھایا جو بہت ہی خوبصورت تھی۔ غالباً اسی کا نام قطام تھا اور اس نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا کر قدار کو شاباش شاباش کہا اور قتل کی ہمت دلائی چنانچہ اس نے عشق کی مستی میں تلوار نیام سے نکالی اور حملہ کر دیا اور اس کا پیر کاٹ ڈالا۔ ناقہ چیختی چلاتی ہوئی دوڑی تو اس بدبخت نے اس کے سینے میں تیر اس زور سے مارا کہ وہ زمین پر گر گئی۔ اب تو تمام شہر والے ٹوٹ پڑے اور اس کا گوشت تقسیم کر کے گھروں میں لے گئے اور خوب کھایا گویا سارے ہی قتل میں شریک ہو گئے۔ ناقہ کے بچے نے جب یہ دیکھا تو دوڑا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین دفعہ آسمان کی طرف منہ کر کے چیخا اور اس زور سے چیخا کہ لوگوں کے دل ہلا دیئے وہ لوگ گھبرا کر حضرت صالح کے پاس معذرت کے لئے آئے اور کہا فلاں نے ظلم کیا ہے ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اس ناقہ کا بچہ تلاش کرو اگر مل جائے تو ممکن ہے عذاب ٹل جائے۔ انہوں نے ہرچند کوشش کی لیکن وہ بچہ نہ مل سکا۔ پس آپ نے فرمایا کہ تین دن تک جو چاہو کھاؤ پیو کیونکہ تمہارے اوپر عذاب حتمی ہو چکا ہے وہ نازل ہو کر رہے گا۔

تفسیر صافی میں ہے۔ خدا کی جانب سے حضرت صالح پر وحی نازل ہوئی کہ تیری قوم نے سرکشی کی ہے اور اس ناقہ کو قتل کیا ہے جو میری طرف سے ان پر حجت تھی۔ نیز اس کا ان کو کوئی نقصان بھی نہیں تھا بلکہ فائدہ تھا اب ان کو کہہ دو کہ تین دن تک میرا عذاب آنے والا ہے اگر توبہ کریں اور اپنے کئے پر پشیمان ہو جائیں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔ اگر توبہ نہ کریں تو تیسرے دن عذاب آئے گا۔ جب حضرت صالح نے اپنی قوم سے یہ فرمایا تو وہ پہلے سے بھی سرکش ہوئے اور کہنے لگے اِئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ الخ یعنی لاوہ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر تو رسول ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اے قوم! کل تمہارے منہ زرد ہوں گے۔ پرسوں سرخ ہوں گے اور تیسرے دن منہ سیاہ ہو جائیں گے اور بدھ کی رات انہوں نے ناقہ کو قتل کیا تھا۔ پس ان کے چہرے پہلے دن زرد اور دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہوئے اور ان لوگوں نے عذاب کے یقین کے بعد کفن پہن لئے تھے۔ اور حنوط کر لیا تھا۔ پس آدھی رات کے وقت جبرائیل نے صیحہ یعنی آواز پیدا کی جس سے اُن کے کان، جگر

اور دل سب پھٹ گئے اور سب کے سب گر گئے اور کوئی ذی رُوح نہ بچ سکا اور صبح کو آسمان سے آگ نازل ہوئی۔ جس نے ان کی لاشوں کو جلا دیا تھا اور بعض روایات میں ہے صیحہ بھی تھا اور زلزلہ بھی تھا۔

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں جب حضرت رسالتمآبؐ اس پتھر کے پاس سے گذرے تو فرمایا اے اصحاب اس بستی میں کوئی نہ جائے اور یہاں سے پانی پیو اور ان عذاب کردہ لوگوں پہ سے نہ گزرو مگر یہ کہ روتے ہوئے اور پناہ مانگتے ہوئے گذر جاؤ اور یاد رکھو آئندہ تم لوگ اپنے رسولؐ سے معجزہ نہ طلب کیا کرو۔ دیکھو یہ صالحؑ پیغمبر کی قوم تھی جنہوں نے معجزہ طلب کیا تھا اور خدا نے ناقہ پیدا کی تھی۔ اس راستہ سے آتی تھی اور اس راستہ سے پانی پی کر واپس جاتی تھی۔ آپ نے ناقہ کے بچے کا پہاڑ پر چڑھنے کی جگہ کا نشان بتایا اور فرمایا جب انہوں نے سرکشی کی تھی تو خدا نے سب کو عذاب سے فنا کر دیا تھا اور ان میں سے ایک شخص حرمِ خدا کے اندر تھا تو وہ عذاب سے بچ گیا لیکن جب حرم سے نکلا تو فوراً گرفتارِ عذاب ہوا۔ اور مر گیا اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ بھی تھی جو اس کے ساتھ دفن کی گئی تھی۔ اس کا نام ابو رغال تھا اور وہ قوم ثقیف کا جدِ اعلیٰ تھا۔ پھر حضورؐ نے ان کو ابو رغال کی قبر کا نشان بھی بتایا تو چونکہ انہوں نے سُنا کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک سلاخ بھی تھی تو تلواروں سے اس جگہ کو کھودا گیا اور اس سلاخ کو نکال لیا۔

ثعلبی سے منقول ہے کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ تم جانتے ہو کہ اولین میں سے شقی ترین کون تھا؟ تو علیؑ نے عرض کی۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا یہ وہ شخص تھا۔ جس نے حضرت صالحؑ کی ناقہ کو قتل کیا۔ پھر فرمایا آخرین میں سے شقی ترین انسان کون ہے؟ تو علیؑ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا وُہ تیرا شہید کرنے والا ہے اور ایک روایت میں ہے حضورؐ نے حضرت علیؑ کے سر اور ڈاڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا من یخضب ھٰذہٖ من ھٰذہٖ۔ جو اس کو (یعنی ڈاڑھی کو) اس سے (یعنی سر کے خون سے) خضاب کرے گا۔

یاد رہے کہ یہ ناقہ حضرت صالح قومِ ثمود کے لئے حجّت خدا تھی اور اس کے بے گناہ قتل سے ساری قوم عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوئی۔ مروی ہے جب مسلمان حضرت علیؑ کو مجبور کر کے دربار خلافت میں بیعت کے مطالبہ کے لئے لے چلے تو جناب خاتونِ جنّت بتول معظمہ سلام اللہ علیہا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا۔ خَلُّوْا عَنِ ابْنِ عَمِّیْ میرے چچازاد کو چھوڑ دو۔ وَاِلَّا لَاُنَشِّرَنَّ شَعْرِیْ وَلَاَضَعَنَّ قَمِیْصَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلٰی رَاْسِیْ۔ ورنہ میں اپنے بال پریشان کروں گی اور حضرت رسالتمآبؐ کی قمیص کو اپنے سر پہ رکھ کر بد دُعا کروں گی اس کے بعد فرمایا تھا کہ حضرت صالحؑ پیغمبر کی ناقہ کی قدر مجھ سے زیادہ تو نہ تھی اور اس ناقہ کے بچے کی قدر اللہ کے نزدیک میرے حسنین سے زیادہ نہ تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر اس کی بے گناہی اور بچے کی معصومانہ اور مظلومانہ فریاد

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ

اور لوط کو (بھیجا) جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بدکاری کہ نہیں کی تم

بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ

سے پہلے کسی نے جہان میں تحقیق تم کرتے ہو مردوں سے

شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ‌ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۸۱﴾

کارِ شہوت سوائے عورتوں کے بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو

موجب عذاب ہوگئی تھی تو میں تو حبیب خدا کی شہزادی ہوں اگر فریاد کروں گی تو تم پہ عذاب آئے گا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ ابھی تک آپ نے بددعا نہیں کی تھی۔ لیکن مسجد نبوی کی دیواریں زمین سے بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں فوراً جناب امیر نے عذاب کے آثار دیکھ کر سلمانؓ سے فرمایا کہ بنت رسولؐ سے جاکر سفارش کرو کہ بددعا نہ کریں۔ چنانچہ سلمانؓ نے پہنچ کر عرض کی۔ اے بی بی تیرا باپ عالمین کے لئے رحمت تھا۔ آپ بددعا نہ فرمائیں تو بی بی نے روتے ہوئے دردناک لہجہ میں ارشاد فرمایا۔ اے سلمانؓ میرا حق غصب ہوا تو میں نے صبر کیا۔ میرے گھر کی ہتک کی گئی تو میں نے صبر کیا مجھے طمانچہ مارا گیا حتیٰ کہ میری بالیاں کانوں سے ٹوٹ گئیں تو میں نے صبر کیا۔ دروازہ گرایا گیا تو میں نے صبر کیا۔ صبر کی کوئی حد بھی ہے۔ اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ حسنینؑ کو یتیم کردیں۔ میں اس پہ صبر نہیں کرسکتی۔ پس فوراً سلمانؓ نے روکر عرض کی۔ اے دختر رسولؐ میری کیا مجال ہے کہ کچھ عرض کروں۔ میرے آقا حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ میں تو ان کا پیغام پہنچا رہا ہوں جب مخدومہ نے سُنا کہ آقا یہ فرمارہے ہیں تو فوراً ہاتھ نیچے کرلئے اور یہی کہا کہ میرے سردار اگر آپ اسی پر راضی ہیں تو میں راضی ہوں۔

مسلمانوں نے انبیاء کے واقعات کو صرف ایک قصہ سمجھ لیا۔ ورنہ اگر ان حقائق کو عبرت آموز درس سمجھتے تو اولادِ پیغمبرؐ کے نہ گھر لٹتے، نہ عصمت مآب شہزادیوں کی درباروں، بازاروں میں سر برہنہ پھرائے جانے کی نوبت آتی نہ سیدزادے دیواروں میں چُنے جاتے اور نہ زمین سادات کے خون سے رنگین ہوتی۔ ہائے کس قدر سخت دل تھے وہ مسلمان جنہوں نے سُننے، جاننے، سمجھنے کے بعد سب کچھ گوارا کیا۔ سب سے پہلے دخترِ رسولؐ پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے اور پھر نسلاً بعد نسلٍ آلِ رسول کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔

حضرت لوط کا واقعہ

حضرت لوط کے والد کا نام ہاران بن تارخ تھا گویا حضرت ابراہیمؑ کے برادرزادے تھے

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ

اور نہیں تھا اس کی قوم کا جواب مگر یہ کہا کہ نکال دو ان کو اپنی بستی سے کیوں کہ

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ

یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں پس ہم نے اس کو بچالیا اور اس کی اہل کو سوائے اس کی عورت کے کہ

الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع

وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی اور برسایا ہم نے ان پر مینہ (پتھروں کا) پس دیکھو کیسا تھا انجام جرم کرنے والوں کا

اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد تھے اور حضرت سارہ کے برادر تھے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لوط اور حضرت ابراہیمؑ کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں اور ان کے والد کا نام لاحج تھا اور وہ بھی نبی تھا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب نمرود کے ملک سے ہجرت فرمائی تھی تو حضرت لوط ان کے ہمراہ تھے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لوط جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے خود اس قوم میں سے نہ تھے۔ پس تیس برس ان میں رہ کر ان کو تبلیغ فرمائی۔ وہ لوگ غسل جنابت نہ کرتے تھے۔ اور حد سے زیادہ بخیل تھے اور اسی بخل ہی کی بدولت اس غیر فطری عادت میں مبتلا ہوئے جو ان کے لئے موجب عذاب ہوئی۔ یہ لوگ اس راستہ کے اوپر آباد تھے جو شام اور مصر کو جاتا تھا۔ لہٰذا مہمانوں کی آمد و رفت یقینی تھی تو انہوں نے اپنے بخل کے پیش نظر مردوں سے غیر فطری فعل شروع کر دیا۔ تاکہ ہماری یہ بات جب شہرت پکڑے گی تو مہمان کنارہ کر جائیں گے لیکن پھر ان کو اس کی عادت ہوگئی۔ یہاں تک کہ مردوں کو معاوضہ دیکر یہ کام کرتے تھے اس طرف حضرت لوط مہمان نواز تھے تو ان کو بھی یہ لوگ منع فرماتے تھے اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آئندہ آپ کا کوئی مہمان آیا تو ہم اس کے ساتھ بھی یہی فعل کریں گے پس حضرت لوط کا یہ دستور تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مہمان آتا تھا تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ جب ان کے عذاب کا موسم آیا تو حضرت لوط اپنی کھیتی کو پانی لگا رہے تھے کہ جبرئیل بمعہ چند ملائکہ کے پہنچ گئے۔ حضرت لوط نے پوچھا کون ہو؟ جواب دیا کہ ہم مسافر لوگ ہیں اور یہاں رات کو رہنا چاہتے ہیں۔ حضرت لوط نے فرمایا۔ میری قوم کے لوگ مردوں کے ساتھ لواط کرنے کے عادی ہیں اور لٹیرے بھی ہیں مناسب ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ اب دیر ہوگئی ہے ہم کہیں نہیں جا سکتے۔ پس حضرت لوط علیہ السلام گھر تشریف لائے اور

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ

اور قوم مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا) فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود

غَیْرُہٗ ؕ قَدْ جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ

سوائے اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس واضح دلیل اپنے رب سے پس پورا کرو ناپ اور وزن

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ

اور نہ خسارہ دو لوگوں کو اُن کی چیزوں میں اور نہ فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح

اِصْلَاحِھَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِکُلِّ

کے بعد یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور نہ بیٹھو ہر راستہ پہ

صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَتَبْغُوْنَھَا

کہ ڈراتے ہو (لوگوں کو) اور روکتے ہو اللہ کے راستے سے اس کو جو ایمان لائے اس پر اور چاہتے ہو

اپنی عورت سے فرمایا کہ میرے ہاں مہمان ہیں ان کے متعلق کسی کو نہ بتانا لیکن وہ کافروں کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ اور نشانی یہ مقرر تھی۔ جب آپ کے ہاں مہمان دن کو آتے تھے تو وہ چھت کے اوپر دھواں لگا دیتی تھی اور اگر رات کو آتے تھے تو صحن خانہ میں آگ روشن کرتی تھی۔ تاکہ کفار کو حضرت لوطؑ کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کا سراغ لگ جائے۔ چنانچہ اب بھی اس نے ایسا کیا فوراً لوگ جمع ہوگئے اور حضرت لوط کی منت سماجت کو انہوں نے نہ مانا۔ پس جبرئیل نے پر مارا کہ ان کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ اس کے بعد حضرت لوطؑ سے کہا کہ آپ بمعہ اپنی عیال کے نکل جائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کفار گھر کو احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کیسے جاؤں تو جبرئیل نے ان کے سامنے ایک نورانی عمود نصب کر دیا جس کی روشنی میں وہ چلے گئے۔

طلوع صبح کے وقت جبرئیل نے پر مار کر اس بستی کی زمین کو ساتویں زمین سے اکھیڑ لیا اور اس قدر بلند کیا۔ کہ اہل آسمان ان کے کتوں کی آوازیں سنتے تھے پس وہاں سے زمین کو الٹا دیا۔

وَ اَمْطَرْنَا :- یعنی ان پر پتھروں کی بارش ہوئی ایک اور مقام پر بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان پر ہم نے پتھر برسائے یعنی جو لوگ بستی میں موجود تھے ان پر زمین کو الٹایا گیا اور جو لوگ باہر تھے ان پر پتھر نازل کئے گئے یہاں تک کہ کوئی بھی اس قوم کا آدمی نہ بچ سکا اور حضرت لوط کی عورت پر بھی پتھر نازل کیا گیا۔ ابلیس نے ان کو

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کج راستہ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پس اس نے تم کو زیادہ کیا اور دیکھو کیسا ہے انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ

فسادیوں کا اور تحقیق ایک گروہ تم سے ایمان لایا ہے اس پر جو میں لایا ہوں اور ایک گروہ

لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

نہیں ایمان لایا پس صبر کرو یہاں تک کہ خدا فیصلہ کرے ہمارے درمیان اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

اس عادتِ بد کی طرف راہنمائی کی تھی کہ جب وہ لوگ مہمانوں سے تنگ ہوئے اور ان سے گلو خلاصی کی تدبیر نہ سوجھی تو وہ حیران و پریشان تھے کہ ابلیس نے ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں اُن کے سامنے آکر ان کو اپنے ساتھ بدفعلی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے پھر یہی حربہ مہمانوں پر استعمال کرنا شروع کر لیا۔

رکوع نمبر ۱۸۔ حضرت شعیبؑ کا ذکر

وَاِلٰى مَدْيَنَ ۵۶ :۔ یہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تیسرے شہزادے تھے اور ان کی اولاد انہی کے نام سے مشہور ہے بعض کہتے ہیں کہ قوم مدین اور اصحاب ایکہ سے مراد ایک ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں اور ان کی طرف حضرت شعیبؑ کو الگ الگ بھیجا گیا تھا اور زیادہ قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ سے مراد ایک ہی قوم ہو۔ واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ مدین کے لڑکے یشجب کے گھر حضرت لوط کی لڑکی تھی اور ان سے میکیل پیدا ہوئے جو حضرت شعیبؑ کے والد تھے تو گویا حضرت شعیب مدین کے پڑپوتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ اُن کے پوتے تھے لہٰذا وہ شعیبؑ ابن توبہ بن مدین بن ابراہیم کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ :۔ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم تجارتی معاملات میں غدار تھی اور آپ اُن کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے کہ وہ ناپ اور تول میں دھوکا کرتے تھے یعنی لینے کے لئے ناپ تول زیادہ اور دینے کے لئے کم۔ پس خداوند کریم ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے اور ان کو بزبان حضرت شعیبؑ اس عادتِ بد سے منع فرما رہا ہے

وَلَا تَقْعُدُوْا ۵۶ :۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) یہ لوگ راستہ پر بیٹھ جایا کرتے پس جو آدمی شعیب کو ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ ان کو ڈراتے دھمکاتے تھے (۲) ابوہریرہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ رہزن اور ڈاکو تھے اور ان کو اس فعل بد سے روکا گیا ہے (۳) دین کے راستوں پر مورچے بنا کر دین کے طلبگاروں پر ڈاکے ڈالا کرتے تھے یعنی جو لوگ حضرت شعیب کے

پاس دین سیکھنے جاتے یا دین کی باتیں سیکھ کر واپس آتے تھے تو یہ لوگ ان کے دلوں میں شیطان کی طرح وسوسے ڈالا کرتے اور حضرت شعیبؑ کے متعلق ہزاروں قسم کے غلط سلط پروپیگنڈے کرتے تاکہ لوگوں کے دلوں سے اُن کا وقار اٹھ جائے اور اُن کی دین داری ختم ہو جائے۔

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا :- اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ھاء ضمیر کا مرجع سبیل ہے یعنی تم وہ راستہ چاہتے ہو جو راہِ مستقیم سے کج ہو اور دوسری طرف جانے والا ہو۔ (۲) یعنی تم صراطِ حق اور سبیل خدا وندی میں عیب تلاش کرتے ہو تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہ کیا جائے (۳) اس کا معنی یہ ہے کہ تم سیدھے راستہ سے منہ پھیرنا چاہتے ہو۔

فَكَثَّرَكُمْ :- ایک روایت میں ہے کہ مدین کے گھر حضرت لوطؑ کی لڑکی تھی اور ان سے اولادِ کثیر پیدا ہوئی چونکہ عذاب شدہ قومیں ان سے بہت پہلے گذری تھیں مثلاً قوم لوط، قوم ہود، قوم صالح اور قوم نوح۔ پس خدا ان کی ہلاکت و بربادی کو بیان فرما کر ان کو اپنے بدکردار سے منع فرما رہا ہے تاکہ عذاب سے ڈریں اور گزشتہ اقوام کی بربادی سے سبق لیں اور مروی ہے کہ تمام انبیاء میں سے حضرت شعیب علیہ السلام نہایت قادر الکلام مقرر تھے۔ اس لئے اُن کا لقب بھی خطیب الانبیاء ہے۔

دربارِ ہشام بن عبدالملک میں باقرِ آلِ محمدؑ کا داخلہ

اصول کافی باب مولد ابی جعفر میں ہے کہ جب امام محمد باقر علیہ السلام کو ہشام بن عبدالملک نے بلایا اور حضرت وہاں پہنچے تو دربار کے دروازہ پر رُک گئے۔ ادھر ہشام نے حاضرین مجلس کو سمجھایا کہ جب میں امام عالی مقام کو جھڑکوں اور پھر خاموش ہو جاؤں تو تم سب کا فرض ہے کہ اس کو جھڑکو۔ اس کے بعد حضرت کو اندر آنے کی اجازت دی گئی چنانچہ جب آپ اندر تشریف لائے تو تمام حاضرین مجلس پر ایک ہی سلام کہا اور بادشاہ کے لئے بالخصوص سلام نہ کہا اور پھر بیٹھ گئے ہشام کے دل پر آپ کا یہ رویہ جلتی پر تیل کا کام کر گیا وہ پہلے بھی برافروختہ تھا لیکن مخصوص سلام کے نہ ہونے اور بلا اجازت دربار میں بیٹھ جانے سے جل بھن گیا تو امام عالی مقام کو تیز و تند لہجہ میں یوں خطاب کیا کہ میں نے سنا ہے کہ تم میں سے ایک شخص امامت کا مدعی ہے اور دو مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کا بیج بو رہا ہے اور اپنی اطاعت کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے اس کے بعد جو چاہا بکتا رہا۔ پھر خاموش ہوا تو حاضرین مجلس میں سے ہر شخص نے یکے بعد دیگرے سوچی سمجھی سکیم کے تحت آپ سے تلخ کلامی کی لیکن امام پاک اپنے انتہائی وقار و اطمینان کے ساتھ سب کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ لوگ بھی بک بک کر چُپ ہو گئے تو امام عالی مقام کی زبان حق ترجمان یوں گویا ہوئی۔ لوگو کہاں جا رہے ہو۔ ہماری وجہ سے تمہارے اوّل و آخر نے ہدایت پائی اگر تمہارے پاس ظاہری اقتدار ہے تو ہمارے حصّہ میں اُخروی اقتدار ہے اور ہمارے اقتدار کے بعد کسی کا اقتدار نہ ہو گا چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ حق کے تلخ کلمات کو سُن کر دشمن دین کے سینہ و پُر از کینہ پر عداوت و بغض آلِ محمدؑ کے سانپ لوٹنے شروع ہوئے۔ پس امام کی حبس کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب آپ قید میں پہنچے تو آپ کے اخلاقِ حسنہ سے تمام قیدی آپ کے ہمنوا ہو گئے۔ مجبوراً داروغہ قید نے ہشام کو رپورٹ دی کہ اگر امام چند

دن مزید قید میں رہے تو صرف قیدی ہی نہیں بلکہ تمام اہل شام اس کے گرویدہ ہو کر تیری جان کے دشمن ہو جائیں گے اور تیرے لئے مسندِ اقتدار کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ پس ہشام نے حکم دیا کہ آپ کو واپس مدینہ بھیج دیا جائے اور راستہ کے شہروں میں حکم بھیج دیا کہ کوئی بھی ان سے ملاقات کرنے نہ آئے اور نہ ان کے لئے روٹی پانی کا انتظام کرے چنانچہ تین دن کے متواتر سفر کے بعد آپ مدین کے دروازہ پر پہنچے۔ اس دوران میں روٹی پانی کہیں سے دستیاب نہ ہوا۔ جب ان لوگوں نے حضورؑ کی آمد سنی تو دروازے شہر کے بند کر لئے۔ حضرتؑ کے ساتھیوں نے بھوک و پیاس کی شدت کی شکایت کی تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے شہر والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ اے شہر کے باشندو! جس کے بسنے والے ظالم ہیں۔ اَنَا بَقِیَّۃُ اللّٰہِ۔ میں حجت خدا ہوں اور خدا ارشاد فرماتا ہے۔ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ اس شہر میں ایک سن رسیدہ بزرگ تھا اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا۔ اے قوم خدا کی قسم یہ وہ دعوت ہے جو حضرت شعیب پیغمبرؑ نے مدین والوں کو دی تھی خدا کی قسم اگر اس شخص کی طرف دروازے نہ کھولو گے اور ضروریات زندگی اس کے لئے مہیا نہ کرو گے تو اوپر اور نیچے سے عذابِ خداوندی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس دفعہ میری یہ بات ضرور مان لو۔ اگر بعد میں کوئی بات کروں تو اس کو مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی۔ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ چنانچہ شہر والوں نے جلدی سے دروازے کھول دیئے۔ اس کے بعد جب ہشام کو اطلاع پہنچی تو اس بوڑھے مرد کو اپنے پاس بلایا اور اس کو سزا دی۔

جلاء العیون اور دیگر کتب تاریخ میں حضرت صادق آل محمدؑ سے ایک لمبی روایت اسی واقعہ سے ملتی جلتی ہے کہ ہشام سے رخصت ہونے پر ایک جگہ عیسائیوں کے ایک پادری سے تبادلۂ خیالات فرمایا اور ہشام نے آپ کے متعلق عیسائیت کی افواہ اڑائی۔ چنانچہ واپسی پر جس شہر میں آئے لوگوں نے آپ سے بے توجہی کی۔ حتّٰی کہ مدین والوں نے بھی بے توجہی کا سلوک کیا۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اس سفر میں بابا کے ہمراہ تھا۔ آپ ہمیں دروازہ پر چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہی آیات پڑھیں جو حضرت شعیبؑ نے پڑھی تھیں چنانچہ عذابِ خداوندی کے آثار نمودار ہوئے تو ایک بوڑھے شخص نے لوگوں سے کہا۔ مجھے پتہ ہے کہ حضرت شعیبؑ نے بھی اسی جگہ کھڑے ہو کر یہی دعوت دی تھی۔ پس ضرور ان کے سامنے دروازے کھول دو۔ ورنہ وہی عذاب آجائے گا جو قوم شعیبؑ پر آیا تھا چنانچہ لوگوں نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔

نشے کی اقسام

نشہ کی برائی میں کسی ذی ہوش انسان کے لئے مجال انکار نہیں اور اس سے مراد وہ نشہ ہے جو متاع انسانیت یعنی عقل کی بربادی کا زینہ ہو اور یہ بھنگ، چرس، چنڈو اور شراب تک محدود نہیں بلکہ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں اسباب نشہ میں سے کمزور ترین سبب ہیں اور اس میں شک نہیں کہ عقل کی بربادی ہی ہر قسم کی برائی کے جنم کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اب ذرا اقسام نشہ ملاحظہ ہوں۔

(۱) اقتدار کا نشہ اور یہ نشہ تمام نشہ کی اقسام سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ (۲) حُسن کا نشہ خواہ حُسن ذاتی ہو یا صفاتی ہو بلکہ بعض اوقات خارجی حُسن بھی موجب نشہ ہو جاتا ہے مثلاً بیٹے یا زوجہ یا محبوبہ کا حُسن یا لباس، سواری اور مکان کا حسن وغیرہ (۳) قوت و طاقت کا نشہ۔ اس میں جسمانی طاقت قوم و قبیلہ کی طاقت، عقیدت مندوں کی طاقت اور اطاعت گزاروں کی طاقت سب شامل ہیں (۴) دولت کا نشہ (۵) مال و اولاد کا نشہ (۶) تندرستی کا نشہ (۷) جائداد کی فراوانی کا نشہ (۸) شہوت کا نشہ، کیونکہ جب شہوت کا بھوت سر پر سوار ہو تو عقل کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ (۹) محبت کا نشہ۔ چنانچہ مقولہ مشہور ہے۔ حب الشیٔ یُعمِیْ و یُصِمّ کسی شے کی محبت انسان کو اندھا و بہرہ کر دیا کرتی ہے کہ محبوب کے عیب عیب نہیں معلوم ہوتے اور اس سلسلہ میں ناصح کی آواز سے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور عقل پہ پردے پڑ جاتے ہیں۔ (۱۰) لالچ کا نشہ۔ اس میں شک نہیں کہ لالچی انسان عقل سے باغی ہوا کرتا ہے (۱۱) جب انسان کے پاس اطاعت گزار موجود ہوں خواہ عقیدت سے جیسے مرید لوگ پیروں کی اطاعت کرتے ہیں یا شاگرد استاد قدر کرتے ہیں یا عزادار مومن ذاکرو واعظ کی عزت کرتے ہیں اور خواہ اطاعت ڈر سے ہو جیسے حکام وقت کی اطاعت یا کسی سردار کی اطاعت۔ پس جس کی اطاعت کی جائے اس میں ایک قسم کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے جو بعض اوقات حق و باطل کی تمیز سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ (۱۲) ریاست کا نشہ۔ خواہ ریاست دینی ہو یا دنیاوی۔ (۱۳) کمال کا نشہ (۱۴) تکبر کا نشہ۔ (۱۵) وجاہت کا نشہ جس کو پتہ ہو کہ مجھے کچھ لوگ جانتے ہیں۔ اس کے دماغ میں نشہ آجاتا ہے خواہ وہ وجاہت حسن صورت کی وجہ سے ہو یا عمل کردار کی بدولت ہو یا تقریر و تحریر کی خوبی سے ہو یا آواز کی شیرینی سے ہو۔ (۱۶) کارکردگی (۱۷) فتح و کامیابی کا نشہ خواہ امتحان میں کامیابی ہو یا میدان میں فتح ہو۔ بہرکیف جیت ایک نشہ ہے۔ (۱۸) کسی نشہ آور چیز کا استعمال مثلاً بھنگ، چرس، چنڈو، شراب وغیرہ اور اکثر نشے انسان کے لئے تکبر کا زینہ ہیں۔ نیز تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام نشوں میں کمزور ترین نشہ آخری قسم کا نشہ ہے اور سب نشوں میں سے بدترین اور سخت ترین پہلی قسم کا نشہ ہے یوں تو ہر نشہ انسانی دماغ کو معطل کر دیتا ہے لیکن باقی تمام نشے کسی نہ کسی وقت اتر جایا کرتے ہیں لیکن حکومت و اقتدار کا نشہ کسی وقت نہیں اترتا لہٰذا صاحب اقتدار کا ہوش سنبھال لینا اللہ کی نعمت عظمیٰ ہے۔ خداوند کریم نے جس قدر انبیاء بھیجے ان کی کامیابی کے راستہ میں یہی نشے حائل رہے اور لوگ ان ہی اقسام کے نشوں میں چور ہو کر انبیاء کی دعوت کو ٹھکراتے رہے۔ اسی طرح آئمہ طاہرین علیہم السلام کو جن لوگوں نے ظلم کا نشانہ بنایا وہ اسی قسم کے نشوں کی بدولت تھا۔ جن میں سب سے زیادہ خطرناک نشہ اقتدار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی دعوت کو ٹھکرانے میں با اقتدار طبقہ ہر جگہ پیش پیش رہا ہے اور یہ واضح رہے کہ آخری قسم کے علاوہ نشہ کے جس قدر اسباب ہیں اگر شرعی اقتدار کے ماتحت ہوں اور

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ

کہا ان سرداروں نے جنہوں نے تکبر کیا اپنی قوم میں سے ہم تجھے ضرور نکالیں گے ۔ اے شعیب اور ان کو جو ایمان لائے

اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾

تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا یہ کہ پلٹ آؤ ہمارے دین میں کہا کیا اگرچہ ہم ناپسند بھی کریں؟

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ

ہم اللہ پر افتراء جھوٹ باندھیں اگر پلٹیں تمہارے دین میں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں بچایا اس سے

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ

اور ہمیں جائز نہیں کہ اس میں پلٹیں مگر یہ کہ چاہے اللہ جو ہمارا رب ہے احاطہ کیا ہے ہمارے رب نے کل شے پر علم کا

عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾

اللہ پر ہم نے توکل کی اے رب ہمارا فیصلہ کر ہمارے اور قوم کے درمیان حق کا اور تو ہی اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

شکر خداوندی کا زینہ ہوں تو انتہائی ممدوح ہیں ورنہ بے حد مذموم بلکہ انسانیت سوز ہیں اور ہر قسم کی برائی کی جڑ ہیں ۔

رکوع نمبر ١

قَالَ الْمَلَاُ :۔ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ متکبر اور خود سر تھے انہوں نے حضرت شعیبؑ کو کہا کہ یا تو آپ یہاں سے نکل جائیں اور یا ہمارے دین میں داخل ہو جائیں اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ۔

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ :۔ اس کا معنی ہے پلٹ آؤ ۔ پلٹنا تب صادق آتا ہے کہ پہلے ان کے دین پر ہوں پھر اسلام پر آگئے ہوں لیکن حضرت شعیبؑ تو نبی تھے ۔ لہٰذا ان کے متعلق یہ ناممکن ہے کہ پہلے ان کے دین پر ہوں ۔ پس اس صورت میں کفار کا کہنا کہ پلٹ آؤ ہمارے دین پر غلط ہوگا تو اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں ۔ ١۔ چونکہ قبل از بعثت حضرت شعیب اگرچہ دین الٰہی اور ملت ابراہیمی پر تھے لیکن چونکہ کفار سے ان کا طریقہ مخفی تھا لہٰذا وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی ہماری طرح ہیں ۔ اس لئے جب آپ مامور بہ تبلیغ نبوت ہوئے تو وہ اپنے زعم فاسد کی بنا پر کہتے تھے کہ آپ ہمارے دین پر پلٹ آئیں ۔ ٢۔ چونکہ حضرت شعیبؑ کے ساتھی تو حقیقتاً کفر پر تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے اب متکبرین ان کو کہتے تھے کہ پلٹ آؤ ۔ بنا بریں اہتمام کے خطاب کا رخ حضرت شعیبؑ کی طرف ہے لیکن مراد وہ لوگ ہیں ۔ ٣۔ ممکن ہے یہاں عود کا معنی صرف داخل ہونا یعنی آجاؤ اور یہ معنی بھی بعض مفسرین نے کیا ہے پس جہاں جہاں کسی نبی کے لئے عود کا لفظ استعمال ہو اس کی توجیہ اس طریق سے کی جائے گی ۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٩٠﴾

اور کہا انہوں نے جو کفر کرتے تھے اس کی قوم میں سے اگر تم لوگ پیچھے چلو گے شعیب کے تو تم البتہ خسارہ میں رہو گے

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٩١﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن

پس ان کو پکڑا زلزلے نے تو ہو گئے گھروں میں پچھاڑے ہوئے جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی آباد ہی نہیں

لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ

تھے اس میں جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو وہ خسارہ میں تھے پس روگردانی کی ان سے

وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٣﴾

اور فرمایا اے قوم تحقیق میں پہنچا چکا اپنے رب کے پیغام اور خیر خواہی کر چکا تمہاری پس کیسے افسوس کروں اس قوم پر جو کافر تھی

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ :- یہ اس طرح ہے جس طرح پہلے ایک جگہ فرمایا ہے کہ کافر لوگ جنّت میں داخل نہ ہوں گے مگر یہ کہ اونٹ سوراخِ سوزن میں داخل ہو جائے یعنی جس طرح اونٹ کا سوراخِ سوزن میں داخل ہو جانا ناممکن ہے۔ اسی طرح ان کا جنّت میں جانا ناممکن ہے۔ پس یہاں بھی وہی مقصد ہے کہ ہمارا تمہارے دین پر آنا تب ہو گا جب خدا چاہے گا۔ یعنی ہمارا کفر میں داخلہ اس طرح ناممکن ہے جس طرح خدا کا کفر و شرک کو چاہنا ناممکن ہے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ :- مروی ہے کہ خداوند کریم نے ان پر پہلے زلزلہ بھیجا اور سخت گرمی ان پر نازل فرمائی کہ سانس لینا بھی ان کیلئے مشکل ہو گیا۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو گرمی نے وہاں بھی نہ چھوڑا۔ پس نہ ان کو سایہ بچاتا تھا اور نہ پانی اور گرمی اس قدر تیز سے تیز تر ہوتی گئی کہ ان کے چمڑے جل گئے تو خداوند کریم نے ایک بادل بھیجا۔ جس میں نہایت پاکیزہ ہوا تھی۔ جب انہوں نے ہوا کی ٹھنڈک اور پاکیزگی محسوس کی تو ایک دوسرے کو خوشی سے بلانے لگ گئے کہ اس بادل کو نہ چھوڑو لہٰذا وہ سب گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور بادل کے نیچے جمع ہوئے جب سب کے سب وہاں اکٹھے ہو گئے تو خداوند کریم نے اس کو آگ کی طرف منتقل کر دیا پس نیچے سے زمین لرزنے لگی اور اُوپر سے آگ برسنے لگی اور وہ جل بھن کر خاکستر کا ڈھیر ہو گئے اور اسی کو دوسرے مقام پر عذاب یوم الظلّہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شعیبؑ دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ایک اہلِ مدین دوسرے اصحابِ ایکہ۔ وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک قوم پر صرف رجفہ کا عذاب آیا اور دوسری قوم پر عذاب یوم الظلّہ نازل ہوا۔ واللہ اعلم۔

لَّمْ يَغْنَوْا :- یعنی عذاب کے بعد اس طرح نیست و نابود ہوئے کہ ان کی آبادی کا نام و نشان تک نہ رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ لوگ کبھی یہاں آباد ہی نہیں تھے۔

وَكَيْفَ آسَىٰ :- بعضوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مومن کے لئے ناجائز ہے کہ کافر کے لئے دعائے خیر کرے۔ نیز

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ ہم نے اس کے باشندوں کو تکلیف اور دکھ کے ساتھ پکڑا تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

عاجزی کریں پھر ہم نے بدل دی سختی کی بجائے نرمی یہاں تک کہ بڑھ گئے اور کہنے لگے تحقیق چھوا تھا ہمارے بڑوں

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى

کو سختی اور نرمی نے تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک اور وہ غافل تھے اور اگر بستی والے

کافر کی موت یا تباہی و بربادی پر افسوس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

رکوع نمبر ۲

بِالْبَاْسَآءِ :- یہاں چند اقوال ہیں۔ باسار کا معنی (۱) جانی تکلیف اور ضرّا کا معنی مالی تکلیف (۲) باسار کا معنی بھوک اور ضرا کا معنی دکھ بیماری (۳) باسار کا معنی بھوک اور ضرا کا معنی فقر۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو تنبیہ کے لئے دکھ تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔

قَالُوْا قَدْ مَسَّ :- یعنی جب خدا ان سے مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور اولاد بڑھ جاتی ہے تو معمولی سرزنش اور تنبیہ کو تو وہ سمجھتے ہی کچھ نہیں بلکہ فوراً جواب دیتے ہیں۔ یہ گرمی اور سردی دنیا والوں پر ہمیشہ آیا کرتی ہے۔ لہذا اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں آتے اور نہ توبہ کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پس خدا سختیوں سے بھی آزماتا ہے اور نعمتوں سے بھی آزماتا ہے۔ اگر دونوں حالتوں میں انسان غرّہ ہو کر خدا کی طرف نہ جھکے اور نہ گناہوں سے توبہ کرے تو پھر اچانک اس پر عذاب نازل فرماتا ہے جو اس کے لئے باعثِ نقمت اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوتا ہے۔ خداوند کریم تمام اہلِ ایمان کو گناہ سے بچنے اور توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

واعوذ باللّٰہِ من سخطہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ

ایمان لاتے اور ڈرتے تو کھولتے ہم ان پر برکتیں آسمان و زمین سے لیکن انہوں نے جھٹلایا پس ہم نے ان کو پکڑا

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

بوجہ اس کے جو وہ کسب کرتے تھے کیا بے خبر ہیں بستیوں والے کہ آئے اُن پر ہمارا عذاب رات کو کہ وہ سوئے ہوئے ہوں

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ

یا بے خطر ہیں بستیوں والے کہ آئے اُن پر ہمارا عذاب دن کو اور وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا وہ بے خطر ہیں اللہ کی

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ

گرفت سے تو نہیں بے خطر ہوتے اللہ کی گرفت سے مگر وہ لوگ جو خسارہ پانیوالے ہیں کیا نہیں ہدایت کرتی ان کو جو وارث بنتے ہیں زمین کے

مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

بعد اسی کی اہل کے یہ بات کہ اگر ہم چاہیں تو پکڑلیں ان کو بہ سبب ان کے گناہوں کے اور مہر لگا دیں گے ان کے دلوں پر

رکوع نمبر ۳

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ :- انسان جب گناہ کرتا ہے اور توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتا تو رفتہ رفتہ اس کا دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر نہ کوئی وعظ اثر کرتا ہے اور نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور اس کے کان کلماتِ حق سُننے سے گریز کرتے ہیں اور اسی کو طبع سے تعبیر فرمارہا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت مجاز کے طور پر ہے کیونکہ خدا نے مجبور تو کیا نہیں اور اپنے اختیار پر چھوڑ دیا ہے لیکن انسان اپنے سوءِ اختیار سے گناہ کو اختیار کر بیٹھتا ہے اور گناہ کرنے کی بھی طاقت اللہ کی عطا کردہ ہے اس لئے مجازاً نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے اور ختم اور طبع کی مزید وضاحت تفسیر کی دوسری جلد میں مذکور ہے اور جبر و اختیار کے مسئلہ پر مفصل بحث بھی وہاں موجود ہے۔ اصول کافی باب الذنوب میں بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے اگر توبہ کرے تو وہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر زیادہ گناہ کرے اور ایک گناہ سے دوسرے گناہ کی طرف بڑھتا جائے تو وہ نقطہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ پھر وہ انسان نیکی کی طرف نہیں رجوع کرتا۔

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۱۰۱ :- یعنی جو لوگ اَلَسْتُ کے دن کا انکار کر چکے وہ اب اقرار نہیں کرتے چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی منقول ہے کہ خداوندِ عالم نے عالمِ ذر میں تمام ارواح کو اپنی توحید و رسالت و ولایت کے اقرار کی دعوت دی تھی تو

فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلۡكَ الۡقُرٰى نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا‌ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ

پس وہ نہ سنیں گے — یہ بستیاں کہ ہم نے قصہ سنایا ہے تم کو ان کی باتوں کا — اور تحقیق آئے تھے ان کے پاس

رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ‌ ۚ فَمَا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِ

ہمارے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ پس وہ نہ بنے ایمان لانے والے اس بات پر جس کو وہ جھٹلا چکے تھے پہلے اسی طرح مُہر کرتا ہے کافروں

الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ‌ ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾

کے دلوں پر — اور ہم نے نہیں پایا ان کے اکثر کا کوئی عہد — اور تحقیق ہم نے اکثر کو فاسق ہی پایا ہے

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ ۚ فَانْظُرۡ

پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی جماعت کے پاس تو انہوں نے ظلم کیا پس دیکھ

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوۡسٰى يٰفِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۴﴾

کیسا تھا انجام فسادیوں کا؟ — اور فرمایا موسیٰ نے اے فرعون تحقیق میں رسول ہوں جہانوں کے پروردگار کی طرف سے

جن ارواح نے وہاں قبول کیا تھا وہ یہاں بھی قبول کرتے ہیں اور جنہوں نے وہاں انکار کیا تھا وہ یہاں بھی انکار کرتے ہیں۔

وَمَا وَجَدۡنَا :- ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے میثاق کے اقرار سے وفا نہیں کی جیسا کہ تفسیر صافی میں مروی ہے۔

حضرت موسیٰ کا ذکر

اِلٰى فِرۡعَوۡنَ :- تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ بقول وہب فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا اور حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں بھی یہی فرعون تختِ مصر پر قابض تھا۔ جس دن حضرت یوسفؑ مصر میں داخل ہوئے اس دن سے حضرت موسیٰؑ کے داخلۂ مصر کے دن تک چار سو سال کا فاصلہ تھا۔ تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت یوسفؑ کے بعد ۱۲ اسباط بھیجے اور ان کے بعد حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ تشریف لائے۔

تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے بچنے کیلئے اپنے حفاظتی سات مضبوط قلعے بنوائے تھے اور ان کے درمیان جنگلات اور بیشے بنوا دیئے تھے اور ان میں شیر چیتے وغیرہ چھوڑ دیئے اور ساتویں میں اپنا محل بنوایا۔ تاکہ ان چھ قلعوں اور بیشوں سے موسیٰؑ بچ کر ادھر نہ پہنچ سکے لیکن جب حضرت موسیٰؑ کو خدا نے بھیجا تو جس قلعہ کے دروازہ پر پہنچتے تھے۔ وہ خود بخود کھل جاتا تھا اور جب شیر چیتے آپ کو دیکھتے تھے۔ نہایت انکساری کے ساتھ آپ کے سامنے سر خم کر لیتے اور دُم ہلانے لگتے تھے اور بغیر تکلیف دیئے واپس پلٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ آخری قلعہ تک پہنچ گئے۔ جس میں فرعون کا شاہی محل و تخت تھا۔ پس آپ دروازہ پر بیٹھ گئے۔ ایک اونی قمیض زیب تن تھی اور عصا ہاتھ میں تھا۔ حضرت موسیٰ نے

حَقِيقٌ عَلَىٰٓ أَن لَّآ أَقُولَ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ

سزاوار ہے کہ نہ کہوں اللہ پر کوئی بات مگر سچ تحقیق میں آیا ہوں ساتھ دلیل واضح کے تمہارے رب سے پس

مَعِىَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِـَٔايَةٍ فَأْتِ بِهَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿۱۰۶﴾

بھیج میرے ساتھ بنی اسرائیل کو کہا اس نے اگر تو لایا ہے کوئی نشانی تو لا وہ اگر تو سچا ہے

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾ وَنَزَعَ يَدَهُۥ فَإِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنَّٰظِرِينَ ﴿۱۰۸﴾

پس انہوں نے ڈالا اپنا عصا تو وہ اژدہا تھا ظاہر اور نکالا اپنا ہاتھ تو وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے

دربان سے اندر داخل ہونے کیلئے اذن طلب کرنے کو کہا تو دربان نے توجہ تک نہ کی۔ آپ بڑی دیر تک دربان کو کہتے رہے لیکن وہ ایک نہ سنتا تھا۔ جب آپ نے بہت اصرار کیا اور اپنی رسالت کا اظہار فرمایا تو دربان نے جواب دیا کہ خدا کو تیرے علاوہ کوئی آدمی دوسرا نہیں ملتا تھا جس کو عہدۂ رسالت عطا فرماتا؟ یہ بات سن کر حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا اور دروازہ پر عصا زور سے مارا جس کی دھمک سے موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان جس قدر دروازے باقی تھے سب کے سب کھل گئے۔ اور حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے تھے۔ فرعون نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ ان کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اندر تشریف لے گئے۔ فرعون ایک نہایت بلند گنبد نما چبوترے میں جس کی اونچائی اسی۸۰ ذراع لکھی ہے، بیٹھا تھا حضرت موسیٰؑ نے جاتے ہی فرمایا۔ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ۔ میں جہانوں کے پروردگار کی جانب سے رسول ہو کر آیا ہوں تو فرعون نے جواب میں کہا۔ فَاْتِ بِاٰيَةٍ إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ۔ آپ کوئی نشانی پیش کریں اگر آپ سچ کہتے ہیں۔ پس آپ نے عصا کو زمین پر پھینکا جس کی ایک طرف دو شاخیں تھیں۔ وہ اژدہا بن گیا۔ اس کی ایک شاخ زمین پر تھی اور دوسری فرعونی چبوترے کے بالائی حصہ تک جا پہنچی اور یہ گویا اس اژدھا کا منہ تھا۔ فرعون نے اژدہا کے منہ کے اندر جو نگاہ کی تو اس کو جلتی بھڑکتی ہوئی آگ نظر آئی۔ اژدھا نے فرعون کا ارادہ کیا اور آگے بڑھا تو ڈر کے مارے فرعون کا پاخانہ نکل گیا اور حضرت موسیٰؑ کو دہائی دی اور جان بچائی۔

عصائے موسیٰؑ

مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق یہ عصا حضرت موسیٰؑ کو مدین کی طرف آتے ہوئے راستہ میں ایک بادشاہ نے پیش کیا تھا اور دوسری روایت کے ماتحت یہ عصا جنّت کے درخت سے تھا جو حضرت آدمؑ اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت آدمؑ کی اولاد میں پشت بہ پشت منتقل ہوتا ہوا حضرت شعیبؑ تک پہنچا اور حضرت شعیبؑ کے پاس اپنے بزرگوں کی وراثت سے اس کے علاوہ چالیس عصا اور بھی تھے جب حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کو ۸ برس کیلئے اپنا اجیر بنایا تو حکم دیا کہ کمرہ سے عصا اٹھائے چنانچہ حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ اسی عصا پر پڑا۔ حضرت شعیبؑ نے عصا

ان سے لیا اور واپس رکھ دیا۔ پھر حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ عصا لے آؤ۔ دوبارہ بھی حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں وہی عصا آگیا اور پھر حضرت شعیبؑ نے اُسے واپس کرایا تو آخر کار چوتھی دفعہ انہوں نے پھر حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں رہنے دیا اور واپس نہ کیا جب حضرت شعیبؑ کے پاس اجارے کی مدت ختم ہوگئی اور واپس مصر کی طرف رُخ کیا تو راستہ میں آگ دیکھی۔ وہاں پہنچے تو ارشاد پروردگار ہوا میں تیرا رب ہوں۔ پھر اس عصا کے زمین پر ڈالنے کا حکم ہُوا۔ چنانچہ وہ زمین پر پہنچتے ہی اژدھا بن گیا۔ تو حضرت موسیٰؑ اسے دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پس ندائے پروردگار پہنچی کہ اس کو بغیر خوف وہراس کے پکڑ لو تو حضرت موسیٰؑ نے اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہاتھ ڈالا تو وہ ویسے کا ویسا عصا بن گیا۔ جب آپ فرعون کے پاس آئے تو وہی عصا پھینکا جو اژدھا بن گیا اور بروایت ابن عباس اس نے منہ کھولا تو نیچے کا جبڑا زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا فرعون کے چبوترے کے اُوپر پہنچ گیا۔ گویا اس نے اس کو مُنہ میں ڈال لیا۔ فرعون تخت سے اتر کر بھاگا اور اس کا پاخانہ بھی نکل گیا۔ دوسرے لوگ حاشیہ نشین سب حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اس کو پکڑ لیجئے تو ایمان لاؤں گا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اس کو پکڑا تو وہ عصا بن گیا لیکن فرعون ایمان نہ لایا۔

سوال :۔ اس مقام پر ارشاد ہے کہ وہ عصا اژدھا بن گیا کیونکہ ثعبان کا معنی ہے اژدھا اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ۔ یعنی کہ جب اس کو دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے سانپوں کی طرح حرکت کر رہا ہے۔ جَآنٌّ۔ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات میں تفاوت یا تضاد نہیں ہے تو اس مقام پر تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب :۔ (۱) ممکن ہے دو دفعہ مختلف صورتیں پیش آئی ہوں۔ ایک مرتبہ اژدھا بنا ہو اور دوسری مرتبہ معمولی سانپ بنا ہو۔

(۲) دوسری آیت میں جسامت کی تشبیہ نہیں کہ وہ مثل سانپ کے جسم کا تھا بلکہ اس میں اژدھا کی حرکت کی تشبیہ ہے کہ وہ اژدھا چھوٹے سانپوں کی طرح حرکت کرتا تھا۔ گویا یہ معجزہ در معجزہ ہے کیونکہ بڑے بڑے اژدہا عموماً ساکن رہتے ہیں اور حرکت کی صورت میں نہایت معمولی سی حرکت کرتے ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں ہُوا۔ بلکہ اتنے لمبے چوڑے جسم کے باوجود وہ اژدھا چھوٹے سانپوں کی طرح نہایت پھُرتی سے حرکت کرتا تھا اور یہی جواب زیادہ موزوں اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال :۔ حضرت موسیٰؑ نبی و رسولؑ تھے بلکہ اولوالعزم پیغمبر تھے تو اس قدر بلند مرتبہ نبی ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ کے عصا سے یا یوں سمجھئے کہ اپنے معجزہ سے کیوں ڈر گئے۔ صرف خوف قلبی بھی نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ خود بھی دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور خداوند کریم نے تسلی کے لئے فرمایا کہ ڈرو نہیں یہ تمہارا وہی عصا ہے۔ ہم اس کو پہلی شکل کی طرف منتقل کر دیں گے لیکن باوجود اس یقین دہانی کے بھی حضرت موسیٰؑ کے دل سے سانپ یا اژدہا کا خوف نہ گیا اور بمطابق حکم ڈرتے ڈرتے اس کو ہاتھ لگایا چنانچہ وہ عصا بن گیا۔ پس اتنا خوف وہراس اپنے ہاتھ کے عصا سے موسیٰؑ جیسے اُولوالعزم

پیغمبر کو زیب نہیں دیتا۔

جواب ۱۔ یہ ضروری نہیں کہ خداوندکریم اپنے اولیاء وانبیاء کو معجزات وکرامات کی حقیقت سے بھی روشناس کرائے۔ تو ممکن ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے اس حقیقت کو پہلے پوشیدہ رکھا گیا ہو کہ آپ کے ہاتھ لگانے سے وہ دوبارہ عصا ہی بن جائے گا چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے خوف کھانے کے بعد قدرت کی طرف سے یقین دہانی انہی الفاظ میں ہوئی کہ ہم اس کو پہلی شکل پر پلٹا دیں گے۔ آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں۔

(۲) خداوندکریم نے حضرت موسیٰؑ کے دل میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔ کیونکہ اگر حضرت موسیٰؑ نہ خوف کرتے تو معجزہ کا فائدہ کوئی نہ ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں ظاہر بین نگاہیں معجزہ اور جادو کے درمیان فرق نہ کر سکتیں اور بات اظہر من الشمس ہے کہ جادوگر جب جادو کرتے ہیں تو وہ چیز دیکھنے والوں کی نظروں میں اگرچہ اور کی اور بن کر پیش ہوتی ہے لیکن خود جادوگر کی نگاہوں میں وہ چیز اپنی حقیقت پر باقی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خود اپنی جادو کردہ اشیاء سے مرعوب نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً اس زمانہ کے جادوگر رسیوں کو سانپ بنا لیا کرتے تھے تو دیکھنے والوں کی نظروں میں اگرچہ چلتے پھرتے سانپ تھے لیکن جادوگروں کی نگاہوں میں وہ رسیاں ہی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ خود ان سے مرعوب نہ تھے پس اگر حضرت موسیٰؑ اژدہا سے خوف نہ کھاتے تو وہ جادوگر یہ خیال کرتے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا بھی جادو کے ماتحت سانپ ہوا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بڑا ہے اور ہمارے رسیوں کے سانپ چھوٹے ہیں ورنہ جادو ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر جادو نہ ہوتا بلکہ حقیقت ہوتی تو حضرت موسیٰؑ خود کیوں خوفزدہ ہوتے۔ یہی تو وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب ڈرے اور وحی خدائی کے پیش نظر دوبارہ اس کو پکڑا تو جادوگر حقیقت پر پہنچ گئے اور فوراً ایمان لے آئے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر جادو ہوتا تو حضرت موسیٰؑ خوفزدہ نہ ہوتے۔ پس اپنے پھینکے ہوئے عصا کے اژدھا سے موسیٰؑ کا ڈرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اژدہا جادو کا نہیں تھا بلکہ امر پروردگار تھا جو بصورتِ اعجاز ظہور پذیر ہوا۔ پھر اس کا ان کے سانپوں کو ہڑپ کر جانا تائید مزید تھی جو جادوگروں کے جادہ حق پر گامزن ہونے کا سبب بنی۔

۲۔ فرعون لوگوں سے چھپ کر پاخانہ کو جاتا تھا اور ایسے وقت میں جاتا تھا کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے پس لوگوں کو دھوکا میں ڈالنے کے لئے اپنی خدائی کے لئے یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ دیکھو اگر میں خدا نہ ہوتا تو مجھے بھی لوازم بشریہ سے دوچار ہونا پڑتا حالانکہ میں ایسے لوازم سے پاک صاف ہوں اور سادہ لوح انسانوں کو دھوکا دینے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ اب جو اژدہا نے بڑھ کر اپنا لمبا چوڑا منہ کھولا اور فرعون کے محل کو اپنے جبڑوں میں لے لیا تو فرعون کا پاخانہ نکل گیا۔ پس عوام الناس پر فرعون کی مکاری کا راز فاش ہوا اور ان کو یقین ہوا کہ یہ صرف ہمیں دھوکا دیا گیا تھا۔ ورنہ ہے تو وہ بھی ہم جیسا انسان اور لوازم بشریہ کا اس سے بھی تعلق ہے۔ چنانچہ موذی جانوروں سے بھی ڈرتا ہے اور پاخانہ جیسی ضروریات سے بھی پاک نہیں۔ لہذا یہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اب اس مقام پر اگر حضرت موسیٰؑ کے دل میں خوف وہراس پیدا نہ ہوتا اور اپنے مقام پر ثابت قدم

رہتے تو وہ سادہ لوح انسان جو اس سے پہلے فرعون کی خدائی کو تسلیم کر رہے تھے ۔ حضرت موسیٰؑ کو خدا کہہ بیٹھتے کہ یہ انسان جو عصا کو سانپ بناتا ہے اور غیر ذی رُوح کو حیات بخش سکتا ہے ۔ پس باقی کائنات کا خالق بھی یہی ہے ۔ بنا بریں خداوندکریم نے حضرت موسیٰؑ کے دل میں خوف ڈال دیا تاکہ لوگ فرعون کے مغالطہ کو سمجھ لیں اور موسیٰؑ کے متعلق بھی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں ۔ بلکہ حقیقی خالق کو پہچانیں اور حضرت موسیٰؑ کو اس کا نمائندہ تسلیم کر لیں چنانچہ ایسا کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ جادوگر سب کے سب مسلمان ہو گئے ۔

عصا کی فضیلت

مجمع البیان میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام لازمی طور پر اپنے ہاتھ میں عصا رکھتے تھے کیونکہ اس میں تکبّر سے بچاؤ ہوتا ہے یعنی ہاتھ میں عصا رکھنا فروتنی وانکساری کی علامت ہے ۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ہنٹر تازیانہ اور ہاکی وغیرہ کا پاس رکھنا چونکہ تکبّر مزاجی اور اوباشی کی نشانی ہے لہذا شعارِ انبیاء کے خلاف ہے ۔ اور ناپسندیدہ خُدا ہے ۔ لہذا اگر اس کی حرمت پر نص نہ ہو تو بھی مکروہ ہونا یقینی ہے ۔

نیز جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا عصا ہاتھ میں رکھا کرو کیونکہ اس کا پاس رکھنا میرے مرسل بھائیوں کی سنتوں میں سے ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خُدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ۔ جو شخص سفر میں جائے اور تلخ بادام کا عصا اس کے پاس ہو اور یہ آیت مجیدہ تلاوت کرے وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ سے لے کر وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ تک تو خداوندکریم اس کو ہر پھاڑنے والے جانور ہر ظالم چور اور ہر ڈسنے والی چیز سے محفوظ رکھے گا ۔ یہاں تک کہ بخیر و عافیت اپنے گھر اور بال بچوں تک پہنچ جائے گا اور خداوندکریم اس کے لئے ستر فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کی واپسی تک اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خطبہ کے وقت پہلا عرب شخص جس نے عصا ہاتھ میں لیا ۔ وہ قس بن ساعدہ تھا (مجمع البیان) اور عام حالات میں عموماً اور سفر میں خصوصاً عصا کا ہاتھ میں رکھنا بالخصوص تلخ بادام کے عصا کا رکھنا مستحب ہے اور بوقتِ خطبہ عیدین یا خطبۂ جمعہ بھی ہاتھ میں عصا کا رکھنا اور اس پر اعتماد کرنا مستحب ہے ۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس وقت وہ عصا ہمارے پاس موجود ہے اور وہ پہلے دن کی طرح سرسبز ہے جیسا کہ تازہ درخت سے کاٹا گیا ہو ۔ جب اس کو بلوایا جائے تو وہ بولتا ہے اور حضرت قائمؑ کے پاس محفوظ ہے اور وہ اس سے وہی کام لیں گے جو حضرت موسیٰ کیا کرتے تھے ۔ الخ (برہان)

تنبیہ

جو لوگ معجزہ کا انکار کرتے ہیں ۔ وہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر خارقِ عادت بغیر مادۂ مناسبہ کے کسی وقت منصۂ شہود میں آجائے تو علم ضروری باطل ہو جائے گا اور کسی شے کے متعلق اعتماد نہ رہے گا کیونکہ اگر لکڑی سے سانپ پیدا ہو جائے یا پتھر سے اونٹنی نکل آئے تو پھر جائز ہے کہ انسان بھی اسی طرح یک لخت پیدا ہوا ہو اور آدم و حوّا کے تسلیم کرنے کی پھر کیا ضرورت ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوندکریم نے مخلوقات کی ترقی کی رفتار ایک خاص اہتمام کے ماتحت رکھی ہے اور اس کی ترتیب کی تدریجی منازل معین و مقرر کی ہیں اور کوئی چیز بھی اس عادی رفتار سے مقدم یا مؤخر نہیں ہو سکتی لیکن خداوندکریم اپنی حقانیت یا اپنے نبی و ولی کی صداقت کی خاطر دفعتہً ایک ایسی چیز کو ظاہر کرنے پر قادر ہے ۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

کہا سرداروں نے قوم فرعون سے تحقیق یہ البتہ ماہر جادوگر ہے

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہاری زمین سے پس کیا رائے دیتے ہو

اور کرتا بھی ہے جو ظاہراً اپنے موزوں مواد کی بھی مرہون منت نہیں ہوا کرتی اور اسی کا نام تو ہے معجزہ اور بغیر کسی اہم ضرورت کے خدا بھی عمومی نظام کے خلاف نہیں کرتا تاکہ علوم ضروریہ کے بطلان کا باعث نہ ہو اور معجزہ کی مزید وضاحت مقدمہ تفسیر میں ہے

رکوع نمبر ۴

قَالَ الْمَلَاُ :- جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے سامنے عصا ڈال کر اژدھا کا معجزہ دکھایا اور ید بیضا کی تجلی سے اس کی آنکھوں کو چکا چوند کیا تو قوم فرعون کے سردار لوگ آپس میں کہنے لگے تو جادوگر ہے اور یہاں تسلط حاصل کر کے ہمیں نکالنا چاہتا ہے۔ پس آپس میں مشورہ کر کے فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ سردست اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھہرالو تاکہ شہروں سے دوسرے جادوگر جمع کئے جائیں، پھر حق و باطل کا پتہ چلے گا۔

قَالُوْا اَرْجِهْ :- اس میں چار قرائتیں ہیں :- ۱- اَرْجِئْهُ ۲- اَرْجِهِ ۳- اَرْجِهِ ۴- اَرْجِهْ اور آخری قرأت عاصم اور حمزہ کی ہے اور ہمارے ہاں کے موجودہ قرآنوں میں یہی قرأت مروج ہے۔ اِرْجَاء سے امر کا صیغہ اَرْجِئْ آتا ہے اس کا معنی ہے تاخیر میں ڈالنا اور اَرْجِئْ کے بعد ھا ضمیر کی ہے اور اصل قیاس اَرْجِئْهُ ہونا چاہیے لیکن موجودہ قرأت اَرْجِهْ میں ہمزہ کو بلاوجہ حذف کیا گیا ہے اور ھا ضمیر کو ساکن کیا گیا ہے۔ اس کے قیاسی طور پر جواز میں نحوی متردد ہیں لیکن اس مقام پر سماع کی بناء پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

وَجَاءَ السَّحَرَةُ :- عبارت میں حذف زیادہ ہے لیکن مطلب واضح ہے یعنی جادوگروں نے آکر پہلے جادو کیا اور رسیوں کے سانپ بنا کر دکھائے تو ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈالو چنانچہ عصا سے اژدہا بنا جو ان سانپوں کو کھا گیا۔

نکتہ جادوگروں کی رسیاں حقیقت میں سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ وہ ویسے کی ویسی رسیاں تھیں اور انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کا اثر ڈال کر انہیں ایسا دکھایا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سانپ ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کا عصا زمین پر ڈالنے کے بعد حقیقتاً سانپ یا اژدھا بن جاتا تھا۔ جس طرح خود فرمایا۔ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ کہ وہ سچ مچ اژدھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جادو کے سانپوں کو ایک نوالہ کر کے ہضم کر گیا اور دوبارہ عصا ہونے کے بعد ان کو نہ اگلا۔ پس جادوگر مان گئے کہ یہ خدائی قوت کا ہی کرشمہ ہے لہذا موسیٰؑ پیغمبر برحق ہیں اور لطف بالائے لطف یہ کہ اس قدر رسیوں کو

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ

کہنے لگے ٹال دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں اپنے کارندے جو ڈھونڈ لائیں تمام ماہر جادوگروں

عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

کو اور آگئے جادوگر فرعون کے پاس کہنے لگے تحقیق ہمارا انعام ہوگا اگر ہم

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ

غالب ہوئے کہا (فرعون نے) ہاں اور تحقیق تم لوگ البتہ مقرب ہو جاؤ گے کہنے لگے اے موسیٰ یا آپ ڈالیں

اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا

اور یا ہم ڈالتے ہیں فرمایا تم ڈالو۔ پس جب انہوں نے ڈالا تو

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ

جادو کر لیا لوگوں کی آنکھوں پر اور مرعوب کر لیا ان کو اور لائے جادو زبردست اور ہم

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ

نے وحی کی طرف موسیٰ کے کہ ڈالو اپنا عصا، چنانچہ وہ کھا گیا اس کو جو فریب کیا تھا (انہوں نے) پس

الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ثابت ہوا حق اور غلط ہوا وہ جو کر رہے تھے پس وہ ہار گئے وہاں اور ہوئے ذلیل

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور گرائے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے کہنے لگے ہم ایمان لائے جہان کے پروردگار پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا

نگل جانے کے بعد عصا کی مقدار میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہ ہوا اور یہ چیز ان کے لئے مزید تسکین کا باعث ہوئی۔ پس وہ مسلمان ہو گئے۔

لَاُقَطِّعَنَّ ص۲۷:- یعنی جانب مخالف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹوں گا۔ یعنی دایاں ہاتھ بائیں پاؤں کے ساتھ یا بایاں ہاتھ دائیں پاؤں کے ساتھ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور فرعون پہلا شخص ہے۔ جس نے ہاتھ پیر کاٹنے اور سولی پر لٹکانے کی سزا

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي

کہا فرعون نے تم اس پر ایمان لائے میری اجازت سے پہلے تحقیق یہ چال چلی ہے تم لوگوں نے شہر میں تاکہ نکالو اس سے

الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

اس کے اہل کو تو عنقریب جانو گے (بدلہ اس کا) ضرور میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹی جانب

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ

سے پھر تم کو سولی پر لٹکاؤں گا سب کو کہنے لگے تحقیق ہم طرف اپنے رب کے پلٹنے والے ہیں اور تو صرف اس لئے

مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

ناراض ہے ہم پر کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی نشانیوں پر جب ہم پر واضح ہوئیں۔ اے ہمارا رب نازل کر ہم پر صبر کو اور ہمیں موت دے اسلام کی

ایجاد کی اور مومن جادوگروں کو کھجور کے درختوں پر سولی دی گئی جو دریائے نیل کے کنارے پر تھے۔

فرعون نے ہزار ڈرایا دھمکایا لیکن انہوں نے کہا کہ تو صرف اس لئے ہم کو سزا دے رہا ہے کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں ہمیں موت آئے تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے اور اس سلسلہ میں ہم ہر قسم کا ظلم برداشت کرنے کے لئے حاضر ہیں پھر خدا سے ثابت قدمی اور صبر کی دعا مانگی اور عجیب ہی نیک نصیب تھے کہ دن کے اوّل میں کافر تھے اور دن کے آخری حصہ میں دین خدا پر جان دے کر شہادت کے درجہ پر فائز ہو کر راہی جنت ہوئے۔

تنبیہ ہر نبی کا معجزہ اس زمانہ کے کمال کے پیش نظر ہوتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ کا معجزہ ان کے اس کمال کو زیر کرنے کے لئے تھا اور مقدمہ تفسیر میں ہم نے اس امر کی خوب وضاحت کی ہے چنانچہ جب حضرت صاحب الامر قائم آل محمد علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کا معجزہ دور حاضر کے سائنس کے کمالات سے مافوق ہوگا۔ موجودہ کمال یہ ہے کہ مشینری کے ذریعہ سے ایک جگہ کی آواز پورے روئے زمین کے باشندے سُن سکتے ہیں۔ وہ بغیر مشینری کے اپنی آواز روئے زمین کے بسنے والوں کے کانوں تک پہنچائیں گے۔ حتیٰ کہ ہر ایک شخص اسے اپنی زبان میں سمجھ سکے گا۔ نیز اب ہوائی سروس اور تیز رو گاڑیوں کے ذریعے دور دراز کے سفر طے ہوتے ہیں اور ان کے دور میں ان چیزوں کے بغیر طولانی سفر معمولی وقت میں طے ہوں گے۔ گویا اس دور کی سائنسی ترقیاں جس منزل پر جا کر رُکیں گی۔ امام عالی مقام کا قدم اس سے آگے ہوگا۔ حتیٰ کہ اس دور کے سائنسدان ان کے کمال کے سامنے جھک جائیں گے اور آپ کے معجز نما اور ہادی من اللہ ہونے کا اقرار کریں گے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

اور کہا سرداروں نے قوم فرعون سے کیا تو چھوڑتا ہے موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد کرتے پھریں زمین میں

وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور تجھے اور تیرے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ کہا اس نے ہم قتل کریں گے۔ ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے ان کی لڑکیوں کو اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم سے کہ مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو تحقیق زمین اللہ کی ہے اس کا وارث بناتا ہے جسے چاہے اپنے

عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا

بندوں سے اور انجام خیر متقیوں کے لئے ہے کہنے لگے ہمیں ستایا گیا قبل آپ کی تشریف آوری کے اور بعد آپ کے آنے کے بھی

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

فرمایا عنقریب تمہارا رب ہلاک کرے گا تمہارے دشمن کو اور تمہیں خلیفہ بنائے گا زمین کا۔ پس دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو

رکوع نمبر ۵

وَقَالَ الْمَلَاُ :۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بنی اسرائیل کے چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے اور جادوگروں کو سزا مل گئی۔ لیکن قوم فرعون کے سرداروں نے یہ سوال اٹھایا کہ موسیٰ کی قوم کو اگر چھوڑ دیا گیا تو یہ لوگ اور فساد برپا کریں گے۔ لہٰذا انہیں بھی سزا دینی چاہیئے۔

وَاٰلِهَتَكَ :۔ اس میں کئی اقوال ہیں :۔ ا۔ فرعون خود بت پرستی کرتا تھا اور باقی لوگ اس کی پوجا کرتے تھے اور اگر وہ بت پرستی کرتے تو صرف ان کی خوشنودی کے لئے۔ ۲۔ خود بھی گائے پرست تھا اور لوگوں کو بھی گائے پرستی کی دعوت دیتا تھا یہی تو وجہ تھی کہ سامری نے بنی اسرائیل کو بھی گوسالہ پرستی میں مبتلا کر ڈالا ۳۔ لوگ بت پرستی کرتے تھے۔ فرعون کی خوشنودی کے لئے لیکن وہ خود کسی کی پوجا نہ کرتا تھا۔

سَنُقَتِّلُ :۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰؑ کے معجزات دیکھے تو اس کو حضرت موسیٰؑ کے قتل پر جرأت نہ ہو سکی۔ اور مرعوب ہو گیا۔ اس لئے اکابر قوم کی سفارش پر بھی اس نے یہ نہیں کہا کہ میں موسیٰ کو قتل کروں گا۔ بلکہ کہا موسیٰؑ کی قوم کے بچے قتل کروں گا کیونکہ ہم ان پر غالب ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ہم نے پکڑا فرعونیوں کو ساتھ قحط سالیوں کے اور پھلوں کی کمی کے تاکہ نصیحت پکڑیں

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا

پس جب آئی ان پر خوش حالی تو کہا یہ ہمارا حق ہے اور اگر پہنچتی ان کو کوئی سختی تو بدفالی حاصل کرتے تھے ساتھ

بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کے آگاہ ہو بے شک انکی فال اللہ کے پاس ہے لیکن وہ اکثر نہیں جانتے

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور کہنے لگے جب بھی تو لائے ہمارے پاس کوئی نشانی تاکہ تو ہمیں مسحور کرے تو ہم تیری بات ماننے والے نہیں

تذکرہ

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اقتدار کا نشہ تمام نشوں سے بدترین ہوا کرتا ہے۔ فرعون ایک انسان نما درندہ تھا۔ جس نے نسلِ انسانی کو بلا دریغ تہ تیغ کیا۔ لیکن جس طرح رفتارِ زمانہ کے لحاظ سے انسان نے مادی ترقی میں سائنس کے ذریعہ سے انتہائی کمال حاصل کر لیا ہے۔ اسی طرح فرعونیت نے بھی اقتدار کے لباس میں بہت کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ پس آج کے فرعونوں کو بچوں کے قتل کرانے کی یا حاملہ عورتوں کے شکم چاک کرانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسی دوائیاں اور ایسے ٹیکے ایجاد کر دیئے گئے جو سلسلۂ تولید کو سرے سے ختم کر دیتے ہیں۔

رکوع نمبر ۶

آل کی تحقیق

آل کی تعریف۔ اٰلُ الرَّجُلِ خَاصَّتُهُ الَّذِيْنَ يَؤُوْلُ اَمْرُهٗ اِلَيْهِمْ وَاَمْرُهُمْ اِلَيْهِ۔ آلِ انسان کے ان خاص متعلقین کو کہا جاتا ہے۔ جن پر اس کو اعتماد کلی ہو کہ اس کے ہر پیچیدہ امر کا حل ان کے ذریعے سے ہو اور وہ بھی اس پر اعتماد کلی رکھتے ہوں کہ اپنے ہر مسئلہ پیچیدہ کو اس کے بغیر حل نہ کر سکتے ہوں۔ فرعون چونکہ اقتدارِ دنیاوی کا مالک تھا اس لئے اس کی آل میں ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو دنیاوی اقتدار کی بحالی میں فرعون کا معتمد ہو اور اپنی دنیاوی ضرورت کی تکمیل کے لئے فرعون پر اعتماد رکھتا ہو۔ اسی طرح گھریلو معاملات کے نبیڑنے کیلئے انسان کی آل میں وہ افراد داخل ہوں گے جو گھریلو معاملات کے سلجھاؤ میں اس کا محلِ اعتماد ہوں اور یہ ان کا معتمد ہو۔ پس بیوی بچے، بھائی بھتیجے وغیرہ اس دائرہ میں داخل ہوں گے۔

آل اور اہل۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے کیونکہ ماہرینِ فن کا کہنا ہے کہ آل بھی اصل میں اہل تھا اور ہاء کو الف سے تبدیل

کرنے کے بعد آل ہوگیا۔ اگرچہ ان کا یہ قول صرف ایک خیالی منصوبہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے مقابلہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اہل کو آل سے لیا گیا ہو اور اس کے شواہد بھی کلام عرب سے کافی مل سکتے ہیں۔ جیسے مہما کی اصل کہتے ہیں۔ ماما۔ پہلے ما کے الف کو ھا سے تبدیل کیا گیا اور یہ ما حرفِ شرط تھا۔ اس کے بعد دوسرا ما بڑھایا گیا۔ جس طرح دوسرے حروف کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے۔ بہرکیف استعمال کے لحاظ سے اب ان میں نمایاں فرق یہ ہے کہ آل کا استعمال صرف اشراف کیلئے مخصوص ہے خواہ شرف دنیاوی کا مالک ہو جیسے آلِ فرعون اور خواہ شرفِ دینی و دنیاوی دونوں کا یا صرف شرفِ دینی کا مالک ہو جیسے آلِ محمدؐ اور اس کے مقابلہ میں اہل کا لفظ کسی طبقہ سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ شرفاء و غیر شرفاء سب کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوا کرتا ہے۔ اہلِ بیت محمدؐ بھی کہہ سکتے ہیں اور اہلِ حجام بھی کہنا جائز ہے لیکن چونکہ آل اور اہل کا مفہوم ایک ہے اس لئے اہل کا استعمال اگرچہ شرفاء و غیر شرفاء سب کے لئے عام ہے لیکن مفہوم میں عموم نہیں آئے گا بلکہ مفہوم وہی رہے گا جو آل کا ہے۔ یعنی وہ لوگ جن پر اس کو اعتمادِ کلّی ہو اور جنہیں اس پر اعتمادِ کلّی ہو۔ بنابریں آلِ محمدؐ اور اہلِ بیتِ محمد میں کوئی فرق نہیں جو لوگ آلِ محمدؐ ہیں۔ وہی اہلِ بیت محمدؐ ہیں۔

پس آل یا اہل کی تشخیص میں حضرت محمد مصطفےٰؐ کی پوزیشن کا جائزہ لینا ہوگا اور جو پوزیشن حضور رسالتمآبؐ کے لئے متعین ہوگی۔ اسی پوزیشن کے لحاظ سے معتمدین کی تلاش کی جائے گی۔ اب اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ کی حیثیت صرف عام گھریلو معاملات کے سلجھانے تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ عالمی رسول اور کلّی نبوت کے حامل ہونے کی حیثیت سے اولین و آخرین کے سرتاج روحانی تھے اور ظاہری اقتدار کے اعتبار سے وہ شہنشاہِ جن و انس تھے۔ بزمِ قدس کی رونق آپ کی مرہونِ منت۔ بزمِ لاہوت کا زیب آپ کے قدم کا صدقہ۔ مجلسِ انبیاء کی صدارت آپ کے قدموں پر نثار محفلِ ملائکہ کی سیادت آپ کے نوری جلوہ کی مرہون، بالاختصار کون و مکان میں عرشی و فرشی ذی روح اور غیر ذی روح سب کی سب مخلوق کے لئے ظاہری و باطنی یعنی جسمانی و روحانی پیشوا کی حیثیت آپ کو حاصل تھی۔

بنابریں دنیاوی اقتدار کے پیشِ نظر ایسے لوگ قطعاً خصوصی اعتماد کے حامل نہیں ہوسکتے جو صرف ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر یا ظاہری اقتدار میں جذب ہو کر یا کسی طمع کی کشش میں آکر یا اپنے اور اپنے اقرباء کی تن بخشی کا بہانہ سمجھ کر یا اسی قسم کے اور اغراض کے ماتحت ہم آہنگ ہوگئے ہوں۔ کیونکہ صاحبِ غرض پر اعتماد صرف غرض تک ہی رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد ختم۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ آڑے وقتوں میں قطعاً جان کی بازی نہیں لگا سکتے بلکہ جان بچانے کی سوچتے ہیں اور غزواتِ نبویہ کی طولانی فہرست اربابِ تاریخ کی حق بین نگاہوں کے سامنے حقیقت کی ترجمانی کے لئے کافی و وافی ہے۔ احد کا میدان معتمد نبوی کا کردار بتائے گا اور احد کی پہاڑیاں اپنے کندھوں پر بلند کرکے ظاہری اقتدار یا لوٹ مار کے متوالوں کی نشاندہی کریں گی۔ خندق میں بَرَزَ الْاِیْمَانُ کا تمغہ اور ضَرْبَةُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کی سنہری سند معتمد نبوی کی نشاندہی کے لئے کافی ہیں اور کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِهِمُ الطَّیْرُ کا تاریخی جملہ اور بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ کا

قرآنی نفرہ طراع اور وقتی جی حضوری یاران مسلک کی سرد مہری کو بیان کرنے میں منصف طبائع اور نفوس سلیمہ کی تسلی و اطمینان کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح خیبر میں لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ یعنی کل میں علم فوج اس شخص جوانمرد کے حوالہ کروں گا جو کرار و غیر فرار ہوگا اور خدا و رسول کا محب و محبوب ہوگا۔ حضور کا فرمان حق ترجمانِ انتہائی صراحت وضاحت کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے کہ آڑے وقتوں میں جان کی بازی لگانے والا کون ہے اور اس سلسلہ میں خدا و رسول کا معتمد خصوصی اور محب و محبوب واقعی کون ہے؟ اور تجربہ نے ثابت کر دیا اور فرق نمایاں کر کے رکھ دیا کہ خیبر کے قلعہ کا آہنی دروازہ کس کے حق میں گواہ تھا اور دوڑتے ہوئے قدموں کی خاک سے اٹھے ہوئے ہمیرۂ علم کی گرد کس کی آنکھوں کا کاجل تھی۔ اس سلسلہ میں واقعات کے گنوانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دورِ رسالت کا ہر لمحہ و دقیقہ دورِ نبوی کی مخصوص شخصیتوں کو بیان کرنے میں غیر مبہم الفاظ کو متضمن ہے۔

اب اگر حضورؐ کے دینی اقتدار اور روحانی عہدہ کے لحاظ سے حضورؐ کے معتمدین معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو اس بارہ میں احادیث نبویہ تواتر سے منقول ہیں کہ اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔ اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ اور ان کے علاوہ بیسیوں حدیثیں جو اس بات کی متکفل ہیں کہ روحانی تمام کمالات میں حضرت علیؑ اس مرتبہ پر فائز تھے کہ حضور رسالتمآبؐ کو صرف علیؑ پر اعتماد ہی نہیں تھا۔ بلکہ ہر منزل و مقام پر صحابہ کے سامنے علیؑ کے کمالات کو واضح فرمانے میں خوشی محسوس فرماتے تھے چنانچہ واشگاف الفاظ میں بہانگ دہل فرما دیا تھا کہ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ نیز عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ۔ یعنی قرآن علیؑ کا اور علیؑ قرآن کا۔ نیز حق علیؑ کا اور علیؑ حق کا اور عمار سے فرمایا اگر ساری دنیا ایک وادی میں ہو اور علیؑ دوسری وادی میں تو تم علیؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا کیونکہ حق اسی طرف ہوگا جس طرف علیؑ ہوگا۔ حدیثِ ثقلین اس سلسلہ میں مشہور بین الفریقین ہے اور حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کتاب اللّٰه وعترتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا بعدی ان احادیث کے حوالہ جات مقدمہ تفسیر انوار النجف میں مذکور ہیں۔

اب اگر نقل کو دیکھا جائے تو آیتِ تطہیر کا شان نزول اور اصحابِ کسا کی تعیین کتب فریقین میں بہانگ دہل بتلاتی ہے کہ رسولؐ کے اہلبیتؑ کون ہیں۔ بہرکیف محمد مصطفیٰؐ کی رسالتی اور شاہی ہر دو پوزیشن کے لحاظ سے اگر عقل و نقل اور تاریخ و حدیث سے دیکھا جائے کہ حضورؐ کے معتمد خصوصی کون کون تھے؟ تو عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے۔ یہ بات کہ وہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ ہی تھے اور بس۔ مفصل بحث جلد ۱۱ میں صہ ۱۸۸ تا صہ ۱۹۹ ملاحظہ ہو۔

اور آیتِ تطہیر نے نہایت پیارے انداز میں رسولؐ پر واضح کر دیا کہ یہی وہ پاک و پاکیزہ افراد ہیں۔ جن پر آپ کو اعتماد کلی ہونا چاہیے اور یہی ہیں آپ کے اہل بیت اور تمام قرآن کی سیر کرنے والے اور لطائف و رموز قرآنیہ سے بہرہ در ہونے والے اس مطلب کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ پس آل محمدؐ کے دائرہ میں غیر کو داخل کرنے کے لئے آل فرعون کی مثال پیش کرنا یا حضرت ابراہیمؑ کے اہل بیتؑ کی نظیر لانا فضول ہے کیونکہ ہر شخص کی آل کا تعین اس کے عہدہ و پوزیشن کے ماتحت ہے اگر ایک

شخص کی آل یا اہل میں اس کی بیوی داخل ہے تو ضروری نہیں کہ دوسرے کی آل میں بھی وہ داخل ہو۔ اسی طرح ایک شخص اپنے بھائی بہنوں کو افرادِ خانہ قرار دیتا ہے لیکن دوسرا ایسا نہیں کرتا یا ایک شخص اپنے والدین کے بچوں کو بلکہ بعض بہن بھائی کی اولاد کو اہلِ خانہ قرار دیتا ہے لیکن دوسرا ایسا نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ آل یا اہل کے لفظ میں تعیین نہیں۔ پس ہر شخص کی آل کی تعیین اس کی پوزیشن کے ماتحت اس کے خصوصی اعتماد کے حاملین سے ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے خداوندِ کریم کا وعدہ تھا کہ میں عذاب بھیجوں گا اور تجھے اور تیری اہلبیت کو نجات دوں گا۔ چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کی اور اہلِ ایمان کو اس میں سوار کیا تو حضرت نوحؑ کا فرزند کنعان اس میں سوار نہ ہوا۔ پس طوفان آیا اور حضرت نوحؑ کا فرزند باپ کے اصرار کے باوجود کشتی سے کنارہ کش ہو کر آخرکار عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آگیا۔ اگر اہل سے مراد افرادِ خانہ ہوتے تو فرزندِ نوحؑ غرقاب نہ ہوتا نیز حضرت نوحؑ کی بیوی بھی اس عہدِ خداوندی سے مستثنیٰ قرار دی گئی۔

اب بیٹے کی محبت نے جو حضرت نوحؑ کے دل میں جوش مارا تو پانی کی موجوں میں ڈوبتے فرزند کو دیکھ کر شفقتِ پدرانہ کے ماتحت عرض گذار ہوئے۔ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ یعنی تحقیق میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ بھی سچا ہے کہ تیری اہل کو غرق نہ کروں گا۔ یہ یاد رہے کہ غیر وفادار بیوی کا اہل سے کٹ جانا تو چونکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس سے حضرت نوحؑ نے اپنی بیوی کا اہل ہونا نہ جتلایا لیکن کیا نافرمان اولاد بھی اہل سے کٹ جاتی ہے یا نہ؟ ظاہری اعتبار سے ایک مشتبہ امر تھا۔ جس کے متعلق حضرت نوحؑ کو کہنا پڑا کہ میرا بیٹا تو میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ ہے کہ تیری اہل کو نجات دوں گا تو اس کے جواب میں لسانِ قدرت گویا ہوئی کہ لَيْسَ مِنْ اَھْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔ یعنی وہ تیری اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔ دنیاوی معاملات میں جو بیٹا باپ کا نافرمان ہو وہ قطعاً باپ کی محبت کا محل نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کو باپ اپنے سامنے سے ہٹا دیا کرتا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص اعلانیہ کافر ہو تو کوئی مومن بھی اس کے ساتھ محبت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ نبی بھی ہو اور کافر سے محبت بھی رکھتا ہو پس حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کے حق میں سفارش کرنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ دنیاوی طور پر فرمانبردار بھی تھا اور ظاہری طور پر مومن بھی تھا اگرچہ اندرونی طور پر اس کی کافروں سے ساز باز تھی گویا منافق تھا پس حضرت نوحؑ کی اس کے ساتھ محبتِ پدری کا سلسلہ قائم تھا اور اسی بنا پر انہوں نے حتمی طور پر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ میرا بیٹا میری اہل سے ہے پس خداوندِ کریم نے فیصلہ فرما دیا کہ وہ تیری اہل سے نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری طور پر اہل ہونا اور بات ہے اور کسی نبی کا نبی ہونے کی حیثیت سے اس کی اہل بننا اور بات ہے کیونکہ ظاہری طور پر اہلِ خانہ میں ہر وہ شخص داخل ہے جو امورِ ظاہریہ دنیاویہ میں محلِ اعتماد ہو لیکن نبوتی حیثیت سے نبی کا اہل بیت وہ ہو گا جو نبیؑ کا اس خصوصی منصب کے لحاظ سے محلِ اعتماد یعنی نبی پر ایمان لانے والا ہو اور اس کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کرنے والا ہو اور کنعان میں یہ بات نہ تھی اور عذابِ خداوندی حضرت نوحؑ کی امورِ دنیاویہ میں مخالفت کرنے والوں کے لئے نہیں تھا تاکہ بیٹے کو اس کی زد سے بچایا جا سکتا بلکہ یہ عذاب تبلیغِ نبوت کو ٹھکرانے والوں کے لئے مخصوص تھا۔ لہٰذا نجات وہی پا سکتے تھے جو اس حیثیت سے حضرت

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ

پس بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور مکڑی اور جوئیں اور مینڈک اور خون نشانیاں الگ الگ

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ

پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے اور جب آیا ان پر عذاب تو کہنے لگے اے موسیٰ دُعا کر

لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ

ہمارے لئے اپنے رب سے بوجہ اس عہد کے کہ تیرے پاس ہے اگر دُور کرے گا تو ہم سے عذاب کو تو ہم ایمان لائیں گے

وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ

اور بھیج دیں گے تیرے ہمراہ بنی اسرائیل کو پس جب دُور کیا ہم نے ان سے عذاب ایک وقت تک کہ وہ

نوح کے اہل قرار پائیں اور عمل غیر صالح کی لفظ سے ذات پروردگار نے صاف فرمادیا کہ وہ اس حیثیت سے تمہارا اہل نہیں ہے لہٰذا اس کو عذاب سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پس یہ واقعہ تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ کسی نبی کا اہل تو وہی ہو سکتا ہے جو اس کے مشن میں محل اعتماد ہو اور حضرت رسالتمآبؐ جو سلطان الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ ان کے اہل بیتؑ میں وہی داخل ہوگا جو ان کے منصب خصوصی میں ان کا محل اعتماد ہو اور شریک کار ہو اور آیۂ تطہیر میں اہل بیت محمدؐ بھی وہی لوگ ہیں جو منصب سفارت ایزدی میں آپ کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ و ہم آواز بلکہ ہمدم و ہمنوا و ہمراز تھے اور شان نزول آیت تطہیر نے واضح کر دیا کہ وہ اصحاب کساء پنجتن پاک تھے۔ جس پر کتب فریقین شاہد ہیں۔

آل فرعون پر متعدد عذاب

الطُّوْفَانَ :- اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) پانی جو طغیانی کی شکل میں آکر تباہی کا باعث ہو (۲) اچانک موت (۳) طاعون (۴) چیچک (۵) امر خداوندی کہ طاف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جیسے ارشاد ہے۔ طَافَ عَلَيْهِمْ طَائِفٌ۔

قصہ جب جادوگروں کو سزا دی جا چکی تو ہامان نے فرعون کو مشورہ دیا کہ جو بھی موسیٰؑ کے دین میں جائے۔ اس کو قید کر لیا جائے چنانچہ حکم سرکاری صادر ہوا۔ پس بنی اسرائیل دھڑا دھڑ قید ہونے لگ گئے پس خدا نے اُن پر متعدد عذاب بھیجے۔

۱۔ سنین قحط سالی ۲۔ نقص ثمرات یعنی پیداوار میں کمی ۳۔ طوفان طغیانی کے قول کے ماتحت جب پانی آیا تو ان کے گھر خراب ہو گئے اور جنگلوں میں خیمہ زن ہو گئے اور یہ پانی صرف قبطیوں کے گھروں میں تھا اور ان کے لئے تباہی کا موجب تھا لیکن بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ تک نہ آیا۔ ان کی زمینیں برباد و بنجر ہو گئیں۔ تو حضرت موسیٰؑ سے دعا کی خواہش

بَالِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

پہنچے اسے تو اس کو توڑ دیا پس بدلہ لیا ہم نے ان سے کہ ان کو غرق کر دیا دریا میں کیوں کہ انہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ

ہماری نشانیوں کو اور تھے ان سے غافل اور ہم نے وارث کیا ان لوگوں کو جو کمزور تھے زمین کے

الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىٓ

طول و عرض کا جسے ہم نے بابرکت کیا تھا اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی خوب بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اسرائیل پر بوجہ ان کے صبر کے اور ہلاک کر دیا ہم نے جو بناتے تھے فرعون اور اس کی قوم اور وہ جسے بلند کرتے تھے

کی گئی۔ جب آپ کی دُعا سے طوفان کا عذاب ٹل گیا تو فرعون کو ہامان نے مشورہ دیا کہ اگر تو نے نے بنی اسرائیل کو آزاد کیا تو وہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مل کر تیری سلطنت کو تباہ کر دیں گے چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کو چھوڑنے سے انکار کر دیا پھر طغیانی کے بعد جو ان کے فصل اچھے ہوئے تو کہنے لگے یہ پانی تو ہمارے لئے باعث رحمت و نعمت تھا۔ ۴۔ تو خدا نے ان کی سرکشی کی بدولت اور دوسرے سال یا دوسرے مہینے بناء پر اختلاف روایت مکڑی بھیج دی جو ان کے جڑے ہوئے فصلوں کو کھا گئی حتیٰ کہ درختوں کے چھلکے گھروں کے دروازے کپڑے اور سامان تک کو صاف کر گئی اور یہ مکڑی بنی اسرائیل کے گھروں میں قطعاً داخل نہ ہوتی تھی۔ پس وہ لوگ گھبرا کر چیخ اُٹھے اور فرعون خود تلملا گیا اور حضرت موسیٰ سے التجا کی کہ اگر یہ عذاب ہم سے دفع ہو گیا تو ایمان بھی لاؤں گا اور بنی اسرائیل کو بھی اپنی قید سے آزاد کر کے تیرے ہمراہ روانہ کروں گا۔ چنانچہ خداوند کریم ان کے قول کی حکایت فرما رہا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام سے دعا مانگی تو ساتویں دن مکڑی دُور ہو گئی یعنی ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک رہی اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ باہر تشریف لے گئے اور اپنے عصا سے مشرق کی طرف اشارہ کیا تو مکڑی چلی گئی پھر ہامان نے فرعون کو بنی اسرائیل کی رہائی سے روکا تو پھر تیسرے سال یا تیسرے مہینے بنا بر اختلاف کے خدا نے قمل یعنی جوئیں بھیج دیں۔ بعض نے قمل کا معنی مچھر کیا ہے اور بعضوں نے بے پروں کے ٹڈی قمل کا معنی لکھا ہے بہر کیف یہ ان پر پانچواں عذاب تھا۔ کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر گئے اور ایک بستی جس کا نام عین الشمس تھا۔ اس میں گئے اور وہاں زمین پر عصا کو مارا کہ قمل یعنی مچھروں یا جوؤوں کا سیلاب نکل پڑا۔ پس وہ کپڑوں میں داخل ہوتے اور جب روٹی کھاتے تو اس میں داخل ہو جاتے اور زمین پر ان کا ایک فرش بچھا ہوا معلوم ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ قمل اس کیڑے کو کہتے ہیں جو گندم کے دانوں کو خراب کرتا ہے چنانچہ وہ لوگ جب گندم کی دس بوریاں پسانے کے لئے چکی پر لے جاتے تھے

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰٓ أَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوا

اور گذارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو آئے ایک قوم پر جو جھکتے تھے اوپر بتوں کے تو کہنے لگے اے

يَٰمُوسَى ٱجْعَل لَّنَآ إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ ءَالِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿١٣٨﴾ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ

موسیٰ مقرر کر ہمارے لئے بھی ایسے خدا جس طرح ان کے ہیں۔ فرمایا کہ تم لوگ جاہل ہو تحقیق یہ ہلاک ہونے

مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٩﴾ قَالَ أَغَيْرَ ٱللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ

والا ہے جس میں وہ ہیں اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں فرمایا کیا غیر خدا کو بناؤں تمہارا خدا حالانکہ اس نے تمہیں فضیلت

فَضَّلَكُمْ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَإِذْ أَنجَيْنَٰكُم مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ ۖ

دی جہانوں پر اور جب ہم نے تم کو بچالیا فرعونیوں سے کہ دیتے تھے تم کو سخت عذاب

يُقَتِّلُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٤١﴾

مارتے تھے تمہارے لڑکوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں خدا کی طرف سے تمہاری سخت آزمائش تھی

تو اس قدر کرم خوردہ ہوا کرتی تھی کہ تین بوریاں بھی واپس نہ آتی تھیں اور جسم پر اس کا یہ اثر تھا کہ ان کے بال، ابرو، پلکیں بلکہ چمڑا بھی انہوں نے نوچ لیا اور ان کا نیند و آرام تباہ ہوگیا۔ پھر وہ چیخے اور چلائے تو فرعون نے پھر حضرت موسیٰ سے التجا کی کہ آپ دعا مانگیں۔ اس دفعہ میں ضرور بنی اسرائیل کو چھوڑ دوں گا۔ یہ بھی ایک ہفتہ رہا سنیچر سے سنیچر تک اور حضرت موسیٰ کی دعا سے دور ہوگیا لیکن فرعون نے وعدہ پورا نہ کیا۔ پھر چھٹا عذاب اس کے چوتھے سال یا چوتھے مہینے مینڈک کا عذاب آگیا۔ کہ گھروں میں برتنوں میں روٹی، پانی میں کپڑوں اور دیگر سامان میں ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک تھے۔ دیگوں میں اچھل کر جا پڑتے آٹے میں رل جاتے بلکہ جب آدمی بیٹھتا تو اردگرد جمع ہو کر تھوڑی دیر تک انسان کو غرق کر دیتے تھے اور اچھل کر اس کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ نوالہ ڈالنے کے لئے منہ کھولتا تو نوالے سے پہلے مینڈک منہ میں پہنچ جاتا۔ جس کی وجہ سے وہ تھوک دیتا اور اس قدر تنگ آئے کہ حضرت موسیٰ سے التجا کی۔ حضورؑ یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم ضرور مسلمان ہوں گے اور توبہ کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی رہا کریں گے۔ یہ عذاب بھی سات دن سنیچر سے سنیچر تک رہا اور حضرت موسیٰ کی دعا سے دور ہوا لیکن انہوں نے پھر عہد شکنی کی تو خدا نے ان پر ساتواں عذاب خون کے رنگ میں بھیجا کہ دریائے نیل بھی ان کے لئے خون بن کر بہتا تھا۔ بنی اسرائیل کے لئے پانی تھا اور ان کے لئے خون تھا تو پھر قبطی یہ کرتے تھے کہ اسرائیلیوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے منہ میں پانی لے کر ہمارے منہ میں ڈالو لیکن اس سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ پانی اسرائیلی کے منہ سے نکل کر جب

قبطی کے منہ میں آتا تو خون ہو جاتا تھا۔ فرعون بھی پیاس سے تنگ ہوا تو اس نے درختوں کے پتے چوسنے شروع کر دیئے
لیکن جب یہ چباتا تھا تو ان پتوں کا پانی خون بن جاتا تھا۔ سات دن تک کھاتے پیتے رہے اور بعض کہتے ہیں کہ خون
کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ان کو نکسیر کا عذاب دیا گیا یعنی ان کے ناک سے خون جاری تھا۔ بہرکیف سات دنوں کے
بعد گھبرا کر حسب سابق موسیٰؑ سے التجا کی تو حضرت موسیٰؑ کی دعا سے عذاب دور ہو گیا لیکن انہوں نے پھر بھی وفا نہ کی۔
اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ لَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ- یعنی جب ہم عذاب کو اُن سے دُور کرتے تھے تو وہ اپنے عہد کو
توڑ ڈالتے تھے۔ صرف ایک طاعون کے عذاب سے فرعونیوں کے ستر ہزار آدمی لقمۂ اجل ہو گئے تھے اور ان پر آخری عذاب
آخر کار آہی گیا اور وہ یہ کہ ان کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا اور خدا نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی (مجمع البیان)

جَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ :۔ جب دریائے نیل سے بنی اسرائیل گذرے قبیلہ لخم کی قوم کو دیکھا جو گائے کی مورتی
کو پوج رہے تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے التجا کی کہ ہمیں ایسے خدا بنا دو۔

اس کا یہ مقصد نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی ساری قوم ایسی تھی۔ ہرگز مقصد یہ نہیں۔ بلکہ ہر امت میں لائق و نالائق ہوا کرتے
ہیں۔ یہاں بھی صرف ان ہی لوگوں نے کہا جو ظاہری مسلمان تھے اور واقعاً منافق تھے گویا یہ خواہش حضرت موسیٰؑ کے منافق صحابیوں
نے کی تھی جن کو موسیٰؑ نے ڈانٹ کر جاہل کے لقب سے یاد فرمایا اور حضرت رسالتمآبؐ کے صحابہ نے بھی شجرۂ ذات انواط
کو دیکھ کر یہی خواہش کی تھی جیسا کہ کتب صحاح گواہ ہیں۔

معجزاتِ رسالتمآبؐ

خداوند کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا کہ ہم نے تمہاری طرف اس طرح رسول بھیجا۔ جس طرح
فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ یعنی خدا نے حضورؐ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دی ہے اور حضورؐ نے متعدد مقامات پر حضرت علیؑ کو
ہارون سے تشبیہ دی اور نیز اپنی امت کو کئی دفعہ فرمایا کہ تم لوگ ہو بہو بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلو گے تو ان تصریحات
سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کی امت میں جو کچھ واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اُن
کی امت میں بھی رونما ہوئے ورنہ تشبیہ قرآنی اور فرمان مصطفوی کی صداقت پر حرف آئے گا۔ چنانچہ کتب تاریخ کی سیر سے
خوب انکشاف ہوتا ہے کہ واقعی تشبیہ قرآنی اور فرمان نبوی میں سر مو فرق نہیں آیا اور جو معجزات حضرت موسیٰؑ سے ظہور پذیر ہوئے
تھے وہ حضرت رسالتمآبؐ سے بھی ظاہر ہوئے۔

(۱) ایک مرتبہ یہودی لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے عصا اژدھا
بنتا تھا۔ تو آپ کون سا معجزہ لائے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ میں موسیٰؑ سے بھی بڑا معجزہ لایا ہوں وہ یہ کہ موسیٰؑ کے معجزے پر قبطی لوگ
اعتراض کر سکتے تھے کہ ممکن ہے اس میں موسیٰؑ نے کوئی جادو کا اثر بھرا ہو اور میں ایسی لکڑیوں کو سانپ بناؤں گا۔ جن کو
محمدؐ کا ہاتھ بھی مس بھی نہ کرے گا چنانچہ تم گھروں کو جاؤ گے اور رات کو جب تم اکٹھے ایک مخصوص مکان میں بیٹھے ہو گے تو اس

مکان کی چھت کی ہر لکڑی اژدھا بن جائے گی اور ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی تو تم میں سے چار آدمیوں کے پتے پھٹ جائیں گے اور وہ وہیں مر یں گے اور باقی دوسرے روز تک بے ہوش رہیں گے۔ جب تم لوگ باقی یہودیوں کے سامنے بیان کرو گے تو وہ بھی نہ مانیں گے تو ان کی آنکھوں کے سامنے سب اژدھا ہو جائیں گے چنانچہ ڈر کے مارے ان کی ایک جماعت مر جائے گی اور ایک جماعت دیوانہ ہو گی اور اکثر بے ہوش ہو جائیں گے۔ خیر لوگ ہنسنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک ہنس لو لیکن محمدؐ نے جو کچھ کہا ہے ہو کے رہے گا اور تم کو علاج بتاتا ہوں کہ جو شخص محمدؐ و علیؑ کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگے گا وہ محفوظ رہے گا چنانچہ یہودی واپس گھروں میں گئے اور رات کو جب گھروں میں اکٹھے ہوئے تو حضورؐ کے فرمان کو حرف بحرف درست پایا تو بچ گئے وہ جو دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے اور جب باقی یہودی احوال پرسی کیلئے آئے تو ان کے ساتھ وہی حشر ہوا جو حضورؐ نے فرمایا تھا۔

(۲) ید بیضا۔ شہزادہ حسن اور شہزادہ حسین علیہما السلام اپنے گھر ہوتے تھے اور جناب رسالتمآبؐ اپنے گھر میں بیٹھ کر دونوں شہزادوں کو اپنے پاس بلاتے تھے تو دونوں شہزادے اپنے نانا جان کی طرف چل پڑتے تھے۔ حضورؐ تاریک رات میں اپنی انگشت شہادت کو دروازہ سے نکال کر اشارہ کرتے کہ اس سے سورج و قمر کی روشنی ظاہر ہوتی اور جب شہزادے پہنچ جاتے تو انگلی پہلی حالت کی طرح ہو جایا کرتی تھی۔ جب شہزادے واپس آتے تو حسب سابق انگشت شہادت قندیل نور بن جاتی اور شہزادوں کے گھر پہنچ جانے کے بعد اپنی اصلی حالت پر پلٹ آتی۔

(۳) ایک دفعہ شام کے سفر سے حضورؐ واپس آرہے تھے کہ دو سو یہودیوں نے آپ کی علامات دیکھ کر حسد کیا کہ کہیں اس کے ذریعے یہودیوں کی دولت ختم نہ ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے پیچھا کیا۔ ایک مقام پر حضور حاجت ضروری کیلئے جنگل میں گئے تو یہودی تلواریں کھینچ کر سر پر آگئے۔ خداوند کریم نے وہاں سے مکڑی پیدا کر کے ان پر مسلط کر دی جو اُن کو آہستہ آہستہ نوچ کر کھا گئی۔ قافلہ والوں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اس جگہ ایک جماعت موجود تھی۔ وہ کہاں گئی۔ آپ نے فرمایا۔ وہ اپنے ارادۂ فاسدہ سے مجھے قتل کرنے گئے تھے اور خدا نے اُن پر مکڑی مسلط کر دی ہے چنانچہ وہ وہاں ڈھیر پڑے ہیں۔

(۴) ایک دفعہ مدینہ کے یہودیوں نے سازش کی۔ جب آپ باہر تشریف لے گئے تو انہوں نے پیچھا کیا۔ پس خدا نے ایک کے کپڑوں میں جوئیں پیدا کر دیں تو شرم کے مارے وہ جوئیں مارتا ہوا۔ ساتھیوں سے علیٰحدہ ہو گیا۔ پھر دوسرے نے اپنے کپڑوں میں دیکھا تو وہ بھی چپکے چپکے جوئیں مارتا ہوا الگ ہو گیا اور اسی طرح سب کے سب گھروں میں واپس آئے اور جوؤں کے عذاب سے دو ماہ کے اندر اندر سب ختم ہو گئے۔

(۵) مشرکین و یہود اور دیگر قبائل عرب کے مشترکہ گروہ نے ایک مرتبہ حضورؐ کے قتل کی سکیم بنائی اور مکہ میں بیٹھ کر آپس میں عہد کیا اور اسی نیت فاسدہ سے مدینہ کا رُخ کیا۔ چنانچہ وہ ایک حوض کے کنارے پر پہنچے اور اس کے پانی سے اپنے مشکیزے پُر کر لئے اور آگے چل پڑے۔ ایک جگہ جا کر مقام کیا۔ خداوند کریم نے وہاں پر مینڈک اور چوہے مسلط کر دیئے جو ان کے مشکیزوں کو پھاڑ گئے اور پانی ہضم کر گئے جب یہ لوگ پیاسے ہوئے تو واپس اسی تالاب کا رُخ کیا لیکن چوہے اور مینڈک وہاں پہلے پہنچ کر پانی کا صفایا

کر چکے تھے۔ پس وہ سب کے سب موت کی لپیٹ میں آ گئے۔

(۶) ایک دفعہ منافقوں نے حضورؐ پر اعتراض کیا تھا تو آپ نے ان کو بددعا دی تھی کہ خدا تم کو خون کا عذاب دے۔ چنانچہ اُن پر نکسیر طاری ہوئی اور دانتوں سے خون بہنا شروع ہوا حتیٰ کہ ان کے کھانے اور پینے میں خون کی آمیزش ہو جاتی تھی اور چالیس آدمی چالیس روز تک اس عذاب میں گرفتار ہو کر مر گئے۔

(۷) ثابت انصاری نے ایک جنگ میں ایک مشرک کو قتل کیا تھا تو اس کی عورت نے منت مانی تھی کہ اگر ثابت مرے گا تو میں اس کے سر کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی چنانچہ جنگ احد میں ثابت شہید ہو گیا اور مشرکین کی عورت بھی مشرکین کے ہمراہ احد میں آئی تھی چنانچہ اس کو اپنے غلام نے خبر دی کہ تیرے شوہر کا قاتل ثابت شہید ہو گیا ہے اس نے ابوسفیان سے درخواست کی کہ میرے غلام کے ساتھ اپنے کچھ آدمی بھیج دے تاکہ ثابت کا سر قلم کر لائیں اور میں اپنی منت پوری کروں۔ ابوسفیان نے کافی آدمی بھیجے جب یہ لوگ قریب پہنچے تو ہوا نے بحکم خدا ثابت کی لاش کو آگے کر دیا جب وہ وہاں پہنچے تو لاش اور آگے ہو گئی۔ جب یہ باز نہ آئے تو خدا نے طوفان کی شکل میں بارش نازل کر دی کہ وہ سب کے سب غرق ہو کر رہ گئے اور مشرکہ عورت نے خوش خبری دینے والے غلام کو خوشی میں آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز بھی اس کو انعام میں دے دی تھی۔

(۸، ۹) قحط سالی اور پیداوار کی کمی کے متعلق ہے۔ حضورؐ نے قوم مُضر کے لئے بددعا کی تھی کہ اے اللہ ان کو قحط میں گرفتار کر چنانچہ ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں جب ان کے ہاں پہنچتی تھیں تو یہ لوگ خرید کر کے گھر لے جانا چاہتے تھے لیکن بقدرت خدا وہ راستہ میں بدبودار اور خراب ہو جایا کرتی تھیں۔ ان کے تمام اموال ختم ہو گئے اور اس قدر تنگ ہوئے کہ مُردہ کتوں کو اور قبروں سے مردوں کو نکال کر کھانے پر مجبور ہوئے بلکہ بعض اوقات مائیں اپنے بچوں کو کھا جایا کرتی تھیں۔ پس قریش کی ایک جماعت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ آپ کی مردوں سے دشمنی ہے لیکن عورتوں، بچوں اور حیوانوں کا کیا قصور ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ تم لوگوں پر عذاب خداوندی ہے اور بچوں حیوانوں پر سزا نہیں ہے۔ خدا ان کو اس کا بدلہ دے گا۔ پھر آپ نے ان کو معاف فرما دیا تو دوبارہ وہ خوش حال ہو گئے (ملخص از تفسیر برہان) یہ تھی حضورؐ کے معجزات اور قوم کے عذاب کی حضرت موسیٰؑ کے معجزات اور اس کی قوم کے عذاب سے مشابہت باقی رہا حضورؐ کے بعد کے واقعات کی حضرت موسیٰؑ کے بعد واقعات سے مشابہت تو وہ تاریخ جاننے والوں کے لئے اظہر من الشمس ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم نے بعد میں اپنے مذاہب بنا لئے جن میں سے حضرت پیغمبر اسلامؐ کی فرمائش کے ماتحت صرف ایک ناجی اور باقی سب ناری تھے اور امت اسلامیہ کے متعلق حضورؐ نے فرمایا۔ اس کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک ناجی ہو گا اور باقی سب کے سب ناری ہوں گے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی امت کا ناجی فرقہ کون تھا اور معیار فرقہ حقہ کیا تھا۔ تو یہ بات واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اس کی امت میں نجات صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو حضرت موسیٰؑ کی شریعت کی پیروی حضرت موسیٰؑ کی طرف سے متعین جانشین حضرت یوشع بن نون کی ہدایت کے ماتحت کرے ورنہ تمام موسیٰؑ کے ماننے والے

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَ

اور ہم نے وعدہ کیا موسٰی سے تیس راتوں کا اور ان کو تمام کیا ساتھ دس کے تو پورا ہوا وعدہ اس کے رب کا چالیس راتیں اور

قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾

کہا موسٰی نے اپنے بھائی ہارون کو کہ تو میرا خلیفہ بن میری قوم میں اور اصلاح کر اور نہ پیچھے چل فسادیوں کے راستہ کے

یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضرت موسٰیؑ کی امت ہیں۔ پس ناجی وہی ہوئے جو یوشع کے ساتھ رہ کر تورات پر عمل کرتے رہے اور یہی دو چیزیں نجات امت کے لئے حضرت موسٰیؑ چھوڑ چلے تھے اور اسلام والوں کو ان سے تشبیہ دینے سے مقصد بھی یہی ہے کہ اس امت میں سے بھی وہی نجات پائے گا جو حضرت رسالتمآبؐ کی پیروی حضرت کی طرف سے نامزد جانشین حضرت علیؑ مرتضیٰ کی ہدایت کے ماتحت کرے جس طرح حضرت یوشع کو چھوڑنے والے یہودیوں کے ستر گروہ جہنمی ہوئے۔ اس طرح حضرت علیؑ کو چھوڑنے والے بہتر گروہ اسلامی بھی جہنمی ہونگے کیوں کہ حضورؐ نے اپنے بعد امت کی نجات کے لئے دو چیزیں چھوڑی تھیں۔ ایک قرآن اور دوسرے اہلبیتؑ جن کے سردار حضرت علیؑ تھے اور حضرت موسٰیؑ کے ساتھ تشبیہ کا مقصد ہی یہی ہے کہ جس طرح اُن کا جانشین نامزد تھا اور اجماعی نہیں تھا۔ اسی طرح امت اسلامیہ کا جانشینِ رسول نامزد ہونا چاہیئے۔ ورنہ تشبیہ ناقص رہے گی تفسیر کی دوسری جلد میں ہم اس بحث کو مفصل ذکر کر چکے ہیں۔

رکوع نمبر ۷

حضرت موسٰیؑ کا وعدۂ طور۔ وَ وٰعَدْنَا: پہلے خداوند کریم کا موسٰیؑ سے وعدہ چالیس دن کا تھا لیکن تعبیر اس طرح فرمائی کہ تیس کا وعدہ کیا اور دس ساتھ ملائے کیونکہ فوراً بعد میں فرماتا ہے کہ پس وعدۂ چالیس کا پورا ہو گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وعدہ ہی چالیس کا تھا نہ کہ تیس کا۔ گویا عبارت کا مطلب یوں ہوا کہ ہم نے موسٰیؑ سے (۳۰+۱۰) تیس جمع دس کا وعدہ کیا تو چالیس پورے ہوگئے اور اس طرح کی تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ اگر شروع سے فرماتا ہم نے چالیس کا وعدہ کیا تھا تو یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ شروع اول ماہ سے ہے یا وسط سے یا آخر سے یا کسی اور درمیانی تاریخ سے۔ نیز یہ بھی پتہ نہ چل سکتا کہ پے درپے راتوں کا وعدہ ہے یا متفرق طور پر لیکن ۳۰+۱۰ کہہ کر اس امر کو واضح کر دیا کہ پہلے تیس سے مراد ایک مہینہ مکمل ہے یعنی یکم سے آخر تک اور دس دن دوسرے مہینے سے ہیں اور اس طرح کل چالیس دن ہوئے اور وہ ماہ ذی القعدہ سالم اور ماہ ذی الحجہ کے پہلے دس دن مراد ہیں اگر شروع سے چالیس راتیں فرماتا تو یہ مفہوم ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

فَتَمَّ مِیْقَاتُ۔ یہ جملہ پہلے جملہ کے لئے نتیجے کے طور پر ذکر فرمایا۔ ورنہ اگر یہ جملہ نہ فرماتا تو اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ۔ یہ معنی ادا

کرنے میں ناکافی تھا کیونکہ معنی یہ ہوتا کہ ہم نے ان تیس راتوں کو پورا کیا ساتھ دس کے یعنی ماہ کی دسویں تاریخ سے شروع ہوا۔ اس کے بیس دن گذرے تو ہم نے تیس کی تعداد کو پورا کرنے کے لئے دس اور بڑھا دیئے اور یہ معنی خلافِ مقصود تھا۔ پس اس وہم کو دُور کرنے کیلئے بطور وضاحت کے ارشاد فرمایا کہ کل وعدہ چالیس کا پُورا ہو گیا اور دس دن کا اضافہ تیس کا تتمہ نہیں بلکہ چالیس کا تتمہ تھا اور سورۂ بقرہ میں صاف طور پر فرمایا۔ وَاعَدْنَا مُوْسٰى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً یعنی ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔

نکاتِ علمیہ

۱۔ تمام اور کمال میں فرق یہ ہے کہ تمامیت کسی چیز کے اجزاء ضروریہ کے اکٹھا ہونے کا نام ہے اور کمال تمامیت اجزاء کے بعد ایسے جوہر خاص کے اضافہ کا نام ہے جس کے بغیر وہ چیز اپنے مقصدِ خاص میں زیادہ مفید نہیں ہو سکتی مثلاً انسان کے اعضاء کا جمع ہونا ہے تمام اور اس میں علم طاقت وغیرہ کا وجود ہے کمال۔ پہلی صورت میں انسان صرف تام کہلاتا ہے یعنی ناقص نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں انسان کامل کہلاتا ہے۔ پھر اس خاص جوہر کی زیادتی کمال کی منازل میں اضافہ کی موجب ہوتی ہے۔

۲۔ اس مقام پر اگر وعدہ پہلے صرف تیس راتوں کا ہوتا تو بعد میں اَتْمَمْنَا نہ ہوتا (کہ ہم نے اس کو دس سے تمام کیا) کیونکہ اُوپر کے دس دن تیس کے اجزاء میں داخل نہیں ہیں تاکہ کہا جائے کہ ہم نے تیس کو دس سے پُورا کیا بلکہ وہ دس دن چالیس کا تمام ہیں اور تیس کے لئے کمال ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں یوں ہوتا اَکْمَلْنَاهَا بِعَشْرٍ یعنی ہم نے تیس کو کامل کیا۔ ساتھ دس کے پس وہ چالیس دن یوں ہو گئے تو یہ تعبیر صاف بتلاتی ہے کہ وعدہ شروع سے چالیس راتوں کا تھا اور تعبیر اس طرح کی گئی کہ ہم نے وعدہ کیا تیس رات کا بضمیمہ دس راتوں کے کہ کل چالیس تھیں اور اس کی تعبیر کی وجہ بیان کی جا چکی ہے۔

۳۔ وقت اور میقات میں فرق یہ ہے کہ وقت مطلق زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ خواہ اس کی حدبندی کسی امر کے لئے کی گئی ہو یا حدبندی نہ کی گئی ہو اور میقات سے مراد وہ زمانہ ہے جس کی کسی امر کے لئے حدبندی ہو چکی ہو۔ پس وقت کا مفہوم میقات کے مفہوم سے عموم کی نسبت رکھتا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات کے لئے کوہِ طور کی طرف جانے لگے تو حضرت ہارون اپنے بھائی کو اپنی اُمت کا نظام سونپ کر گئے اور فرمایا کہ تم میری خلافت کرنا اور قوم میں اصلاح کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ہارون عہدۂ جلیلۂ نبوت پر فائز تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک کار تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کو خلیفہ کیسے بنایا۔ حالانکہ شریک کار خلیفہ نہیں ہوا کرتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت موسیٰؑ و ہارون دونوں نبی تھے لیکن حق ریاست صرف حضرت موسیٰؑ کو حاصل تھا اور امت کے قائد صرف حضرت موسیٰؑ ہی تھے لہٰذا اپنے بعد نظام امت کے برقرار رکھنے کیلئے ان کو اپنا جانشین بنا گئے۔

انوارِ لطیفہ

(۱) نبی کا معنی خبر دینے والا اور امام کا معنی ہے آگے چلنے والا گویا نبوت خبر سنانے کا نام ہے اور امامت مقام عمل میں پیشرو بننے کا نام ہے۔ نبی کا کام ہے کہ خُدا سے حکم حاصل کر کے اپنی امت تک پہنچا دے اور امام کا

کا کام ہے مقام عمل میں قیادت کی باگ ڈور سنبھالے۔

(۲) نبوت و امامت میں عام و خاص من وجہ کی نسبت ہے۔ نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ امام بھی ہو۔ جیسے ہارونؑ صرف نبی تھے لیکن امت کے قائد و امام حضرت موسٰیؑ ہی تھے۔ اسی لئے طور پہ جاتے ہوئے ہارونؑ کو خلافت دے کر گئے اور ان کو عہدۂ امامت و قیادت تفویض کر کے گئے اگر ہارونؑ پہلے سے امام بھی ہوتے تو خلافت کا معنی ہی فضول ہوتا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم پہلے عہدۂ جلیلۂ نبوت پر فائز تھے لیکن حق امامت امتحان خصوصی کے بعد عطا ہوا۔ اسی طرح امام کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نبی بھی ہو اور نبوت و امامت ایک جگہ جمع بھی ہو سکتی ہے اور تھوڑے نبی ہیں جن کو نبوت کے ساتھ عہدۂ امامت بھی عطا کیا گیا۔

(۳) ایک وقت میں صرف امام ایک ہی ہو سکتا ہے لیکن ایک وقت میں انبیاء متعدد ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر امام ایک سے زیادہ ہوں تو نظام امت میں ابتری پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن انبیاء بیک وقت زیادہ ہونے میں کوئی خطرہ نہیں۔

(۴) حضرت موسٰیؑ کا ہارون کو کہنا وَاَصْلِحْ یعنی اصلاح کرنا صاف بتلاتا ہے کہ حضرت ہارون صرف نبی تھے اور امام نہیں تھے کیونکہ امام کا کام ہے نظام امت کو سنبھالنا اور اصلاح امت اس کی اہم کڑی ہے، جاتے ہوئے ان کو اصلاح کا عہدہ عطا کرنا بتلاتا ہے کہ اس سے قبل ان کو نظام امت میں کوئی دخل نہیں تھا اور وہ صرف تبلیغ دین میں موسٰی کے شریک کار تھے اور بس۔

(۵) نبیوں میں سے جو صرف نبی یا رسولؐ تھے ان سے وہ نبی افضل ہیں جو عہدۂ نبوت کے ساتھ نظام امت کے علمبردار بھی قرار دیئے گئے اور دائرہ نظام امت میں جس قدر وسعت ہوتی ہے۔ نبی کے فضل و کمال اور قیمت میں اتنی ہی رفعت و عظمت ہوتی ہے چنانچہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا کا جملہ انبیاء میں سے بعض کی بعض پر فضیلت پر نص صریح ہے اور یہ ظاہر ہے کہ فضیلت کے لئے کوئی معیار ہونا ضروری ہے کیونکہ مثلاً ایک باپ کے دس بیٹے ہوں اور وہ کہے کہ میرے بیٹوں میں فلاں افضل ہے تو اگر افضلیت کا معیار کوئی نہ ہو تو یہ دعویٰ صرف مہمل سا رہ جاتا ہے کیونکہ بیٹے ہونے میں تو وہ یکساں طور پر اسی باپ کی طرف منسوب ہیں پھر افضلیت کیسی؟ تو بہرصورت کوئی معیار تلاش کرنا پڑے گا کہ جو بھی اس معیار پر فائز ہو وہ افضل ہو۔ اور وہ ہے اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا۔ پس عہدہ برآ ہونے والا نہ ہونے والوں سے افضل ہوگا اور بدرجۂ اتم و اکمل اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے والا باقیوں سے افضل ہوگا اور اس کو ہر صاحب عقل تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس مقام پر اب خوب سمجھ میں آسکے گا کہ نبی سب کے سب خدا کی طرف سے منصب نبوت پر فائز ہونے میں تو یکساں ہیں لیکن اگر بعض بعض سے افضل ہیں تو اس کا کوئی معیار ہونا ضروری ہے اور معیار ہے اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا۔ پس جو نبی صرف اللہ سے احکام حاصل کرنے والے ہوں اور ان پر خود عمل کرتے ہوں، ان سے وہ افضل ہیں جو ادھر سے احکام لاتے ہوں اور دوسروں تک پہنچاتے بھی ہوں اور ان میں سے پھر وہ افضل ہیں جو صرف دوسروں کو سنانے پر اقتصار نہ کریں بلکہ ان کے امام و قائد بن کر ہر ممکن طریق سے ان کو جادۂ حق پر گامزن کریں۔ دشمنان حق کو اپنی قوت اجتماعی کے ذریعہ سے اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیں اور اپنے پیچھے چلنے والوں میں نظام تمدن اور اصلاح معاشرت کو برقرار رکھیں اور درمیان میں گڑبڑ پیدا کرنے والوں اور اس

سلسلہ میں روڑہ اٹکانے والوں کا بلا لومۃ لائم قلع قمع کرنے میں دریغ نہ کریں اور عدل کے اصولوں کو مخلوق میں مروّج کریں اور اس صورت میں دائرہ نظام میں جس قدر وسعت ہوگی ۔ فضیلت میں اتنی ہی بلندی ہوگی ۔

پس اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ نبوّت و رسالت کے عہدہ سے امامت کا عہدہ بلند ہے اور نبیوں میں یہی معیارِ فضیلت ہے ۔ اہلِ اسلام میں ایک مسلمہ امر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے ۔ رسول تھے اور خلیل تھے ۔ لیکن عہدۂ امامت ان کے پاس نہ تھا پس مخصوص امتحان سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد عہدۂ جلیلہ امامت عطا کیا گیا ۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہوا ۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ پس کسی نبی کی افضلیت کی حد اس کے دائرۂ امامت کی وسعت کے ماتحت متعین ہوگی اور حضرت رسالتمآبؐ کی تمام نبیوں سے افضلیت اسی بناء پر ہے کہ اولاً تو اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ جس طرح آپ عہدہ برآ ہوئے ۔ اس طرح کوئی دوسرا نبی نہ ہوسکا کیونکہ نظام تمدّنِ امت اور اصلاحِ معاشرۂ رعیت کے لئے جو عدالتی اصول آپ نے تعلیم فرمائے وہ کسی دوسرے نبی نے نہیں فرمائے اور دینِ خداوندی کی ہمہ گیر مقبولیّت کی خاطر جو قربانیاں انہوں نے پیش کیں اور کسی دوسرے سے نہ ہوسکیں اور اس راہ میں جو مصائب انہوں نے برداشت کئے اور جس پامردی سے آپ نے کوہِ گراں بن کر باطل کے طوفانی سیلابوں کا منہ موڑا ۔ وہ تمام نبیوں میں سے آپ ہی کا حصّہ ہے ۔ یہ تو ہے ان کا اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونا ۔ اور پھر دائرہ اصلاح و نظام کی وسعت ۔ وہ تو صرف خدا ہی جان سکتا ہے ۔ گذشتہ نبی قوموں ، خاندانوں اور علاقوں کے لئے مخصوص ذمہ داریوں کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے اور اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ان میں سے بھی بعض کو بعض پر جاہ و مرتبہ کے لحاظ سے فوقیت حاصل تھی لیکن حضرت خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلا استثناء قوم و ملک ہر سیاہ و سفید کی طرف مبعوث ہوئے بلکہ تمام جنّوں اور انسانوں کے لئے دنیا و آخرت کا جامع منصوبہ لائے اور جس طرح ان کا ذاتی کردار اس قدر بلند اور وسیع تھا کہ ان کا لایا ہوا ، اسلامی منصوبہ ان کے وسعت کردار کے سامنے قطرۂ بمقابلہ بحر ذخار معلوم ہوا یا ذرہ بمقابلہ ریگزار دکھائی دیا ۔ حتیٰ کہ زبانِ احدیت سے نہایت دقیق الفاظ میں بلند حوصلگی کی ایسی داد دی کہ تمام انبیاء کی نبوتیں اس کے ایک گوشہ میں سمٹتی ہوئی نظر آنے لگیں ۔ ارشاد ہوا ۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ ادھر اپنے کلیم کو مامورِ تعلیم فرماتے ہوئے خصوصی طور پر ہدایت فرمائی کہ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا کہ بوقت تبلیغ نرم لہجہ استعمال کرنا تاکہ وہ نصیحت قبول کرنے کے زیادہ قریب ہوسکے ۔

اب ذرا اربابِ دانش ان ہر دو خطابات کا موازنہ فرمائیں اور وقتِ طلبِ افکار سے ان نبوتوں میں تفاوتِ مرتبہ کا اندازہ کریں ۔

(۶) چونکہ اصلاح کی تین منزلیں ہیں ۔ (۱) اصلاحِ نفس (۲) اصلاحِ معاشرہ (۳) اصلاحِ تمدّن ۔ جن کو تدبیرِ نفس تدبیرِ منزل اور تدبیرِ ملک یعنی سیاست مدینہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور انبیاء حسبِ اختلافِ مدارج بعض صرف اصلاحِ نفس کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور بعض کو اصلاحِ تمدّن یعنی سیاستِ مدینہ کا عہدہ بھی عطا کیا گیا اور یہ درجہ پہلے درجوں سے بلند ہے اور خداوند کریم ہر نبی کو اس کے عہدہ کی مناسبت سے قوانین و فرامین بصورتِ وحی یا الہام عطا فرماتا ہے ۔ پس حضرت رسالتمآبؐ چونکہ عالمی نبوّت اور کلّی امامت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے لہٰذا اصلاحِ نفس ، اصلاحِ معاشرہ اور سیاستِ عامہ ملکیہ کے جامع اصول و

قوانین کا مجموعہ قرآن مجید اُن کو عطا ہُوا جو تا قیام قیامت ناقابل تنسیخ و ترمیم ہے۔ پس تمام نبی یکے بعد دیگرے ادھر سے احکام و قوانین حاصل کرتے رہے اور بالآخر حضور خاتم الانبیاء جب کلی امامت خلق کے متعلق جامع قوانین لا چکے تو عہدۂ نبوت کی آخری ضرورت پوری ہو گئی اور اس میں مزید کی گنجائش نہ رہی لہذا ان کے بعد کسی دوسرے نبی کے بھیجنے کی حاجت ہی نہ رہی۔ بنا بریں حضور نے اس کا اپنی زبان وحی ترجمان سے اعلان فرمایا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ یعنی میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور قرآن نے بھی غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں لیکن چونکہ نظام امت کی برقراری اور سیاست مدینہ وملکیہ کی نگاہداری کی ضرورت تا قیام قیامت باقی تھی۔ اس لئے امام کا ہر زمان کے لئے تعین ضروری ہے چنانچہ حضور رسالتمآب نے بارہا اپنی امت کے سامنے اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں ظاہر فرما دیا کہ میرے بعد میری امت کے بارہ امام ہوں گے۔ اور حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدی تک تمام کے نام بھی آپ نے گنوا دیئے۔

(۷) چونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ انبیاء کی ایک دوسرے سے فضیلت اور برتری کسی معیار کی ممنون ہے اور امامت سلسلۂ معیار فضیلت نبوت کی اہم اور آخری کڑی ہے۔ پس جو نبی کسی نبی سے افضل ہے تو مخصوص ذمہ داری کے نبھانے کے لحاظ سے ہے اور جو نبی عہدۂ امامت رکھتا ہو اگر اس سے کوئی دوسرا افضل نبی موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ افضل نبی کے عہدۂ امامت میں اتنی وسعت ہے جو مفضول نبی کے دائرۂ امامت میں نہیں تھی اور حضرت خاتم الانبیاء جو تمام انبیاء سلف کے سرتاج وسلطان ہیں تو وہ اس لئے کہ ان کی امامت وحکومت کا دائرہ حاوی ہے اور ان کے مقابلہ میں کلی حیثیت کا حامل ہے اب یہاں آکر نبوت تو اس لئے رُک گئی کہ اس طرف سے جو کچھ آنا تھا وہ آچکا ضروریات انسانیہ (خواہ) انفرادی رنگ میں ہوں خواہ اجتماع کی صورت میں ہوں کے لئے مناسب وموزوں قوانین وضوابط پر مشتمل جامع منصوبہ نازل ہو چکا لیکن مخلوق خدا کو قیامت تک کے لئے قائد وامام کی ضرورت ہے۔ لہذا حضرت خاتم الانبیاء کے بعد جو ان کا قائم مقام ہوگا۔ وہ نبی تو نہیں ہوگا۔ کیونکہ نئے احکام لانے کی ضرورت نہیں۔ پس وہ امام ہوگا اور یہ واضح ہو گیا۔ کہ عالمی نبوت کے عہدہ دار کے بعد نبوت کی ضرورت تو بالکل ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نبوت لانے کا نام ہے اور جب سب کچھ لایا جا چکا ہے تو مزید لانے والے کی کیا ضرورت؟

لہذا عالمی نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ہو اور کلی رسول کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاتم المرسلین ہو، لیکن ہر امام کے بعد امام کی ضرورت باقی رہتی ہے بلکہ بڑھ جاتی ہے اور حضور چونکہ عالمی نبی تھے اور عالمی امام بھی تھے۔ لہذا ان کے بعد ان کے قائم مقام امام کی ضرورت ہے جو نظام کلی امت کا کفیل ہو سکتا ہو اور ہر سیاہ وسفید پر کنٹرول کر سکتا ہو اور جن وانس پر یکساں حکومت کا اہل ہو۔ عالمی مسائل کو جانتا ہو اور عالمی حل طلب امور میں عاجز آنے والا نہ ہو اور ایسی صفات کا حامل اور جامع صفات امامت کلیہ امت محمدیہ میں سرکار رسالت کے بعد سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی ہے ہی نہیں چنانچہ تعصب کی عینک آنکھوں سے اتار کر جنہوں نے حقیقت کا جائزہ لیا۔ ان کو ماننا پڑا کہ واقعی عالمی امامت کی اہلیت سوائے علیؑ کے اور کسی میں نہیں ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس مسئلہ کو مختلف عناوین کے تحت میں خوب واضح کیا ہے۔

(۸) یہ بھی واضح ہو گیا کہ عالمی امامت کا عہدہ دار سوائے عالمی نبی کے باقی تمام انبیاء سے افضل ہے کیونکہ جس معیار کے ماتحت عالمی نبی باقی انبیاء سے افضل ہے۔ وہ معیار عالمی امام میں بھی موجود ہے پس امتِ اسلامیہ کی امامت اس شخص کے لیئے مخصوص ہے جو ماسلف انبیاء سے افضل ہو اور چونکہ انبیاء سب کے سب معصوم ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا حضرت محمد مصطفٰے کے جانشین کے لئے ضروری ہے کہ معصوم ہو کیونکہ غیر معصوم معصوم سے افضل ہو نہیں سکتا۔

(۹) حضرت موسٰی علیہ السلام نے حضرت ہارون سے فرمایا اُخْلُفْنِيْ کہ تم میرے خلیفہ ہو اور چونکہ حضرت رسالتمآبؐ کو قرآن میں حضرت موسٰی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اور حضرت رسالتمآبؐ نے اپنی امت کو بنی اسرائیل سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا کہ تم میں وہی باتیں ظہور پذیر ہوں گی جو سابقہ امتوں میں تھیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت موسٰیؑ نے اپنے قائمقام کو نامزد فرمایا تھا تو اسی طرح حضورؐ بھی اپنی امت کا نظام اپنی طرف سے کسی نامزد انسان کے حوالہ کریں گے۔ اگر موسٰیؑ کی امت نے اجماع سے امام نصب کیا ہوتا تو امتِ اسلامیہ کے لئے بھی اجماعِ اُمت حجت ہوتا ورنہ قرآن میں مشابہت کا فیصلہ اور حضورؐ کا دونوں امتوں کے درمیان مشابہت بیان کرنا۔ خلافِ واقع ہو جائے گا اور دامن توحید و رسالت اس سے اجل و ارفع ہے چنانچہ حضورؐ نے یہ بھی صاف صاف فرمایا تھا۔ یَا عَلِیُ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ من مُوْسٰى اِلَّا انه لا نبی بعدی۔ اے علیؑ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسٰیؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہو گا۔ تشبیہ کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ ہارون نبی بھی تھا اور حضرت موسٰیؑ کی امامت کا ان کے بعد قائم مقام بھی تھا اور میرے بعد چونکہ نبوت تو ہے نہیں لیکن میرے بعد امام قیامت تک ہوں گے لہٰذا تو میرے بعد میری امت کا امام ہے جس طرح ہارونؑ موسٰیؑ کے چلے جانے کے بعد اس کا قائم مقام اور امت کا امام تھا۔ دونوں امتوں کی تشبیہ کے حوالہ جات تفسیر کی دوسری جلد میں دیکھئے۔ صـ۱۶۵ تا صـ۱۷۱

(۱۰) حضرت موسٰیؑ نے فرمایا تھا اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا یہ نہیں فرمایا کہ فسادیوں سے جنگ کرنا بلکہ یہی کچھ فرمایا کہ اپنی حد امکان تک درستی کی کوشش کرنا۔ اگر وہ اصلاح کو قبول نہ کریں۔ اور فساد پر آمادہ ہو جائیں تو تمہارا فریضہ جنگ کرنا نہیں بلکہ تمہارا فرض ہے، ان سے کنارہ کش ہو جانا اور ان کی اتباع نہ کرنا اور بس تو تاریخ شاہد ہے کہ حضرت موسٰیؑ کے چلے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے گوسالہ کو پوجنا شروع کیا لیکن حضرت موسٰیؑ کے جانشین حقیقی اور امام وقت حضرت ہارونؑ نے صرف ان کو زبان سے منع فرمایا اور ان کے نہ ماننے کے بعد ان سے کنارہ کشی کر لی اور حضرت موسٰیؑ کی ناراضگی کے بعد یہی جواب دیا ہے اے ماں جائے مجھے قوم نے ذلیل کیا اور میری بات کو ماننا تو بجائے خود قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔ آیئے اُمتِ اسلامیہ کی تاریخ ذرہ چشم انصاف سے دیکھئے۔ قرآن کی تشبیہ حرف بحرف صادق آئی اور بفرمان نبوی سب کچھ ویسے ہوا جیسا بنی اسرائیل میں ہوا تھا۔ وہاں سامری نے گوسالہ پیش کیا اور سب اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے اور وصی پیغمبرؐ کی نہ کسی نے سُنی تھی نہ سُنی

وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ

اور جب آیا موسیٰ ہمارے وعدے کے لئے اور اس سے کلام کیا اس کے رب نے تو عرض کی اے رب مجھے دکھا کہ نظر کروں تیری طرف فرمایا تو ہرگز مجھے نہ

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ

دیکھے گا لیکن دیکھ طرف پہاڑ کے اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ تو تو مجھے دیکھ لے گا۔ پس جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا

دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اس کو ریزہ ریزہ اور گرے موسیٰؑ بے ہوش ہو کر جب افاقہ ہوا تو عرض کی پاک ہے تو میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

یہاں بھی بعینہٖ وہی حالت ہے کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد امت نے جس کو آگے کھڑا کر دیا، حضرت علیؑ نے اوّل حجت تمام فرمائی جیسا کہ ابنِ قتیبہ دینوری نے الامامۃ والسیاستہ میں اس روح فرسا منظر سے خوب نقاب کشائی کی ہے اور جب دیکھا کہ میری نہیں مانتے تو گوشہ تنہائی میں یکسوئی کی زندگی گذاری اور بوقتِ طلب بیعت جب آپ نے انکار کیا تو امّت سے پُرزور اصرار ہوا۔ آپ نے پوچھا اگر میں بیعت نہ کروں تو پھر کیا ہوگا؟ کہنے والے نے تلوار کھینچ کر بلا دریغ کہہ دیا کہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ ہم نے واقعہ کی قدرے تفصیل الامامۃ والسیاستہ کے حوالہ سے مقدمہ تفسیر میں درج کی ہے اور حضرت امیر المومنینؑ اس واقعہ کو یاد کر کے یہی آیت پڑھتے تھے جو حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے جواب میں پڑھی تھی۔ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ الخ انعقادِ خلافت کا مسئلہ ہماری کتاب "امامت وملوکیت" میں تفصیل سے پڑھیئے۔

اب یہ کہنا کہ حضرت علیؑ مشکل کشا تھے وہ لڑے کیوں نہیں تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے وقت کیوں نہ لڑے؟ چونکہ قرآن بھی حضرت موسیٰؑ کی وصیت تھی کہ صرف اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا۔ یہ نہیں فرمایا تھا کہ اصلاح نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا۔ یہاں حضرت علیؑ کو بھی اسی قسم کی وصیت تھی۔ جس پر آپ کو عمل کرنا تھا۔ نیز امتِ اسلامیہ کی امتِ موسویہ کے ساتھ تشبیہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان میں وہی کچھ ہوگا جو ان میں ہوا تھا۔

پس علیؑ جو لطائف و رموزِ قرآنیہ کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔ وہ کیسے ایسا اقدام کرتے جو مقصدِ قرآنی کے خلاف ہو۔

لِمِيْقَاتِنَا:۔ میقات اور وقت کا فرق ہم بیان کر چکے ہیں صفحہ ۵۵۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ میقات وقت سے اس اعتبار سے عام ہے کہ وقت کا استعمال صرف زمان کے لئے مخصوص ہے لیکن میقات زمان پر بھی بولا جاتا ہے اور مکان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس طرح احرام کے مواقیت ان مقامات کا نام ہے۔ جن سے حاجی بغیر احرام باندھے آگے نہیں گذر سکتا۔ پچھلی آیت

میں میقات کا معنی وقت مقرر تھا اور یہاں میقات سے مراد مکان مقرر ہے۔

كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ :- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تمام انبیاء سے یہ خصوصی لقب ہے۔ جس سے صرف ان کو نوازا گیا ان کے ساتھ جو کلام ہوا وہ وحی والہام کی قسم سے نہ تھا بلکہ حقیقی معنوں میں تھا۔ جبھی تو ان کو ہی خاص طور پر کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ اب وہ کلام درخت سے پیدا کیا گیا یا بادل سے آواز پیدا ہوئی۔ اس کا طے ہونا مشکل ہے اور کلام کے معنی کی مزید وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

رَبِّ اَرِنِيْٓ ص۹۰ :- یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ جانتے تھے کہ خدا کی رویت ناممکن ہے؟ پھر اس بلند مرتبہ پیغمبرؑ نے رویتِ خدا کا سوال کیوں کیا؟

اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے لئے یہ سوال نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی اکھڑ امت نے سوال کرنے پر آپ کو مجبور کیا تھا چنانچہ پہلے پارہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھیں پس حضرت موسیٰؑ کو یہ سوال کرنا پڑا۔ تفصیل تفسیر کی دوسری جلد میں ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مجھے اپنی ذات کی علامات میں سے کوئی ایسی نشانی دکھا جس کی وجہ سے مجھے اطمینانِ نفس حاصل ہو۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے باوجود یقینِ کامل کے خدا سے مردہ کو زندہ کرنے کا سوال کیا تھا۔

خَرَّ مُوْسٰى :- ابن عباس سے مروی ہے کہ عرفہ کے دن بروز خمیس شام کو آپ پر غشی طاری ہوئی اور جمعہ کی شام کو افاقہ ہوا گویا چوبیس گھنٹے اسی حالت میں رہے اور اسی دوران میں ان پر تورات نازل ہوئی اور حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ جو ستر آدمی گئے تھے وہ سب کے سب جل کے خاکستر ہو گئے۔

دیدارِ خدا

خداوند کریم نے قرآن مجید میں کھلے الفاظ میں فیصلہ فرمایا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ یعنی اس کو کوئی آنکھ نہیں پا سکتی اور وہ تمام آنکھوں کا احاطہ کر سکتا ہے۔

آنکھ اس چیز کو دیکھ سکتی ہے جو شکل و شباہت رکھتی ہو اور رنگ و لون کا محل ہو اور خدا وہ ہے کہ شکل نہ تھی اور وہ تھا اور وہ شکل کا خالق ہے۔ اسی طرح شباہت نہ تھی اور وہ تھا اور وہ شباہت کا خالق ہے نیز رنگ و لون نہ تھا اور وہ رنگ و لون کا خالق ہے اگر کسی کی شکل اور صورت میں یا کسی مثال میں اگر دکھائی دے تو وہ ان چیزوں سے پاک و منزہ ہے۔ یہ سب حادث ہیں اور وہ قدیم ہے فرماتا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ نیز دیکھنے کی صورت میں محدود ہو کر دکھائی دے گا اور اگر محدود ہو گا تو محتاجِ مکان بھی ہو گا اور یہ سب صفتیں مخلوق کی شایانِ شان ہیں۔ نیز کسی وقت غیر محدود ہو جانا تغیر کا دوسرا نام ہے اور شانِ الوہیت اس سے اجل وارفع ہے۔

ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ مولا! فرمائیے آپ نے کبھی اپنے رب کو بھی دیکھا ہے؟ تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ میں ایسے پروردگار کی عبادت نہیں کرتا جس کو دیکھا نہ ہو۔ ہاں ہاں۔ اس کو یہ آنکھیں مشاہدہ سے نہیں دیکھ

سکتیں لیکن دل اس کو ایمان کی حقیقت سے دیکھ سکتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے آنکھوں سے دیکھنا تو بجائے خود خدا وہ ہے جو کسی تصور میں نہیں آسکتا کیونکہ جو چیز تصور میں آئے گی ۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے نہ تھی پھر آگئی اور شانِ توحید اس سے بلند وبالا ہے ۔ نیز جو بھی ذہن میں آئے گا وہ محدود ہوگا تو جس پر یہ ناقص ذہن حاوی ہو جائے اور وہ اس ناقص ذہن میں سما جائے وہ اتنی لمبی چوڑی مملکت کائنات پر حاوی کس طرح ہو سکتا ہے ؟ پس شیعہ اعتقاد یہ ہے کہ خدا نہ آنکھ میں سما سکتا ہے اور نہ ذہن میں آسکتا ہے اور نہ عقل و وہم اس کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نیز نہ عام اشخاص کو نہ علماء کو نہ اولیاء کو نہ آئمہ کو اور نہ انبیاء کو وہ کسی وقت بھی نظر آسکتا ہے نیز نہ وہ کسی کو دنیا میں نظر آسکتا ہے اور نہ قیامت میں کسی کو نظر آسکے گا اور کسی حدیث یا آیتِ قرآنی میں رویتِ خدا کے معنی کا اشتباہ پڑتا ہو تو واجب التاویل ہے ۔ شیعہ مذہب میں خدا کی روئت قطعاً ناممکن ہے اور یہی مذہب حق ہے ۔

روئت کے لئے جہاں مرئی میں چند شرائط کا ہونا ضروری ہے وہاں رائی میں اور روئت میں بھی کچھ شرائط ضروری ہوا کرتی ہیں جن کی وجہ سے دیکھنے والا کچھ دیکھ سکتا ہے اور مرئی چیز دکھائی دے سکتی ہے ۔ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ خدا میں وہ اوصاف نہیں جو مرئی میں ہونے چاہئیں اور رویت میں ان کے علاوہ چند باتیں اور بھی ضروری ہیں ۔ مثلاً

۱۔ مرئی صرف اس کے جانب مقابل میں ہو اور بس ۲۔ مرئی لطیف نہ ہو ۳۔ مرئی دُور نہ ہو ۴۔ مرئی نزدیک تر نہ ہو ۔

رویت کی ان شرائط میں سے اگر خدا کو مرئی ٹھہرایا جائے ۔ تو رویت کی کوئی شرط بھی موجود نہیں ۔ یہ شرائط اس لئے ضروری ہیں کہ اگر چیز صرف سامنے کی جانب نہ ہوگی تو آنکھ اس کا صحیح احاطہ نہ کر سکے گی اور اگر لطیف ہوگی تو آنکھ کی بصارت میں اتنی طاقت کہاں کہ لطیف اشیاء کا ادراک کر سکے اسی طرح طاقت بینائی صرف ایک مقدار معین کے فاصلہ تک صحیح کام کر سکتی ہے لہذا دور تر اشیاء بھی اس کے ادراک سے باہر ہیں اور نزدیک تر چیزوں کو بھی وہ نہیں پا سکتی ۔ دیکھئے باوجود قریب ہونے کے آنکھ پلکوں کو نہیں دیکھ سکتی ہے ۔ خداوند عالم ایک جہت مخصوصہ میں نہیں ۔ نیز لطیفوں میں لطیف تر نزدیکیوں میں نزدیک تر اور بعیدوں میں بعید تر ہے ۔ پھر یہ آنکھ اس کو کس طرح ادراک کر سکتی ہے ۔

اور نظر کا دُور رس ہونا یا نہ ہونا طاقتِ بینائی پر منحصر ہوا کرتا ہے ۔ ہماری طاقت بینائی خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو ہر ہر مقام پر اکثر ٹھوکریں کھا جاتی ہے اور معمولی سے معمولی بات میں لغزش کر جاتی ہے ۔ چنانچہ طبائع انسانی پر آنے والے افکار و احزان جس طرح باقی حواس کو کسی حد تک معطل کر دیا کرتے ہیں ۔ مثلاً کسی فکر طویل میں کھویا ہوا انسان نزدیک کے ڈھول باجوں کی آوازیں نہیں سُن سکتا ۔ قریب میں پڑے ہوئے نرگس و گلاب کی تیز تر خوشبو کو اس کے مشام جذب نہیں کر سکتے ۔ اسی طرح کھاتے ہوئے عمدہ ولذیذ قسم کے کھانوں کی لذت کا زبان وحلقوم کو احساس نہیں ہوتا ۔ اسی طرح جب باہر کے روح فرسا و ہوش رُبا حالات انسان کو باقی حواس سے بیگانہ کر دیتے ہیں تو آنکھیں بھی باقی حواس کی طرح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں بلکہ معمولی تبدیلی خیالات سے انسان بعض اوقات سامنے کھڑے ہوئے شخص کو آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا اور یہ بات روزمرہ کے مشاہدات

سے تعلق رکھتی ہے اور ہر ذی شعور اس کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے تو جب ہماری آنکھوں کو دنیاوی تغیرات و انقلابات کے معمولی سے معمولی جھونکے باوجود شرائط رویت کی موجودگی کے ایک جسم مرئی کے ادراک سے روک دیتے ہیں تو یہ انقلاب و تغیر کی کٹھ پتلی آنکھ اس پروردگار کو کیسے دیکھ سکتی ہے جو شرائط رویت سے اجل و اعلیٰ ہے۔

نیز قرب و بعد کے بعد کے فرق سے چیز کا حجم و جسم آنکھ کے سامنے کم و بیش دکھائی دیتا ہے حالانکہ فی الواقع اس کی جسامت و حجم میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً نزدیک میں چیز کا حجم بڑا معلوم ہوتا ہے اور وہی چیز دور چلی جائے تو چھوٹی معلوم ہوتی ہے ہوائی جہاز زمین پر ایک بڑا مکان دکھائی دیتا ہے۔ جس میں کافی انسانوں کے لئے، اٹھنے بیٹھنے بلکہ چلنے پھرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن فضا آسمانی میں دور چلے جانے کے بعد وہی جہاز نہایت معمولی جسم و حجم کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح گاڑی موٹر بس پر بیٹھے ہوئے انسان کو زمین پیچھے کی طرف سرکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ فی الحقیقت زمین کی بجائے گاڑی یا موٹر ہی آگے کو متحرک ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شعلہ ہاتھ میں لے کر گھمانے سے دائرہ معلوم ہوتا ہے اور یہ سب آنکھ کی بینائی کا شاخسانہ ہے اور قوتِ وہم سے مرعوب ہونے کا نتیجہ ہے کہ شرائط رویت کے باوجود مرئی کے حجم کے حد بندی نہیں ہو سکتی اور ساکن و متحرک میں تمیز ختم ہو جاتی ہے اور نقطہ اور دائرہ کی شناخت ختم ہو جاتی ہے۔ نیز مصائب سے گھبرانے یا کسی خطرہ کے مقام سے گذرتے ہوئے جب ذہن انسانی خطرات کا تصور کرتا ہے تو سامنے آیا ہوا ایک دشمن اس کو دو دکھائی دیتا ہے۔ دس آدمیوں کے اس کو سو نظر آتے ہیں۔ شب تاریک میں صرف تصور کے پیش نظر اس کو جن و دیو ایک ڈراؤنی شکل میں نظر آتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کچھ نہیں ہوا کرتی۔ تو اب اندازہ کیجئے کہ جو آنکھ حالاتِ خارجیہ اور خیالاتِ داخلیہ کی بناء پر ہم سے اس قدر مرعوب ہو جائے کہ معدوم چیز اس کو موجود حقیقت دکھائی دے اور موجود حقیقت اس کو معدوم معلوم ہو۔ بتائیے اس آنکھ سے کیا توقع ہے کہ وہ خالقِ کائنات لیس کمثلہٖ شئی کا ادراک کر سکے گی۔

حاشا و کلا۔ بہرکیف خداوند متعال کی رویت کا عقیدہ رکھنا بالکل باطل اور خلافِ حق ہے۔ ہاں جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں۔ صرف اہلِ بیت نبوت کی دشمنی نے ان کو اس ضد کے محاذ پر لا کھڑا کر دیا ہے ورنہ عقل سلیم قطعاً اس کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ چنانچہ عام مسلمانوں نے عقیدہ جما لیا ہے کہ خداوند کریم قیامت کے روز ہر شخص کو نظر آئے گا اور کرسی عدالت پر بیٹھ کر فیصلہ فرمائے گا اور دنیا میں ہر شخص کو نظر نہیں آسکتا بلکہ خواص کو مثلاً اولیاء اللہ کو نظر آسکتا ہے اور یہ سب باتیں بیہودہ فضول گپیں ہیں۔ ان کا ذکر کرنا فضول کی خامہ فرسائی ہے اور ایسوں کو سمجھانا بھی تضیع وقت کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (الآیہ)

بنا بریں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال رویت اگر امت کے لئے ہے جیسا کہ پارہ اوّل میں مذکور ہوا ہے تو خیر لیکن اگر اپنے لئے ہے تو اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ آپ نے قرب خداوندی کے منازل میں سے اس منزل پر رسائی کا سوال کیا جو ان کے لئے نہیں تھا اور عشقِ خداوندی نے ان کو اس سوال کی ہمت دی کہ میں معرفت کی اس حد تک رسائی کر جاؤں کہ ایسا معلوم ہو

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ

فرمایا اے موسیٰ تحقیق میں نے تم کو چُن لیا ہے لوگوں پر ساتھ اپنی رسالت اور اپنے کلام کے

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ

پس لے جو میں نے عطا کی اور ہو جا شکر کرنے والا اور لکھا ہم نے اس کے لئے تختیوں میں

جس طرح کوئی آدمی کسی کو سامنے دیکھ رہا ہو۔ پس میرے اور تیرے درمیان سے بعد اور دوری کے حجابات سارے ختم کر دیئے جائیں۔ تو ارشاد ہوا۔ میرے قرب کی وہ منزل حاصل کرنا تیرے بس سے باہر ہے اور تیری طاقت برداشت سے بالاتر ہے۔

الواحِ موسیٰؑ قَالَ يٰمُوْسٰى :- تفسیر صافی میں عیاشی سے جفر کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ پر الواح تورات نازل فرمائی ہیں جن میں تمام علوم درج تھے۔ جب حضرت موسیٰؑ کا زمانہ انتہا کو پہنچا تو حکم پروردگار ہوا کہ الواح کو واپس کر دیجئے۔ چنانچہ وہ تختیاں زبرجد کی تھیں اور بہشت کے پہاڑ زینت سے لی گئی تھیں پس حکم ملنے کے بعد حضرت موسیٰؑ نے تختیاں اٹھالیں اور پہاڑ کے دامن میں آئے۔ بحکم خدا پہاڑ شگافتہ ہوا۔ اور حضرت موسیٰؑ نے وہ تختیاں لپیٹ کر اس میں رکھ دیں تو وہ شگاف بحکم خدا مل گیا اور تختیاں اس میں چھپ گئیں۔ جب حضرت رسالتمآبؐ مبعوث ہوئے تو ایک یمن کا قافلہ خدمت نبوی میں شرف یاب ہونے کے لئے آرہا تھا کہ اس پہاڑ سے ان کا گزر ہوا پس وہ پہاڑ پھٹا اور تختیاں ظاہر ہو گئیں۔ ان لوگوں نے اٹھالیں اور حضرت رسالتمآب کی خدمت میں ویسے کی ویسے لپٹی ہوئی لے آئے ادھر بذریعہ وحی کے حضورؐ کو اطلاع مل گئی۔ جب وہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم کو جو چیز ملی ہے وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرمایا مجھے جبرائیل نے خبر دی ہے۔ انہوں نے فوراً کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے وہ الواح سامنے رکھیں۔ آپ نے ان کو پڑھا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلا کر ان کے حوالے کر دیں اور حکم دیا کہ رات کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو جائیں۔ جب علیؑ رات کو سر کے نیچے رکھ کر سوئے اور صبح کو اٹھے تو ان کے تمام علوم کے آپ حافظ تھے حضورؐ نے ان کے لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ان کو اپنی قلم سے لکھ لیا۔ اور اسی کا نام جفر ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جفر ہمارے پاس موجود ہے اور عصائے موسیٰؑ بھی ہمارے پاس موجود ہے اور ہم ہی تمام انبیاء کے وارث ہیں۔

اقول :- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الواح تورات کے علاوہ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کو تورات کے علاوہ عطا ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ ص۹۵ :- آیت مجیدہ کے معنی میں کئی تاویلیں کی گئی ہیں۔

۱۔ آیات سے مراد معجزات انبیاء اور باقی ادلہ حقہ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہماری آیات کی تصدیق کی وجہ سے جو مومنوں

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ

ہر قسم کی چیز از روئے نصیحت کے اور تفصیل ہر شے کی پس پکڑ اس کو قوت سے اور حکم دے اپنی قوم کو پکڑیں اس کی

قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ ﴿١٤٥﴾ سَأَصْرِفُ

اچھی باتیں عنقریب دکھاؤں گا تم کو گھر فاسقوں کا عنقریب پھیر دوں گا

عَنْ آيٰتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۖ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا

میں اپنی آیات سے ان کو جو تکبر کرتے تھے زمین میں ناحق اور اگر دیکھیں ہر قسم کی آیت تو نہ ایمان لائیں

کے لئے کرامات و انعامات مقرر ہیں۔ ان سے متکبرین کو محروم کیا جائے گا جو ہدایت کے راستہ پر گامزن نہیں ہوتے اور گمراہی کے راستہ پر چلتے ہیں اور ہر قسم کی براہین و معجزات پر ایمان نہیں رکھتے پس انعامات الٰہیہ سے ان کی محرومی کی وجہ تکذیب آیاتِ الٰہیہ ہے۔ اس صورت میں ذالک بانھم الخ سأصرف کی تعلیل ہے۔

۲۔ اپنی آیات کی تکذیب سے متکبر لوگوں کے رخ پھیر دوں گا کہ وہ میری نشانیوں اور براہین حقہ میں جرح و قدح کا راستہ نہ پاسکیں گے کیونکہ اپنی آیات کو خوب محکم اور مضبوط کروں گا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جائے کہ فلاں شخص نے اپنے اخلاق کریمانہ کی بدولت اپنے دشمن کے منہ میں لگام دے دی یعنی متکبرین کے منہ میں لگام دے دوں گا۔ اس صورت میں ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ اپنے قریبی جملوں کی تعلیل ہے یعنی اِنْ يَرَوْا۔

۳۔ میری آیات کی تبلیغ کے سامنے جو لوگ از راہِ تکبر روڑے اٹکاتے پھرتے ہیں میں ایسے اسباب پیدا کروں گا کہ ان کا ناطقہ بند ہوگا اور خلل اندازی پر قدرت نہ پائیں گے۔ اس صورت میں بھی ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ کا تعلق اپنے قریبی جملوں کے ساتھ ہے۔

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ صد ۹۶: یعنی جو لوگ آیات کی تکذیب اور روزِ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے اعمال ناقابلِ جزا ہوں گے کیوں کہ اعمال کی صحت عقائد کی درستی پر موقوف ہے۔ جب ان کے عقائد غلط اور خلافِ واقع ہیں تو ان کے اعمال بھی باطل اور رائیگاں ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہم نے مقدمۂ تفسیر میں ایک مستقل عنوان میں کر دی ہے۔

بِهَا ۚ وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ

ساتھ اس کے اور اگر دیکھیں ہدایت کا راستہ تو نہ بنائیں اس کو راستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کا راستہ تو بنالیں اس کو

سَبِيلًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٤٦﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا

راستہ یہ اس لئے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تھے ان سے غافل اور جنہوں نے جھٹلایا

بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾

ہماری آیات کو اور قیامت کی پیشی کو حبط ہو گئے ان کے اعمال ان کو نہ بدلا دیا جائیگا مگر اس کا جو وہ کرتے تھے

رکوع نمبر ۸

سامری اور گوسالہ

وَاتَّخَذَ صـ۹۷ :۔ قصہ یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل فرعونیوں میں جزیہ دے کر زندگی بسر کیا کرتے تھے اور جب عید کا دن ہوتا تو انہی سے زیورات عاریۃً لے لیا کرتے تھے۔ جس دن حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر نکل جاؤ۔ وہ عید کا دن تھا اور فرعونیوں کے زیورات اُن کے پاس موجود تھے۔ جب دریائے نیل عبور کر کے پار ہوئے اور فرعون معہ لشکر کے غرق ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدۂ خداوندی کے ماتحت اپنے بھائی حضرت ہارون کو جانشین بنا کر کوہِ طور کی طرف چلے گئے۔ جب تیس دن گذر گئے تو سامری نے بنی اسرائیل سے فرعونیوں کے زیورات اکٹھے کر کے سونے کو پگھلا کر ایک گوسالہ کا نمونہ بنا دیا کیونکہ یہ شخص کاریگر تھا۔

مِنْ حُلِيِّهِمْ صـ۹۷ :۔ محلاً منسوب ہے کیونکہ وَاتَّخَذَ کا مفعول اوّل ہے اور دوسرا مفعول عجلاً ہے۔ یعنی اِتَّخَذَ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا اور جَسَدًا بدل ہے عِجْلًا سے۔

لَهُ خُوَارٌ ۔ یعنی وہ گائے کے بچے کی طرح آواز کرتا تھا۔ اس کے آواز کی وجہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جبرائیل کے گھوڑے کے سموں کی مٹی سامری نے اپنے پاس محفوظ رکھ لی تھی پس جب سونے سے بچھڑا بنایا تو اس کے منہ میں وہ مٹی ڈال دی۔ پس وہ آواز کرنے لگ گیا۔ سامری غالباً حضرت موسیٰؑ کی زبانی اس مٹی کی تاثیر سن چکا تھا۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس جسم کے اندر ایسے پرزے اس نے فٹ کئے تھے کہ وہ ہوا کو جذب کرتے تھے۔ یعنی نالی کی قسم کے کھو کھلے تھے پس جب اس کو ہوا کے رُخ پر رکھا جاتا تھا تو ہوا کی وجہ سے اس میں مخصوص آواز پیدا ہوتی تھی۔

۳۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک مخصوص جگہ پر اس کو نصب کر دیا جاتا تھا اور اس کے پیچھے ایک آدمی کو چھپا کر بٹھا دیا جاتا جو بچھڑے کی طرح اس میں منہ رکھ کر آواز کرتا تھا اور بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ بچھڑا بول رہا ہے۔ بہرکیف جو صورت تھی قرآن

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ

اور بنایا قوم موسیٰ نے اس کے بعد ان کے زیوروں سے بچھڑا ایک جسم جس کے لئے آواز تھی کیا

يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کے ساتھ نہ بات کرتا ہے اور نہ ان کو ہدایت کرتا ہے راستہ کی بنایا اس کو اور وہ تھے ظالم

شہادت دے رہا ہے کہ اس بچھڑے سے آواز آتی تھی۔ لہٰذا آواز کا آنا یقینی ہے خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔

چونکہ بنی اسرائیل نے دریا پار ہونے کے بعد جب ایک بُت پرست قوم کو دیکھا تھا تو حضرت موسیٰ سے التجا کی تھی کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کا ایک خدا بنایئے جس طرح ان لوگوں کا ہے تو آپ نے ان کو جاہل کہہ کر ڈانٹ دیا تھا لیکن ان کی خواہش دیرینہ ختم تو نہ ہوئی تھی صرف مرعوب ہو کر چُپ تھے۔ ادھر سامری کو موقعہ ہاتھ آیا اور ان کے سابقہ احساسات کا اس کو خوب پتہ تھا۔ پس ایک جسم بنا ڈالا اور اس سے آواز پیدا کر کے ان کو اس کا متوالا بنا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سونے کا جسم رہا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ گوشت و خون بن گیا تھا۔ خدا معلوم جو بھی ہو سادہ لوح بنی اسرائیل کی فریب دہی کے لئے وہ بہت کافی تھا۔ پس انہوں نے فریب خوردہ ہو کر اس کی پوجا شروع کر دی۔

سامری ایک ہوشیار و چالاک آدمی تھا۔ بات کرنے کا اس کو خوب ڈھنگ تھا اور پوری قوم پر اپنی ہوشیاری کی وجہ سے اس نے سکہ جمایا ہوا تھا اور لوگ اس کی مانتے تھے۔ جب حضرت موسیٰؑ کو تیس دن کوہ طور پہ گئے ہوئے گذر گئے تو اس نے اپنی تحریک کو مضبوط بنانے کے لئے اور اس کا راستہ ہموار کرنے کے لئے پہلے تو یہ مشہور کر دیا کہ حضرت موسیٰ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں ان کی واپسی کی انتظار فضول ہے۔ جب بنی اسرائیل کی طبائع میں یہ انتشار ڈالا تو فوراً بچھڑا بنا کر ان کو اس کی عبادت کی دعوت دے دی اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس کی اطاعت شروع کر دی

حضرت ہارون ان کو لاکھ سمجھاتے بجھاتے رہے اور بُت پرستی کے نتائج بد سے ان کو آگاہ کرتے رہے۔ بہرکیف عہدہ تبلیغ جو کچھ اور جس حد تک ان پر عائد تھا۔ اس کے ماتحت اُنہوں نے کمی نہ کی لیکن نتیجہ یہ ہُوا کہ اکثریت نے ذرہ بھر اثر نہ لیا۔ البتہ کچھ آدمی غیر جانبدار ہو گئے اور نہایت ہی کم مقدار تھی جو حضرت ہارونؑ کی بات مان گئے اور گوسالہ پرستوں سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے۔

ادھر کوہ طور پہ خداوند کریم نے سامری کا کرتوت اور قوم کی گوسالہ پرستی کا ڈھونگ حضرت موسیٰؑ پر واضح کر دیا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ ۔ یہ ایک محاورہ ہے جو انتہائی قلق و اضطراب کو ظاہر کرتا ہے۔ جب ان کے ہاتھ سے نکل گئی یعنی انتہائی مضطرب ہوئے اور یہ اس وقت جب حضرت موسیٰؑ نے واپس آکر سرزنش کی اور گوسالہ کو آگ میں جلا دیا۔ (برہان)

وَلَمَّا سُقِطَ فِیٓ اَیۡدِیۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ

اور جب ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور سمجھا کہ ہم گمراہ ہو چکے ہیں تو کہنے لگے اگر

لَّمۡ یَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَیَغۡفِرۡ لَنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۱۴۹﴾

نہ رحم کرے ہمارا رب اور نہ بخشے ہمیں تو ہم ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں

امتِ اسلامیہ کی امتِ موسویہ سے تشبیہ جس کا لسان قرآن اور زبانِ پیغمبرؐ نے اپنی امت پر واضح الفاظ میں اعلان فرمایا ہے۔ غالباً تاریخی حقائق پر نظر رکھنے والے اس لحاظ سے ہر دو امتوں میں سرِمو فرق نہیں نکال سکتے اور حضورؐ نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا تھا کہ جو کچھ وہاں ہوا تھا وہ سب کچھ تم میں ہو گا اور دونوں امتوں کے درمیان مکمل تشبیہ کی مثال دے دی کہ فرمایا۔

حذو النعل بالنعل :۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید صرف سابقہ انبیاء کے قصوں کو ہی دہراتا ہے اور قرآن حکیم کو صرف قصہ خوانی کی حیثیت دے رکھی ہے لیکن اگر دور رس نگاہوں سے اس حکیمانہ طرزِ بیان پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے۔ تو سلیم الطبع انسان صحیح نتیجہ تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے اور وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ صرف قصہ ہی قصہ نہیں بلکہ موجودہ امت کے لئے درس آموز اور نصیحت آمیز بیان ہے تاکہ یہ لوگ اس قسم کی غلط کاریوں میں مبتلا نہ ہوں جن کا خمیازہ سابقہ امتوں کو بھگتنا پڑا تھا اور قرآن مجید نے رسالتمآبؐ کی آمد کو حضرت موسیٰؑ کی آمد کے ساتھ تشبیہ دے دی تاکہ امتِ اسلامیہ کے کان کھلیں اور پھر پیغمبر کی زبان وحی ترجمان نے اس کی پوری وضاحت فرما دی تاکہ کند سے کند ترین افرادِ امت بھی منشاءِ خداوندی کے سمجھنے میں پیچھے نہ رہیں لیکن جاہ طلبی اور اقتدار کی پیاس نے ان سب باتوں سے چشم پوشی کرنے پر مجبور کیا نہ اثر لینا تھا اور نہ لیا اور سب کچھ ویسا ہی کر دکھایا جو حضرت موسیٰؑ کی امت نے کیا تھا۔ لہٰذا قرآن مجید کی آیات کا ظاہر اگرچہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو ان کے مصداق ظاہری تھے لیکن انہی آیات کا باطن اور تاویل تا قیامت ان لوگوں کے حق میں ہے جو ان جیسے اعمال و کردار کا مظہر بنیں گے اور حضور کا واضح فرمان یاعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الخ اگر سوچا سمجھا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور کی حیثیت موسیٰ کی تھی اور علیؑ کی حیثیت ہارونؑ کی تھی۔ وہاں حضرت موسیٰ کی وصیت تھی کہ میرا بھائی ہارونؑ میرا خلیفہ ہے۔ اس کی اطاعت کرنا یہاں بارہا حضورؐ نے ببانگِ دہل ارشاد فرمایا کہ علیؑ میرے بعد خلیفہ ہے اس کی اطاعت کرنا وہاں ہارونؑ کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوئی اور اکثریت نے ہارونؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہاں حضرت علیؑ کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوئی اور اکثریت نے حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا وہاں ہارونؑ کو شکایت تھی کہ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَکَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ کہ تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا تھا اور میرے قتل کے درپے تھی[1] وہاں حضرت موسیٰؑ کے چلے جانے کے بعد لوگوں کی اکثریت دین چھوڑ کر مرتد ہو گئی تھی اور

[1] یہاں حضرت علیؑ کو شکایت ہے کہ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِیۡ وَکَادُوۡا یَقۡتُلُوۡنَنِیۡ یعنی تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور میرے قتل کے درپے تھی۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن

اور جب پلٹے (حضرت) موسیٰ طرف اپنی قوم کے غصہ میں افسوس کرتے ہوئے فرمایا برا کیا ہے تم نے میرے

بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ

بعد کیا سبقت کی تم نے اپنے رب کے امر سے اور پھینکا تختیوں کو اور پکڑا سر اپنے بھائی کا کہ

يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي

اسے کھینچا اپنی طرف اس نے کہا ماں جائے تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں

فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ

پس نہ خوش کر میرے ساتھ دشمنوں کو اور نہ قرار دے مجھے ساتھ ظالم لوگوں کے کہا اے رب

اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

بخش مجھے اور میرے بھائی کو اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما کہ تو ارحم الراحمین ہے

یہاں بھی ارتداد کی کوئی کمی نہیں تھی تھوڑے تھے جو دینِ خدا پر ثابت قدم رہے ورنہ اکثریت کا دین صرف اقتدار ہی اقتدار تھا چنانچہ حدیثِ حوض جو صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا۔ بہت سے لوگ جن کو میں جانتا ہوں گا میرے سامنے حوض سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں۔ پس ندا آئے گی آپ کو پتہ نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کون سے کرتوت کئے ہیں یہ لوگ آپ کے بعد مُرتد ہو گئے تھے اور پچھلے قدم دین سے پھر گئے تھے۔ ہم نے مقدمہ تفسیر میں حدیثیں من وعن باحوالہ نقل کر دی ہیں۔ اگر طبیعت میں انصاف ہو تو حق سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں لیکن اگر تعصب وعناد طبیعت ثانیہ بن چکی ہو تو دلائل تو بجائے خود چشم دید معجزات بھی کارگر نہیں ہو سکتے۔

أَعَجِلْتُمْ: یعنی حضرت موسیٰؑ نے واپس آکر فرمایا کہ تم لوگوں نے وعدۂ خداوندی کے پورا ہونے کی انتظار بھی نہ کی۔ اور میرے چلے جانے کے بعد فوراً گوسالہ پرستی کا نیا دین گھڑ لیا اور غم وغصہ طبیعت میں اس قدر آیا کہ آتے ہی الواح کو الگ پھینک دیا اور حضرت ہارون کی ڈاڑھی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ علمائے اعلام نے حضرت موسیٰؑ کے اس فعل کی چند توجیہات کی ہیں۔

۱۔ جس طرح انسان فرطِ غم میں آکر حیرت وتعجب میں گرفتار ہو کر اپنی ڈاڑھی پکڑ لیا کرتا ہے اسی طرح ان کی بت پرستی سے اس قدر سخت متاثر ہوئے کہ اپنے فرطِ غم اور شدتِ حزن وملال کا اظہار متفکرانہ انداز سے اس صورت میں کیا کہ حضرت ہارونؑ کی ڈاڑھی پکڑی اور حضرت ہارونؑ یہ سمجھے کہ مجھ پر ناراض ہو رہے ہیں فوراً عرض کی حضورؑ اس میں میرا قصور کوئی نہیں ہے یہ

لوگ مجھے کمزور سمجھ کر مجھے مارنے پر تلے ہوئے تھے تب حضرت موسیٰؑ نے فوراً دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور اپنی رحمت میں ہم کو جگہ دے۔

(۲) حضرت ہارونؑ کو اپنی طرف بوجہ ناراضگی کے نہیں بلکہ حقیقتِ حال کے معلوم کرنے کے لئے کھینچا تھا۔

(۳) حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو جو تکلیف ان کے دل میں ہوئی تھی اور جو اضطراب وقلق ان کو تھا دیکھا کہ حضرت ہارونؑ بھی اپنے مقام پر اسی درد دل اور پریشانی میں مبتلا ہیں اور ان کو بھی قوم کے ارتداد اور بے دینی کا ویسا ہی احساس ہے لہٰذا آکر ہارونؑ کو گلے لگانے کے لئے اور درد وغم کم کرنے کی خاطر ان کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور حضرت ہارونؑ نے سمجھا کہ شاید جہال یہ جانیں گے کہ حضرت موسیٰؑ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ لہٰذا فوراً عرض کر دی کہ میں اس معاملہ میں اپنی حجت تمام کر چکا ہوں اور خود بے قصور ہوں تو حضرت موسیٰؑ نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون دونوں کے لئے دست بدعا ہو کر اپنے عمل سے واضح فرما دیا کہ ہارونؑ کو میرا اپنی جانب کھینچنا توہین کے لئے نہیں تھا بلکہ پیار ومحبت کے لئے تھا۔

فَلَا تُشْمِتْ :۔ شماتت سے ہے اور اس کا معنی ہے کسی کی مصیبت یا تکلیف پر خوش ہونا اور ایک حدیث میں حضرت جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اپنے برادر ایمانی پر شماتت نہ کرو یعنی اس کی مصیبت پر خوش نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خدا اس پر رحم کر کے اس کو معاف کر دے اور تجھے گرفتار کرے اور فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے برادر ایمانی کی مصیبت کو دیکھ کر خوش ہو تو دنیا سے نہیں جائے گا۔ جب تک کہ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو گا۔ (اصول کافی صفحہ ۳۶۱ باب الشماتتہ)

رکوع نمبر ۹

اِنَّ الَّذِیْنَ صفحہ ۱۰۱ :۔ تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو عبد بھی اپنے ایمان کو چالیس دن تک اللہ کے لئے خالص رکھے یا جو عبد بھی چالیس دن تک اللہ کے ذکر کی مدت مقرر کرے۔ خدا اس کو دنیا سے بے نیاز کر دے گا اور اس پر اس کے نفس کی بیماری اور علاج واضح فرما دے گا اور اس کے دل میں حکمت کو جگہ دے گا اور زبان پر حکمت کو جاری کرے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر فرمایا کوئی صاحب بدعت نہ دیکھو گے مگر یہ کہ وہ ذلیل ہو گا اور اللہ ورسولؐ واہلبیتؑ پر کوئی افترا باندھنے والا نہ پاؤ گے مگر رسوا وخوار۔

سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ :۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی، ان کو قتل کی سزا دی گئی۔ جس طرح کہ تفسیر کی جلد دوسری میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے لیکن اس مقام پر فعل مستقبل کا استعمال ان لوگوں کی تنبیہ اور تہدید کے لئے معلوم ہوتا ہے جو امت موسیٰؑ کی غلط کاریوں کو اپنانے والی تھی تاکہ قبل از وقت ان کو خواب غفلت سے جگا کر حجت تمام کر دی جائے اور قرآن مجید میں اس واقعہ پر پُر زور سرزنش اور متعدد بار اس کا نہایت اہمیت کے ساتھ تذکرہ قرآن

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ

تحقیق جنہوں نے بنایا بچھڑے کو (خدا) پہنچے گا ان کو غضب اپنے رب کا اور خواری

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا

زندگی دنیا میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے افتراء کرنے والوں کو اور جنہوں نے عمل

السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا

بُرے کئے پھر توبہ کی بعد اس کے اور ایمان لائے تحقیق تیرا رب اس کے بعد البتہ

لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ

بخشنے والا مہربان ہے اور جب ختم ہوا موسیٰ کا غصہ پکڑا تختیوں کو

وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾

اور اس کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں

کے ماننے والوں (یعنی اہل اسلام) کو متوقع خرابیوں سے بچانے کے لئے تازیانہ عبرت کی حیثیت ہے ورنہ اگر صرف قصہ بیان کرنا مقصود ہوتا۔ اولاً شان حکیمانہ کے خلاف ہے ثانیاً ایک ہی مرتبہ سنا دینا کافی تھا۔ یہ بار بار کی دہرائی صرف مسلمانوں کو ہوشیار و بیدار کرنے کے لئے ہے کہ مبادا یہ لوگ مبتلا ہوجائیں لیکن مسلمانوں نے ہوس اقتدار میں آکر خدا اور رسولؐ کی ایک نہ سنی اور اپنی من مانی کرکے رہے۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا ۔ گنہگار امت کی تسلی کے لئے ہے کہ اگر غلطی ہوجائے لیکن بعد میں انسان توبہ کرلے تو خداوند کریم اس کو بخش دیتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت رسالتمآبؐ کے خصوصی اصحاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے سلیمان، مقداد اور ابوذر کا نام لیا۔ راوی نے عمار کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ بھی اچھا تھا۔ لیکن ابتداءً یہ بھی پھسلنے والوں میں سے تھا اور بعد میں سنبھلا تھا۔ بہرصورت معصوم کا ارشاد ہے۔ گناہ سے توبہ کرنے والا انجام کے لحاظ سے نہ گناہ کرنے والا ہے (کافی)

حقِ انتخاب

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ ص۱۰۲ ۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ مروی ہے۔ معصومؑ سے دریافت کیا گیا۔ حضور فرمائیے لوگوں کو اپنے امام کے انتخاب کا اختیار کیوں نہیں دیا گیا؟ آپ نے فرمایا تیرا سوال سمجھنے کیلئے ہے یا بحث کے لئے؟ تو اس نے عرض کی حضورؑ میرا سوال سمجھنے کے لئے ہے۔ پس آپ نے فرمایا۔ جب ایک

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور چُنے موسٰی نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ گاہ کے لئے تو جب پکڑا ان کو زلزلہ نے

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

کہا موسٰی نے اے رب اگر تو چاہتا تو ان کو مار دیتا پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے بوجہ فعل بیوقوفوں

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ

کے ہم سے ، نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہے اور ہدایت کرتا ہے جسے

تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

چاہے تو ہی ہمارا ولی ہے پس بخش ہمیں اور ہم پر رحم کر اور تو بہتر بخشنے والا ہے

مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان دوسرے کے دل کی بات نہیں جان سکتا کہ اس میں اچھائی ہے یا برائی تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ مل کر ایک فسادی اور برے آدمی کو چُن بیٹھیں ؟ راوی نے عرض کی ۔ جی ہاں ! آپ نے فرمایا ۔ اسی وجہ سے خدا نے امام کے انتخاب کا حق ان کو نہیں دیا ۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ۔ میں ایک ایسی دلیل پیش کرتا ہوں کہ تیرا عقل مان جائے ۔ مجھے یہ بتاؤ کہ خدا نے جو رسول چُنے ہیں اور ان پر کتابیں اُتاریں اور ان کو زیورِ عصمت سے آراستہ بھی کیا جیسے حضرت موسٰیؑ اور حضرت عیسٰی علیہما السلام تو باوجود کمالِ عقل و فہم کے کیا ہوسکتا ہے کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ایک شخص کو مومن سمجھ کر انتخاب کر بیٹھیں اور وہ درحقیقت منافق ہو ؟ راوی نے عرض کی کہ نہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ سوچ کر بتاؤ حضرت موسٰیؑ نے باوجود کمال عقل و فہم کے اپنی قوم میں چیدہ ستر آدمی انتخاب کئے جن کے ایمان میں ذرہ بھر شک نہیں تھا لیکن درحقیقت وہ منافق تھے چنانچہ قرآن مجید حکایت کرتا ہے حضرت موسٰیؑ نے ستر آدمیوں کو چنا اور یہی وہ تھے کہ ان کے ظلم و انکار کی وجہ سے ان پر صاعقہ نازل ہوا اور مر گئے ۔ آپ نے فرمایا ۔ جب ہم نے دیکھا کہ ایک نبی مصطفٰےؐ کا انتخاب غلط ہوسکتا ہے اور مومن کے خیال سے فسادی کا انتخاب کر بیٹھتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ انتخاب کا حق صرف اسی ذات کے لئے ہے جو دلوں اور سینوں کے رازوں کو جاننے والی ہے ۔ اس وضاحت کے بعد جب نبی کا انتخاب نیک سمجھتے ہوئے بد پر ہوسکتا ہے تو پھر مہاجرین و انصار کے انتخاب کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے ۔

اِنْ هِيَ اِلَّا : جب خداوندِ کریم نے حضرت موسٰیؑ کو قوم کی گوسالہ پرستی کی خبر دی اور موسٰیؑ نے پوچھا کہ گوسالہ تو سامری نے بنایا لیکن بولنے کی طاقت کس نے دی تو ارشاد ہوا وہ میں نے دی ہے پس موسٰیؑ نے عرض کی ۔ میرے پروردگار بس تیری یہ آزمائش ہے اسی کے ذریعے سے پاس ہونے والے کو راہِ راست ملے گا اور فیل ہونے والا گمراہی کی پُرخطر وادی میں جا

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ قَالَ

اور لکھ ہمارے لئے اس دنیا میں نیکی اور آخرت میں تحقیق ہم جھک گئے تیری طرف فرمایا

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا

اپنا عذاب دیتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت وسیع ہے ہر شے سے پس اس کو لکھوں گا

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ان کے لئے جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں

گرے گا چونکہ اسباب اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ ورنہ انسان کا ہدایت یا گمراہی کو اختیار کرنا اس کے اپنے اختیار کی بات ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے ضلالت و ہدایت دونوں کو ذات اقدس الٰہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اگر خدا کی طرف سے آزمائش کا قصہ نہ ہوتا مثلاً گوسالہ میں بولنے کی طاقت نہ پیدا کرتا تو کیوں کوئی اس کو پوجتا اور وہ بھی چاہتا ہے کہ سوچ سمجھ کر جو ایمان لائے وہ مقبول ہے اندھا دھند ایمان لانا۔ اس کو بھی پسند نہیں اسی لئے ایسے اسباب و حالات پیدا کرتا ہے کہ کوئی ایمان لائے تو سوچ سمجھ کر اور کوئی گمراہ ہو تو بھی سوچ سمجھ کر جس طرح فرمایا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ یعنی ہم نے انسان کو راہ دکھا دی خواہ وہ شکر گزار ہو یا کافر ہو اور مسئلہ جبر و اختیار پر سیر حاصل تبصرہ ہم تفسیر کی دوسری جلد میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ: تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل زلزلہ کے عذاب میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارونؑ کے قتل کا الزام لگایا تھا۔ واقعہ اس طرح تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اور حضرت ہارونؑ کے دونوں فرزند شبر اور شبیر پہاڑ کی طرف گئے اور دامن کوہ میں حضرت ہارونؑ سو گئے اور خدا نے ان پر موت نازل کر دی۔ پس حضرت موسیٰؑ ان کو دفن کر کے واپس آ گئے تو بنی اسرائیل نے پوچھا۔ ہارونؑ کہاں گئے؟ تو آپ نے جواب دیا۔ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں بلکہ چونکہ حضرت ہارونؑ نہایت خلیق اور ملنسار انسان تھے اور ہمیں ان کے ساتھ کافی وابستگی تھی۔ اس لئے آپ نے حسد کیا ہے اور ان کو قتل کر دیا ہے چنانچہ حضرت ہارونؑ کی قبر پر موسیٰؑ ان کو ساتھ لائے اور حضرت ہارونؑ سے خطاب کر کے فرمایا۔ بتائیے تجھے قتل کیا گیا ہے یا اپنی موت سے مرا ہے۔ حضرت ہارونؑ نے قبر کے اندر سے جواب دیا۔ میں اپنی موت مرا ہوں مجھے کسی نے قتل نہیں کیا۔ پس موسیٰؑ پر اس الزام لگانے کی وجہ سے مورد عذاب خداوندی ہوئے اور صاعقہ یا زلزلہ سے جل کر خاکستر ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے وزراء تھے اور ظاہر میں اطاعت گذار اور

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَ

جو لوگ اتباع کرتے ہیں رسول کی جو نبی امی ہے جس کو وہ پاتے ہیں مکتوب اپنے ہاں

هُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

تورات اور انجیل میں ان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہے برائی سے

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر خبیث چیزیں اور دور کرتا ہے ان سے ان کے

اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ

بوجھ اور طوق جو ان پر ہیں پس جو لوگ ایمان لائے اس پر اور اس کی تعظیم کی

وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷ ع

اور نصرت کی اور اتباع کی اس نور کی جو اتارا گیا ساتھ اس کے وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے

فرمانبردار اور نیکی کی طرف بڑھنے والے تھے۔ اس لئے دعا کی اور ان کے لئے روئے تو خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا کیونکہ اس کی رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔ مسلم و کافر ہر ایک پر دنیا میں رحمت کرتا ہے لیکن بروز قیامت اس کی رحمت مومنوں کے ساتھ مختص ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کافر و مومن دونوں نے آباد ہو کر رہنا ہے اور خدا کی نعمات مومنوں کی وجہ سے کافروں پر نازل ہوتی ہیں گویا دنیا میں کفار مومنین کی وجہ سے نعمات پاتے ہیں لیکن بروز قیامت مومن تو چلے جائیں گے جنت میں لہذا کافر اس کی رحمت سے یکسر محروم ہو جائیں گے۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے ایک شخص کے ہاتھ میں چراغ ہو اور دوسرا شخص بھی اس کی روشنی میں چل رہا ہو تو جب تک ان کا سفر مشترک ہوگا۔ دونوں روشنی میں رہیں گے لیکن جہاں سے سفر الگ الگ ہوگا۔ چراغ والا چراغ لے کر چلا جائے گا اور دوسرا اندھیرے ہی میں رہے گا۔ پس خدا کی رحمت بروز محشر مومنوں سے مختص ہونے کا یہی مطلب ہے (واللہ اعلم)

اَلْاُمِّيّ :۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے چونکہ آپ اُمُّ الْقُرٰی یعنی مکہ میں پیدا ہوئے۔ اس لئے ان کو امی کہا گیا ہے اور تفسیر صافی میں امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ ۷۲ یا ۷۳ زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے اور یہ عدد صرف کثرت مطلقہ کے بیان کے لئے ہے ورنہ چونکہ آپ عالمی رسول تھے اس لئے وہ عالمی زبانوں پر حاوی تھے اور اسی طرح اُن کے جانشین بھی عالمی زبانیں جانتے تھے کیوں کہ وہ عالمین کے ہادی تھے۔

یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا صنہ :- گویا ان اہل کتاب کی تعریف ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی کتاب میں حضورؐ کے اوصاف پڑھ کر آپ کی اتباع کی چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی حضور کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی۔ میں نے آپ کی تمام اوصاف تورات میں دیکھی ہیں کہ مکہ میں ولادت ہوگی۔ مدینہ میں ہجرت ہوگی۔ نہ بدگو نہ سخت مزاج نہ اونچا بولنے والا اور نہ بے ہودہ کلام کرنے والا ہوگا پس اس نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوگیا اور تمام کتب سماویہ سابقہ میں حضرت رسالتمآبؐ کی بشارت درج تھی اور انبیاء کو حضورؐ کے متعلق بالخصوص وصیت کی گئی تھی۔

چنانچہ مجمع البیان سے مروی ہے تورات کے سفر خامس میں اس طرح ارشاد ہے۔ ان کی برادری میں سے ان میں ایک نبی بھیجوں گا اور میں اپنی کلام اس کی زبان میں رکھوں گا پس وہ وہی کچھ کہے گا جو میں اس کو وصیت کروں گا۔

اور نیز اسی میں مکتوب ہے کہ کنیز کے فرزند (اسمٰعیل) پر میں نے برکت نازل کی اور اس کی پشت سے بارہ عظیم الشان شخصیتیں پیدا ہوں گی جو بڑی امت کے لئے آخر میں رہبری کریں گے۔

انجیل میں حضورؐ کی بشارت درج ہے اور اس میں آپ کو فارقلیط کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے چنانچہ ایک مقام پر حضرت مسیحؑ کا کہنا ہے کہ میں جا رہا ہوں اور تمہارے پاس فارقلیط آئے گا اور وہ روح حق ہوگا جو اپنی مرضی سے بات نہ کرے گا اور وہ تمہارا نذیر ہوگا۔ الخ فارقلیط یونانی زبان ہے اس کا معنی ہے ایسا شخص جس کی لوگ تعریف کریں اور اس کی حمد بیان کریں یعنی یونانی فارقلیط کا وہی مفہوم ہے جو عربی میں لفظ محمدؐ کا ہے۔

اَلطَّیِّبٰتُ :- طیبات کا معنی ہے پاکیزہ چیزیں اور خبائث کا معنی ناپاک اور مکروہ الطبع چیزیں اور ان کا مفصل بیان پانچویں جلد تفسیر میں ہو چکا ہے۔

اِصْرَھُمْ :- اصر کا معنی ہے بوجھ جس طرح بنی اسرائیل اگر گناہ کرتے تھے تو ان کو ان کی مناسب سزا دی جاتی تھی اور اسلام والوں پر اللہ کا احسان یہ ہے کہ اگر گناہ کریں تو ان کے لئے توبہ کی گنجائش ہے اور توبہ سے اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ بوجھ ساقط ہو گیا جو بنی اسرائیل پر تھا۔

وَالْاَغْلٰلَ :- جمع غل کی ہے جس کا معنی ہے طوق گردن یعنی جو عہود و مواثیق ان کی گردنوں میں پہلے سے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے ان سے وہ اٹھا دیئے مثلاً سابقہ شرائع میں نجس جگہ کو کتر دیا جاتا تھا اور اب دھونا کافی ہے یوم سنیچر کا شکار حرام تھا۔ اب حلال ہے ان پر چربی حلال جانوروں کی بھی حرام تھی لیکن اب حلال ہے قتل کے بدلہ میں وہاں صرف قصاص تھا دیت نہ تھی لیکن اب دیت بھی بدلا ہو سکتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس یعنی دینِ اسلام سابقہ ادیان کے مقابلہ میں آسان اور سہل دین ہے۔

وَالنُّوْرَ الَّذِیْ :- صافی میں بروایتِ عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس جگہ نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہے اور بروایت کافی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نور سے مراد اس جگہ حضرت علیؑ اور باقی آئمہ میں اور

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کہہ دیجئے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف وہ اللہ جس کے لئے ہے ملک آسمان و

وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ

زمین کا نہیں کوئی معبود مگر وہی جو جلاتا اور مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر

الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ

جو ایمان رکھتا ہے اس کے کلمات پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ اور

قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک گروہ ہے جو دعوت حق دیتا ہے اور اسی کے ماتحت فیصلے کرتا ہے اور ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ

بارہ گروہ اور ہم نے وحی کی طرف موسیٰ کے جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے کہ مار

مجمع البیان میں مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ سے فرمایا تھا۔ مخلوق میں سے بہترین ایمان کس کا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ملائکہ کا تو آپ نے فرمایا۔ ملائکہ اپنے پروردگار کے جوار قدس میں موجود ہیں وہ کیسے ایمان نہ لائیں یعنی ان کا ایمان لانا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے تو صحابہ نے عرض کہ پھر انبیاء علیہم السلام کا ایمان بہترین ایمان ہے تو آپ نے فرمایا کہ انبیاء کو جب خداوند کریم کی جانب سے وحی کا شرف حاصل ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خدا سے وحی ہونے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں۔ پس صحابہ نے عرض کی کہ پھر ہمارا ایمان افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب محمد جیسا رسولؐ تم میں موجود ہے تو تمہارے ایمان لانے میں کیا کمال ہے بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے جو کتابوں میں لکھا ہوا پائیں گے اور دیکھے بغیر ایمان لائیں گے اور اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ واتبعوا النور الذی انزل معہٗ۔

رکوع نمبر ۱۰

اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ :۔ تفسیر برہان میں امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے عرض کی کہ آپ رسالتمآبؐ کا دعوٰے کرتے ہیں اور یہ کہ آپ پر بھی حضرت موسئے کی طرح وحی ہوتی ہے ؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں ! اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولادِ آدم کا سید و سردار

ہوں اور یہ فخر نہیں ہے اور میں خاتم النبیین اور امام المتقین اور عالمین کے پروردگار کا رسول ہوں۔ وہ کہنے لگے یہ بتائیے آپ عربوں پر مبعوث ہوئے یا عجموں کی طرف بھیجے گئے ہیں یا ہم لوگوں کی طرف رسول بن کر آئے ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی کہ فرما دیجئے میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔

وَكَلِمَاتِهِ :- کلمات سے مراد ہے سابقہ کتابیں اور وحی اور قرآن وغیرہ

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ :- تفسیر برہان میں ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے راس الجالوت سے قسمیہ دریافت کیا کہ بتاؤ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کی امت کتنے فرقوں میں تقسیم ہوئی تو اس نے کہہ دیا صرف ایک فرقہ تو آپؑ نے فرمایا۔ جھوٹ بولتا ہے۔ خدائے واحد کی قسم حضرت موسیٰؑ کی امت اکہتر جماعتوں پر تقسیم ہوئی باقی سب جہنم میں جائیں گے صرف ایک جنت میں جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت قائم آل محمدؐ ظہور فرمائیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے اس آیت کے مصداق آپ کے ہمراہ ہوں گے نیز اصحاب کہف اور یوشع بن نون وصی موسیٰؑ مومن آل فرعون سلمان پاک، ابودجانہ انصاری اور مالک اشتر بھی آپ کے ہمراہ ہوں گے۔

اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ :- حضرت یعقوب کے بارہ فرزند تھے اور ہر ایک کی نسل بڑھی پس ہر ایک کی نسل کو سبط و امت کہا جاتا ہے اور مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ قائم آل محمد علیہ السلام جب ظہور فرمائیں گے اور مکہ سے کوفہ کی طرف کوچ فرمائیں گے تو اعلانِ عام ہو گا کہ کوئی شخص اپنے ساتھ زادِ راہ نہ اٹھائے چنانچہ وہی پتھر اپنے پاس رکھیں گے۔ اور ہر منزل پر اس سے چشمہ پھوٹے گا کہ اس سے بھوکا شکم بھرے گا اور پیاسا سیراب ہو جائے گا اور حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ الواح موسیٰؑ ہمارے پاس ہیں اور عصائے موسیٰؑ بھی ہمارے پاس موجود ہے (برہان)

تفسیر مجمع البیان میں ایک طویل روایت کے ضمن میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب امتِ پیغمبر آخرالزمان کے ذاتِ احدیت سے فضائل سنے تو آخر میں دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے بھی حضرت خاتم الانبیاء کی امت سے کر۔

باقی آیاتِ مجیدہ کی تفسیر اسی کتاب کی دوسری جلد میں مفصلاً گزر چکی ہے لہٰذا اعادہ ضرورت نہیں ہے۔

بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ

اپنا عصا پتھر پر بس پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر بندے نے

مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ

اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر بادل کا اور اتارا ان پر من اور سلوی کھاؤ

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ

پاکیزہ رزق جو دیا ہم نے تم کو اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا وہ تو اپنے اوپر

يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

ظلم کرتے تھے اور جب کہا گیا ان کو کہ ٹھہرو اس بستی میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو

وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ

اور کہو حِطّۃٌ اور داخل ہو دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دیں گے ہم تمہارے گناہ عنقریب زیادہ دیں گے

الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي

احسان کرنے والوں کو تو تبدیل کیا جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے بات کو علاوہ اس کے جو بتایا گیا ان

قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

کو تو بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بوجہ اس کے جو ظلم کرتے تھے

رکوع نمبر ۱۱

وَسْئَلْهُمْ ص ۱۰۹ :- یہ سوال توبیخ کے لئے ہے نہ کہ طلب حقیقت کے لئے وہ بستی باختلاف ایلہ یا مدین یا طبریہ تھی۔ جو دریا کے کنارہ پر واقع تھی ان کا تجاوز یہ تھا کہ سنیچر کے دن ان پر مچھلی کا شکار ممنوع تھا اور اس دن مچھلی یوم امن سمجھ کر سروں کو باہر نکال کر سامنے آجایا کرتی اور ہفتہ کے باقی ایام میں پانی کے اندر غوطہ زن رہتی تھی تو وہ سنیچر کے دن جال لگا رکھتے تھے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنس جائیں پھر اتوار کے دن پھنسی ہوئی مچھلیوں کو نکال کر کھاتے اور بیچتے تھے یا یہ کہ انہوں نے علیحدہ حوض بنا لئے تھے۔ سنیچر کے دن جو مچھلیاں اندر آجاتی تھیں تو ان کے واپس ہونے کا راستہ بند کر دیتے تھے، پھر اتوار کے دن

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ

اور ان سے پوچھ اس بستی کے متعلق جو دریا کے کنارہ پر واقع تھی جب تجاوز کرتے تھے سنیچر کے دن جب

تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ

آتی تھیں ان کی مچھلیاں سنیچر کے دن ظاہر اور سنیچر کا دن نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے

كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۳﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ

پاس اسی طرح ہم آزماتے رہے ان کو بوجہ اس کے کہ فسق کرتے تھے اور جب کہا ایک جماعت نے ان سے کہ

تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً

کیوں وعظ کرتے ہو ایسی قوم کو جن کو خدا ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب کرنیوالا ہے عذاب سخت تو وہ کہنے لگے کہ یہ عذر خواہی

إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ

کیلئے ہے طرف تمہارے رب کے اور شاید وہ ڈر جائیں پس جب انہوں نے بھلا دیا جو یاد دلائے گئے تو ہم نے نجات دی ان کو جو منع

عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۵﴾

کرتے تھے برائی سے اور پکڑا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا ساتھ عذاب سخت کے بوجہ اس کے کہ وہ فسق کرتے تھے

بآسانی ان کو پکڑ لیا کرتے تھے اور یہ امتناعی حکم ان کی بعض سرکشیوں کے ماتحت آزمائشی تھا۔

وَاِذْ قَالَتْ :- بنی اسرائیل کے تین گروہ ہو گئے (۱) شکار کرنے والے (۲) خاموش (۳) شکاریوں کو روکنے والے تو جو گروہ خاموش تھا وہ ان وعظ کرنے والوں کو کہتا تھا کہ ان شکاریوں کو امر بالمعروف نہ کرو کیونکہ یہ مانتے تو ہیں نہیں لہذا ان کو کہنا فضول ہے اور اس صورت میں امر بالمعروف ساقط ہے یہ لوگ خدائی عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں تو ان کے جواب میں وعظ کرنے والا گروہ کہتا تھا کہ ہم تو اپنا فرض ادا کرتے ہیں تاکہ اللہ کے سامنے ہم اپنا عذر پیش کر سکیں اور ممکن ہے کہ وہ بھی نصیحت قبول کر لیں لیکن جب انہوں نے نہ مانا اور نصیحت کو ٹھکرا دیا تو خدا نے واعظ گروہ کو بچا لیا اور باقیوں کو ان کے فسق کے بدلے میں سخت عذاب دے دیا۔

فَلَمَّا عَتَوْا :- یعنی جب وہ لوگ نہی عن المنکر کرنے والوں کی نصیحت سے سرکش ہو گئے تو ہم نے ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَمَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱۶۶﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ

پس جب وہ سرکش ہوئے اس سے کہ ان کو منع کیا گیا تو ہم نے کہا ان کو ہو جاؤ بندر رسوا اور یاد کرو جب اعلان کیا تیرے رب

لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ

نے کہ بھیجوں گا ان پر قیامت کے دن تک ایسی قوم کو جو چکھائے ان کو بُرا عذاب تحقیق تیرا رب

لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا ۖ

جلدی سزا دینے والا ہے اور وہ تحقیق بخشنے والا مہربان ہے اور ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہم نے ان کو زمین میں گروہوں میں

مِنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶۸﴾

تو ان میں بعض صالح ہیں اور بعض غیر صالح اور ہم نے ان کو آزمایا ساتھ خوشحالیوں اور بدحالیوں کے تاکہ باز آجائیں

كُونُوا قِرَدَةً :- اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بندر بنا دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کو کہا گیا تم خود بندر بن جاؤ کیونکہ یہ امر محال ہے۔

قصّہ مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ سنیچر کا دن ہمارے جمعہ کی طرح ان کے لئے مقرر تھا کہ اس کی عظمت کو بحال رکھیں اور اس دن شکار نہ کریں۔ مچھلیاں اس دن بلا حساب سامنے آجایا کرتیں حتیٰ کہ پانی ان کی کثرت سے چھپ جاتا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ اپنے عہد پر کاربند رہے آخر شیطان نے ان کو سبق پڑھایا کہ سنیچر کے دن حوضوں میں پانی جمع کرلیا کرو یا جال لگالیا کرو اور اتوار کے دن پکڑ لیا کرو۔ پس وہ ایسا کرنے لگے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے ایک شخص نے سنیچر کے دن تاگے سے ایک مچھلی کو باندھ لیا اور اتوار کے دن پکڑ کر اس کو پکا کر کھالیا۔ دوسروں نے اس کو بُرا بھلا کہا لیکن جب دیکھا کہ اس پر کوئی عذاب نہیں آیا تو ان کے دلوں سے بھی خوف جاتا رہا اور وہ بھی آئندہ اسی طرح کرنے لگ گئے پس تین گروہ ہو گئے۔ اور آخر کار واعظ گروہ نے ان سے اپنی سکونت علیحدہ کرلی اور مجرمین کی تعداد تقریباً بارہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ ایک رات جو سوئے تو صبح کو مسخ ہو چکے تھے۔ عورتیں مرد بندر بن کر دُم ہلاتے نظر آئے۔ واعظ گروہ نے دیکھا کہ آج یہ لوگ گھروں سے کیوں نہیں نکلے انہوں نے شہر کا دروازہ کھولا اور دیکھا تو وہ مسخ ہو چکے تھے اب وہ روتے تھے لیکن عذاب خدا ٹل نہ سکتا تھا۔ واعظ گروہ کہتا تھا کہ ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا؟ تو وہ سر ہلاتے تھے اور پشیمانی کا اظہار کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ جوان بندر ہوئے تھے اور بوڑھے سور ہوئے تھے اور کہتے ہیں ۳ دن یا ۷ دن تک رہ کر لقمۂ اجل ہو گئے اور اُن کی نسل آگے نہیں بڑھی اور رسالت مآب سے منقول ہے کہ مسخ شدہ کی خدا نے نسل نہیں بڑھائی اور تفسیر صافی میں امام علی زین العابدینؑ سے ان کی تعداد اسی ہزار منقول ہے جن میں صرف دس ہزار کے قریب واعظ گروہ تھا جو بچ گئے

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى

پس پیچھے رہے ان کے بعد ایسے لوگ جو وارث ہوئے کتاب کے لیتے تھے نفع اس دنیا کا

وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ‌ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ

اور کہتے تھے عنقریب بخشا جائے گا ہمیں اور اگر آتا ان کے پاس نفع ان جیسا (دوبارہ) تو لے لیتے تھے کیا نہیں

عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ وَدَرَسُوۡا

لیا تھا ہم نے ان پر میثاق کتاب کا کہ نہ کہنا اللہ پر (کوئی بات) مگر حق اور پڑھا انہوں نے

مَا فِيۡهِ‌ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّـلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

جو اس میں تھا اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لئے جو ڈرتے ہیں کیا تم عقل نہیں رکھتے ؛

اور ان کے علاوہ سب کے سب عذاب میں گرفتار ہوئے۔

وَاِذۡ تَاَذَّنَ صنا :- یعنی خدا نے فیصلہ سنایا کہ یہودی قیامت تک مغلوب اور ذلیل و خوار رہیں گے۔ چنانچہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ہر حکومت میں ذلیل رہے ہیں۔ پہلے حضرت سلیمان کو تسلط ہوا پھر ان پر بخت نصر کا عذاب آیا اور پھر اہل اسلام کے ہاتھوں عذاب خداوندی میں گرفتار ہوئے وعلیٰ ہذا القیاس۔

اور اگر اس زمانہ میں ان کو ایک علاقہ کا اقتدار حاصل ہوا ہے۔ تاہم وہ دوسری حکومتوں کے مقابلہ میں برائے نام ہے بلکہ درحقیقت ان کا اقتدار غیر کے اقتدار کا مرہون منت ہے اور ممکن ہے اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ کی تحدید صرف طول مدت کے بیان کے لئے ہو نہ کہ واقعاً قیامت کا دن از روئے حقیقت ان کی ذلت و خواری کی حد ہو پس مقصد یہ ہو گا کہ ایک لمبی مدت تک یہ لوگ ذلیل و خوار رہیں گے اور اس قسم کا استعمال عرف عام میں شائع ہے واللہ اعلم۔

مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ صنا :- یعنی جب تک شریعت موسویہ کا دور دورہ تھا تو ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی تھے اور حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد تو نیک وہی کہلائے جا سکتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لائیں اور پھر ان میں بھی کئی نیک اور کئی بد ہوں گے اور جب رسالتمآب کی بعثت ہوئی تو اب نیک صرف وہی ہوں گے جو حضور کی رسالت کو تسلیم کر لیں گے اور دین اسلام کے ہمنوا ہو جائیں گے اور تعلیمات محمدیہ کو اپنا کر اصولاً و فروعاً اتباع کرنے والے ہوں گے ورنہ پرچم اسلامی کے نیچے جمع ہو جانے کے بعد بھی نیک و بد کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔

فَخَلَفَ :- یعنی یہود کا ایک دور گزرا اور پھر دوسرا ان کا قائم مقام ہوا تو انہوں نے پیسہ اپنا دین بنا لیا۔ خوب رشوتیں لیتے اور خلاف حکم خدا فیصلے کرتے اور یہ کہہ دیا کرتے کہ خدا بخش دے گا پھر دوسرے دن حکم خدائی کے خلاف فیصلہ کر

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

اور جو لوگ تمسک رکھتے ہیں کتاب سے اور قائم کرتے ہیں نماز کو بتحقیق ہم نہیں ضائع کرتے بدلہ

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا

نیکی کرنے والوں کا اور جب اکھیڑا ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر مثل چھتری کے اور انہوں نے گمان

کے رقم بٹور لیا کرتے حالانکہ ان کا عہد تھا کہ خلاف حکم خدا کہیں نہ جائیں گے اور کتاب اللہ کو بھی انہوں نے خوب پڑھا اور سمجھا ہوا تھا۔

اب مسلمان بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے کردار کا جائزہ لیں۔ یہ نہ سمجھ لیں کہ آیاتِ قرآنیہ صرف یہودیوں کی مذمت کر رہی ہیں بلکہ قیامت تک کی ہادی کتاب گذشتہ امتوں کی بدعنوانیاں اور ان کی عذابِ خُدا میں گرفتاریاں بیان کر کے امتِ اسلامیہ کو درس دے رہی ہے اور ان کو عذابِ خداوندی سے بچنے کی تلقین کر رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ :- اب کتاب سے تمسک کا مقصد یہ ہے کہ کتبِ سابقہ سماویہ پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت رسالتمآب کی نبوت پر بھی ایمان لائیں اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے لائحہ عمل کو اپنا دستورِ زندگی قرار دیں اور کتاب سے تمسک پکڑنے والوں کا دوسرا عمل نماز کو قائم رکھنا بیان فرمایا اور نماز کا بالخصوص تذکرہ تمام فرائضِ اسلامیہ سے نماز کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے ہے۔ اسی لئے حدیثِ نبوی میں وارد ہے کہ اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَاسِوَاهَا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَاسِوَاهَا اگر نماز قبول تو باقی اعمال قبول ہوں گے اور اگر نماز ردّ تو باقی اعمال بھی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے جائیں گے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا :- حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خداوندکریم نے بنی اسرائیل کو تورات عطا فرمائی۔ تو انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس جبل طور کو خُدا نے اُن کے سروں پر بلند کیا اور حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اگر قبول نہ کرو گے تو یہ پہاڑ تمہارے اُوپر گر پڑے گا۔ تب اُنہوں نے ڈر کے مارے قبول کیا۔ احتجاج طبرسی سے منقول ہے ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے صحابہ ارد گرد موجود تھے۔ اتنے میں طاؤس یمانی اپنی مخصوص جماعت کے ساتھ مجلس میں آداخل ہُوا اور آتے ہی آپ سے سوال کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دی تو اس نے سوالات کئے اور امام نے سب کے تسلّی بخش جواب دیئے۔ اس کے سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ کونسا پرندہ ہے جو ایک دفعہ اڑا ہے۔ نہ اس سے پہلے اڑا ہے نہ بعد میں اڑے گا اور خدا نے قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ طورِ سینا پہاڑ ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر سایہ فگن ہوا تھا جس میں قسم قسم کے عذابوں کے مناظر تھے۔ پس بنی اسرائیل نے اس کے ڈر سے تورات کو قبول کر لیا تھا اور اسی کا قرآن مجید میں تذکرہ موجود ہے۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ الخ

اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

کیا وہ گرنے والا ہے ان پر۔ پکڑو جو دیا ہم نے تم کو طاقت کے ساتھ اور یاد کرو جو اس میں ہے

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

تاکہ تم بچ جاؤ اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی ذریت کو

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ

اور گواہ کیا اپنے نفسوں پر کہ کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب تو کہا انہوں نے ہاں (ہے تو ہمارا رب)

رکوع نمبر ۱۲

عہدِ روزِ میثاق کی حقیقت

وَاِذْ اَخَذَ :۔ اس جگہ اَخذ کا معنی اُخرِجَ ہے یعنی نکالا۔

مِنْ ظُهُوْرِهِمْ :۔ یہ مِنْ بنی آدم سے بدل ہے یعنی مِنْ ظُهُوْرِ بَنِيْ اٰدَمَ

ذُرِّيَّتَهُمْ :۔ یہ اخذ کا مفعول ہے ذریت کا معنی جمع بھی ہوتا ہے اور واحد بھی ہوتا ہے۔ جمع کی مثال اسی آیت اور اس کے بعد والی آیت میں ہر دو مقام پر ذریت جمع کے معنی میں ہے اور واحد کی مثال جیسے حضرت ذکریا علیہ السلام کی دعا میں ارشادِ خداوندی ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۔ یعنی اے پروردگار عطا کر مجھے ذریتِ پاکیزہ اور یہاں واحد مراد ہے۔ کیوں کہ دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ ۔ یعنی اے رب عطا کر مجھے اپنی جانب سے ولی جو میرا وارث ہو۔

وَاَشْهَدَهُمْ :۔ اس مقام پر مفسرین میں زبردست اختلاف ہے کہ اس میثاق اور سوال وجواب کی حقیقت کیا ہے؟ چنانچہ اس بارے میں علمائے کرام کے دو مذہب مشہور ہیں۔

۱۔ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کی صلب سے بیک وقت اس کی تمام ذریت کو ذرات کی مانند نکال کر حضرت آدمؑ کے پیش کیا اور فرمایا کہ میں تیری ذریت سے عہد وپیمان لے رہا ہوں کہ میری عبادت کریں گے اور شرک نہ کریں گے اور میں ان کو رزق دوں گا۔ اس کے بعد تمام کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ قَالُوْا بَلٰى ۔ تو سب نے جواب دیا ہاں تو ہمارا پروردگار ہے (یہ یاد رہے کہ بلٰی سوال منفی کے بعد آیا کرتا ہے اور جواب کو مثبت بنا دیا کرتا ہے) ان کے اقرار کے بعد فرشتوں کو فرمایا کہ تم ان پر گواہ رہنا تو فرشتوں نے جواب دیا۔ شَهِدْنَا یعنی ہم گواہ ہیں اور یہ اس لئے کیا گیا کہ بعد میں عذر اور بہانے نہ بنائیں کہ ہمیں پتہ نہیں تھا یا ہم باپ دادا

أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِينَ ﴿۱۷۲﴾ أَوْ تَقُولُوا

اور ہم گواہ ہیں یہ اس لئے کیا کہ مبادا کہو بروز قیامت تحقیق ہم اس سے غافل تھے یا کہو کہ

إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا

تحقیق شرک کیا ہمارے باپ دادا نے پہلے اور ہم تھے ان کے بعد ان کی ذریت کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے

بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾

ساتھ اس کے جو کیا غلط کاروں نے ؟ اور اسی طرح ہم کھولتے ہیں نشانیاں اور تاکہ وہ باز آجائیں

کے مذہب پر بھول گئے تھے اور کہتے ہیں کہ ان کو عقل و فہم بھی عطا کیا گیا تھا اور اقرار کے بعد دوبارہ ان کو صلب آدمؑ میں پلٹایا گیا۔ اس کے بعد دنیا میں ظاہر ہونے کے لئے ہر ایک کے لئے اپنا اپنا وقت مقرر کیا گیا پس دنیا میں آکر جو اسلام میں رہے تو گویا اس نے اپنے میثاق کی وفا کی اور فطرت اولیٰ پر ثابت قدم رہا اور جس نے کفر و انکار کیا تو وہ اپنی فطرت اولیہ سے گریز کر گیا اور اس نے اپنے میثاق کو توڑ ڈالا چنانچہ اس قول کی تائید میں انہوں نے احادیث بھی پیش کی ہیں۔ تفسیر کبیر میں فخرالدین رازی نے ابوہریرہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ خدا نے اپنے ید قدرت سے آدمؑ کی پشت کو مس کیا تو قیامت تک کی ہونے والی سب نسل بیک وقت ظاہر ہوگئی اور اسی سلسلہ میں ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے بعض کو نورانی شکل میں دیکھا۔ تو سوال کیا۔ اے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں ؟ تو ارشاد ہوا کہ یہ لوگ میرے انبیاء ہیں اس جماعت میں حضرت آدمؑ نے ایک شخص کو بہت نورانی پایا۔ تو پوچھا یہ کون ہے ؟ جواب ملا کہ یہ داؤد ہے حضرت آدم نے پوچھا۔ اس کی عمر کتنی ہوگی تو جواب ملا کہ ستر برس۔ پس حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ یہ تو بہت تھوڑی ہے لہذا میں اپنی عمر میں سے اس کو چالیس برس دیتا ہوں اور حضرت آدم کی اپنی عمر ایک ہزار برس مقرر تھی جب عالم ذر کے سوال و جواب ختم ہوئے اور حضرت آدمؑ زمین پر مصروف کار ہوئے۔ آپ کی عمر کا ۹۶۰ سال جب گذر چکا تو ملک الموت آن پہنچا کہ روح قبض کرے۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا۔ ابھی تو میری عمر میں سے چالیس برس باقی ہیں تو ملک الموت نے کہا۔ وہ تو آپ حضرت داؤد کو بخش چکے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔ میں کسی کو اپنی عمر نہیں بخشتا۔ پس ہر نفس کے لئے اپنی اپنی اجل جُدا جُدا مقرر کی گئی۔

۲۔ دوسرا قول جس کو رازی نے اصحاب نظر اور ارباب معقولات کا قول بتایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خداوند کریم علی الترتیب اولادِ آدمؑ کو اپنے باپ کی پشت اور ماں کے رحم سے متعدد ادوار کے بعد ظاہر فرماتا ہے اور جب اس کی جسمانی حالت مضبوط ہو جاتی ہے اور عقل کامل ہوتا ہے تو اس کے سامنے اپنی توحید و معرفت کے واضح اور روشن نشانات قائم فرماتا ہے اور انفس

آفاق میں بیّن اور مدلّل ایسی آیات ظاہر کرتا ہے جو عقلِ فطری انسانی کو معرفتِ خالق اور اس کے وجود واجب اور توحیدِ ذات کے اقرار پر مجبور کر دیتے ہیں گویا آثار قدرت وصنعت اور نشاناتِ عظمت وحکمت عقولِ انسانیہ کو پکار پکار کر معرفتِ خدا اور اقرارِ توحید کی طرف اپنی زبان بے زبانی سے دعوت دے رہے ہیں پس ان کی ہیئت کذائیہ بمنزلۂ سوال ہے اور ان کا ناقابلِ تردید صورت میں وقوع پذیر ہونا فطرتِ انسانی اور جبلّت بشری کیلئے بمنزلۂ اقرار ہے پس یہ سوال وجواب ایسا ہے جیسے زمین و آسمان کی اطاعت کے متعلق ارشاد ہے :- قَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ یعنی اس کو اور زمین کو فرمایا۔ میری اطاعت کرتے ہوئے آؤ تو ان دونوں نے عرض کی کہ ہم اطاعت کرتے ہوئے آئے یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور انہیں اپنی عجائب صنعت وغرائب حکمت سپرد کرنا اور ان دونوں کو اطاعت پر مجبول کرنا ہی اس سوال و جواب کا حقیقی پس منظر ہے اور عرفِ عام میں ایک اہم اور غیر معمولی اندازِ اطاعت کو آمر و مامور یعنی حاکم و محکوم کی جانب سے سوال جواب کے رنگ میں اگر بیان کیا جائے تو کلام میں وہ زور اور توانائی پائی جاتی ہے جو اس کی سرسری ترجمانی میں قطعاً نہیں پائی جا سکتی اور اربابِ ذوق و اصحابِ دانش ہی اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں مثلاً ایک شخص اپنی تیز روانی کی ترجمانی میں کہتا ہے کہ میں فلاں مقام پر تیز دوڑا تو اس میں کوئی وزن نہیں اور اگر یوں کہے کہ فلاں مقام پر میں نے اپنے قدموں سے کہا۔ شاباش تیز دوڑو تو قدموں نے جواب دیا۔ ہم حاضر ہیں تو کلام میں وزن آجاتا ہے۔ اسی طرح اپنی تیز بیانی کے متعلق کہے۔ میں نے فرفر بیان کیا یا کہے۔ میں نے زبان سے کہا۔ شاباش تیز چل تو اس نے کہا۔ میں تابع ہوں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سوال وجواب کی صورت میں بیان کی اہمیت سادہ بیانی سے کہیں بڑھ جاتی ہے حالانکہ درحقیقت سوال وجواب نہیں ہوا کرتا بلکہ واقعہ کی ترجمانی کا یہ ایک پرکشش اور دلربا انداز ہے جو کلام کو وقیع اور زوردار بنا دیتا ہے پس اس مقام پر خالق کائنات نے اس اشرف المخلوقات انسان کو زیورِ عقل و دانش سے خوب آراستہ کیا اور اس کے وجود کے اندر قوتِ فہم وفکر کی روشن قندیلیں آویزاں کیں تو اس کی بینا آنکھوں کے سامنے صنائع قدرت وبدائع حکمت کے جلّی آثار اپنے خالق کی بولتی ہوئی زبان بن کر آگئے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو ادھر فطرتِ سلیمہ اور طبیعتِ مستقیمہ کے گوشِ ہوش میں صدائے حق پہنچتی ہے تو تقاضائے انسانیت اور مقتضائے شرافت وکرامت اس پتلاء خاک کی جانب سے زبانِ حال بن کر گویا ہو گئے ہیں۔ بَلٰی اور محققین علمائے امامیہ اسی قول پر ہیں اور یہی قولِ حق اور قابلِ قبول ہے اور پہلا قول چند وجوہ سے قابلِ قبول نہیں ہے۔

۱۔ قرآن مجید کی آیت مجیدہ کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی صحت کے خلاف ہیں کیونکہ فرماتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ یعنی پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ذریّت کو نکال کر ان سے عہد وپیمان لیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام اولاد آدمؑ کو نکال کر ان سے عہد وپیمان لیا۔

۲۔ جب اولادِ آدمؑ سے عہد لیا گیا تھا تو اس وقت وہ بے عقل تھے یا عقلمند تھے اگر عقلمند نہیں تھے تو عہد لینا فضول کیونکہ

بے عقل جب خالق کا کلام سمجھتا نہ ہو اس کا عہد و پیمان کس کام کا۔ لہٰذا اس سے باز پرس کیوں؟ اگر وہ عقلمند تھے تو چاہیے تھا کہ وہ کیا ہوا عہد یاد رہتا اور وعدہ کی خلاف ورزی کرنے میں سرزنش اس وقت معقول ہوتی ہے۔ جب وہ وعدہ یاد ہو اور پورا نہ کیا جائے لیکن جب سرے سے وعدہ یاد ہی نہ رہے تو اس کی وفا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دریں صورت اگر عدم وفا کا عذر نسیان کو پیش کیا جائے تو وہ عقلاء کے نزدیک یقیناً قابل قبول ہوا کرتا ہے اور یہ عام دستور ہے کہ جب بہت سے آدمی کسی سے مل کر ایک عہد کریں تو خلافِ عادت ہے کہ سب کے سب اس عہد کو بھول جائیں بہرکیف کسی نہ کسی کو یاد ہوگا اور ضرور یاد ہوگا۔ یہ جائے کہ تمام آدمؑ کی اولاد سے باہوش و حواس و با تمامی عقل و کمال فہم ایک عہد لیا جائے اور وہ اقرار بھی کر لیں لیکن مقام عمل میں سب کے سب فراموش کر جائیں اور لطف در لطف یہ ہے کہ بار بار کی یاد دہانی کے باوجود بھی کسی کو یاد نہ آئے حالانکہ قیامت کے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ بہشتی اور دوزخی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور دنیا کے گذشتہ واقعات کا تذکرہ کریں گے چنانچہ اسی سورۂ مجیدہ میں گذر چکا ہے کہ بہشتی کہیں گے اللہ نے ہمارے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا ہے۔ کیا تمہارے ساتھ بھی اس نے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا ہے۔ تو وہ ان کو جواب دیں گے کہ ہاں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ ان کو اپنی دنیا میں گذری ہوئی سرگذشت یاد ہوگی اور پرانے یار دوست وہاں ایک دوسرے سے خوب گپیں اڑائیں گے اگر قیامت کے دن خدا کا بلسانِ قرآن و رسول کیا ہوا وعدہ یاد رہے گا تو دنیا میں روزِ ازل اور یوم میثاق کا وعدہ یاد کیوں نہ رہا اور قیامت کے دن بہشتیوں اور دوزخیوں کو اپنے دنیاوی دھندے یاد ہوں گے لیکن دنیا میں کسی ایک کو بھی یومِ میثاق اور اس کا وعدہ یاد نہ رہا اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ یاد دہانی کے بعد بھی یاد تو بجائے خود اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ خیال تک دماغ میں نہیں آتا۔

۴۔ اگر یہ کہا جائے کہ طول زمانہ اور تبدیلی حالات کی وجہ سے بھول سکتا ہے تو پھر تناسخ والوں کا قول بھی صحیح بن جائے گا اور ہم ان کے قول کو اسی دلیل سے ہی تو باطل کرتے ہیں کہ اگر انسان مرنے کے بعد کسی دوسرے بدن میں چلا جاتا ہے تو اس کو پہلے دور کے حالات سب نہ سہی تو کچھ نہ کچھ یاد ہونے چاہئیں اور جب اس کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا تو اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ تناسخ کا قول ہی سرے سے باطل ہے۔ ان کے علاوہ کافی وجوہ قولِ اوّل کی تردید میں ذکر کی گئی ہیں لیکن اسی قدر ذکر کر دینا کافی ہے۔

دوسرے قول پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ آیتِ مجیدہ کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اولادِ آدمؑ سے عہد لیا گیا اور صیغۂ ماضی کی دلالت اس امر پر ہے کہ وہ عہد و پیمان ہو چکا ہے اور قیامت تک کی ہونے والی اولادِ آدمؑ وہ عہد کر چکی ہے اور دوسرے قول کی رُو سے آنے والی نسلیں اس عہد سے مستثنیٰ بنتی ہیں حالانکہ تمام اولادِ آدم ہیں۔

اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ یقینی واقع ہونے والی چیز کو صیغۂ ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں قیامت کے وقوع کی خبریں متعدد آیات میں صیغۂ ماضی سے مذکور ہوئی ہیں اور آیتِ مجیدہ میں یہ دلالت قطعاً نہیں کہ تمام بنی آدمؑ سے

ایک ہی وقت میں عہد لیا گیا۔
اور ثانیاً اگر ایک ہی وقت میں عہد لیا جانا مراد ہو تو اس سے مراد عہدِ ظاہری نہیں بلکہ عہدِ معنوی تمثیل کے طور پر اس سے مراد ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ قیامت تک کے ہونے والے واقعات اگرچہ بمقام ظاہر میں مرتب اور مسلسل ہیں لیکن علمِ واقعی الٰہی کے سامنے یہ سب کائنات اوّل آنِ وجود سے لے کر آخر دمِ بقا تک مرتب و مسلسل ہونے کے باوجود بیک وقت موجود و حاضر ہیں لہٰذا بزنگِ تمثیل اس ہیئت کذائیہ کو جو مخلوق کی خالق کے مقابلہ میں یا مصنوع کی صانع کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔ سوال و جواب کے طور پر پیش کر دیا تاکہ عقولِ انسانیہ کے قبول کرنے میں آسانی ہو گویا عالمِ تمثیل میں تمام بنی آدم کے بیک وقت موجود مثالی جسم جو اپنے خالق یکتا کے آگے عالمِ واقعی کے حضور میں صف بہ صف قرن با قرن محوِ تسبیح ہیں۔ ان کو خطاب کر کے زبانِ قدرت و صنعت گویا ہوئی۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو بنی آدم کی ہیئتِ اجتماعیہ نے اپنی زبانِ بے زبانی سے اعترافِ عجز و تواضع کے ساتھ فوراً کہہ دیا۔ بلیٰ۔

وضاحت عالم واقع و ظاہر میں قیامت تک کی ہونے والی اشیاء مکان و مکانیات زمان و زمانیات اگرچہ ظاہر میں مرتب ہیں لیکن عالم دہر و ازل میں بیک وقت اپنے خالق کے سامنے موجود و حاضر ہیں۔ یہ اس طرح سمجھئے جیسے دو منزلہ مکان کی چھت کے اُوپر ایک طولانی زنجیر اکٹھا کر کے رکھ دیا جائے تو وہاں اس کی کل کڑیاں ایک دوسرے کے عرض میں واقع ہو کر ایک ہی وقت میں ایک جگہ موجود ہیں لیکن چھت سے سوراخ کر کے اس سے ایک سرے کو لٹکایا جائے اور مسلسل طور پر لٹکایا جاتا ہے اور اس چھت کے نیچے اوپر کی چھت کے سوراخ کی سیدھ میں نچلے مکان کی چھت میں سوراخ ہو اور وہ زنجیر بالترتیب اُوپر کی چھت سے لٹک کر نچلے مکان کی چھت سے گزر کر زمین پر بالترتیب جاتا رہے گا تو وہ دونوں چھتوں کے درمیان بیٹھا ہوا انسان نہ یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ زنجیر کی کتنی کڑیاں نچلے مکان کی چھت سے گزر کر نیچے زمین پر پہنچ چکی ہیں اور نہ وہ یہ جان سکتا ہے کہ زنجیر کی کتنی کڑیاں اوپر کی چھت پر باقی ہیں۔ وہ صرف اپنے سامنے کی کڑیاں ہی دیکھ سکتا ہے اور انہی کے حالات واقعات و تعداد وغیرہ سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ اس کی نگاہوں میں گزشتہ کڑیاں بھی لاتعداد اور آئندہ کڑیاں بھی لاتعداد معلوم ہوتی ہیں اور ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ یکجا نہیں گزر سکتی۔ ایک پہلے گزرتی ہے، پھر دوسری، پھر تیسری وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ لیکن جو چھت کے اُوپر ہے اور جس کے قبضہ میں پورا زنجیر ہے وہ بیک وقت کل زنجیر کی کڑیاں جانتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ کس قدر کڑیاں اس کی نیچے زمین پر پہنچ چکی ہیں اور کس قدر اس وقت درمیانی منزل میں ہیں اور کس قدر باقی معرضِ ظہور میں آنے والی ہیں یہ محض سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے ورنہ تمام موجودات و کائنات کا خالق کے سامنے بیک وقت ہونا اس مثال سے بھی زیادہ واضح و روشن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُوپر سے زنجیر لٹکانے والا لٹکائی گئی ہوئی کڑیوں سے غافل ہو کر ان کا اندازہ بھول جائے یا زیادہ دُور تک جانے کی وجہ سے یا اندھیرے کی صورت میں درمیان میں چھتوں کے حائل ہو جانے سے گزشتہ کڑیوں پر نگاہ نہ ڈال سکے لیکن یہاں خالقِ کائنات جو سلسلۂ کائنات کو عالم ازل سے جاری کر کے وجود کی درمیانی منزل سے گزار کر عالمِ فنا تک

بھیج رہا ہے وہ اپنے حاوی وکلی علم کے ساتھ اس سلسلہ کی کسی کڑی سے غافل نہ ہے اور نہ گذشتہ و موجودہ و آئندہ کی کوئی کڑی اس کی نگاہِ قدرت سے اوجھل ہو سکتی ہے کیونکہ نہ تو وہ کسی سے دُور ہے اور نہ کوئی حائل اس کے آگے حائل بن سکتا ہے اور نہ کوئی ظلمت اس کو کسی معلوم سے بیگانہ کر سکتی ہے وہ ہر شے پر حاوی اور ہر چیز کے قریب ہے پس اگرچہ ہم اس عالم وجود میں دیکھتے ہیں کہ سلسلۂ موجودات کی کڑیاں مسلسل اور مرتب ہو کر ظاہراً کتم عدم سے یا عالم ازل سے اس درمیانی عالم وجود میں ہمارے سامنے آتی ہیں اور پھر تیسرے عالم فنا میں داخل ہو جاتی ہیں درمیانی عالم والے نہ تو جانے والوں کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ آنے والوں کے متعلق کوئی نظریہ قائم کر سکتے ہیں کیوں کہ یہاں کی ترتیب وار آمد و رفت بیک وقت کل کے اجتماع کے منافی ہے لیکن خداوند کریم موجوداتِ عالم کے تینوں ادوار کے ہر جزئی حالات کو جانتا ہے پس اس کے سامنے سب کی سب بیک وقت موجود اور اس کا علم محیط اور قدرتِ کاملہ کے سامنے تمام موجودات سرنگوں ہیں اور تکوینی طور پر سب کی سب اس کی اطاعت گزار ہیں۔ پس تمام اولادِ آدم سے خداوند کریم کا سوال اور ان کا جواب اس تکوینی اطاعت واقرار کی فہمائش ہے۔

اجمال و تفصیل ذہن میں بہت سے معانی بیک وقت موجود ہوتے ہیں اور متعدد مضامین بکثرت حاضر ہوتے ہیں لیکن ان کی زبان سے ادائیگی یا کسی طریقہ سے ان کی منصۂ شہود پر جلوہ گری ترتیب کی خواہاں ہوا کرتی ہے دماغ میں مطالب حاضرہ خواہ کس قدر کثیر کیوں نہ ہوں اگرچہ اجمالی رنگ میں وہ بھی اپنے مقام پر تقدم و تاخر رکھتے ہیں لیکن بالفعل سب کے سب باوجود رتبی تقدم و تاخر کے یک جا موجود ہوتے ہیں اور زبانِ بیان یا لسانِ قلم ان کو الفاظ و نقوش کا لباس اڑھا کر اپنے اپنے مقام پر ترتیب وار ظاہر کرتی ہیں پس وجود ملفوظی یا وجود مکتوبی میں اس کو بالفعل ترتیب حاصل ہوتی ہے اور متقدم و متاخر آپس میں نمایاں طور پر متمیز ہوتے ہیں۔ سننے یا مطالعہ کرنے والا اس بیان کے جس حصہ سے روشناس ہو گا۔ وہ نہ تو گزرے ہوئے مضمون کے متعلق اندازہ کر سکتا ہے کہ کس قدر تھا اور کیسا تھا اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ باقی کس قدر اس فضا میں ظاہر ہو گا یا صفحۂ قرطاس پر نقش ہو گا بلکہ وہ صرف حال حاضر میں اپنے سامنے آنے والے الفاظ و نقوش میں اپنے ذہن و دماغ کو وابستہ رکھ سکے گا لیکن جس کے پاس وہ ذخیرہ موجود ہے اور جو اس کا موجد ہے وہ قبل از بیان، بعد از بیان اور حالِ بیان کی ہر سہ صورتوں میں پورے مطالب کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور اس سے کوئی گوشہ اوجھل نہیں ہوتا۔

اسی طرح ایک صاحبِ فن کے دماغ میں ایک لمبا چوڑا منصوبہ ہوتا ہے جس کو وجود ظاہری کا لباس اڑھانے میں لمبے وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور ترتیب درکار ہوتی ہے لیکن اس کا ذہن میں وجود نہ ترتیب کا خواہاں ہے نہ زمانہ کا محتاج ہے بلکہ تمام ازمنہ متفرقہ میں بکھرنے والے اور مرتب ہو کر پیش ہونے والے جملہ مطالب بیک وقت بلاتمیز مقدم و مؤخر یکجا جمع ہوتے ہیں پس صرف اجمال و تفصیل کا فرق رہتا ہے کہ قبل از وجود اجمال کے رنگ میں ہوتے ہیں اور بعد از وجود تفصیل کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ بہر حال اس کی مثالیں ہزارہا موجود ہیں جن کو گنوانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ پس صفحۂ کائنات پر مخلوق کے نقش سے قبل صانع ازل کے علمِ ذاتی کے سامنے تمام موجودات بلا کم و کاست و بلا تقدم و تاخر اور بلا ترتیب و تدریج بیک وقت

موجود وحاضر تھے اور سلسلہ موجودات کی عالم وجود میں جلوہ گری کے ہر دور میں بھی وہ اس کے سامنے حاضر ہیں اور کتاب وجود کی انتہا کے بعد بھی وہ اس کے سامنے موجود رہیں گے۔ اس کے سامنے کسی وقت بھی کوئی فرد غائب نہیں رہا اور نہ رہے گا۔

پس اس کی قدرت کاملہ کے سامنے افراد انسانیہ کا عجز کامل اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا کی تعبیر ہے یا یوں سمجھئے حافظ قرآن کے پاس پورا قرآن بیک وقت بلا تقدم و تاخر اوّل سے آخر تک موجود ہوتا ہے۔ وہاں سب سورتیں وآیتیں ترتیب اجمالی کی صورت میں بیک وقت ایک دوسرے کے عرض میں واقع ہوتی ہے لیکن جب قرأت جاری کرے گا اور ان کو الفاظ کا لباس دے گا تو مقدم مقدم ہوگا اور موخر موخر ہوگا۔ وہ ذہنی اجمالی ترتیب اب بالفعل تفصیلی ترتیب کا رنگ لے گی اور سورتیں وآیتیں باقاعدہ تدریجی طور پر ایک دوسرے کے طول میں واقع ہوں گی لیکن جو حافظ ہے اس کے ذہنی خزانہ میں قبل از قرأت یا بعد از قرأت یا بوقت قرأت کے ہر سہ ادوار کا کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ ذخیرہ ہر آن میں اس کے پاس پورے کا پورا موجود ہی موجود رہے پس خالق کائنات کے سامنے ایجاد سے قبل اور بعد از ایجاد اور بوقت ایجاد اس سلسلۂ موجودات کی تمام کڑیاں باوجود مرتب و تدریجی ہونے کے اور باوجود مقدم ومؤخر ہونے کے بیک وقت یکجا حاضر ہیں اور اپنی زبان بے زبانی سے اپنے خالق کی ثناگری اور مدح گستری میں محو ہیں اور غالباً اسی کی تعبیر اُمّ الکتاب سے بھی کی گئی ہے۔ پس اس کے علم محیط کے وسیع دامن کے اندر تفصیلات وجود انسان کا ذرہ بے مقدار کی طرح سمٹ کر آجانا اور اس کے ارادہ کے ماتحت عالم وجود میں بے چون وچرا قدم رکھنا اور اسی کی مشیت ومصلحت کے تابع ہو کر عالم فنا میں جا کودنا یہ سب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی کا اعلان ہے۔

تکوین وتشریع

قادر کا مقدور پر تسلط وحکومت اور مقدور ومحکوم کا اس کے سامنے جھک جانا، سر تسلیم خم کرنا اور اس کے ارادہ وامر کے سامنے سرتابی نہ کرنا دو طریقوں سے ہوا کرتا ہے ایک یہ کہ مقدور ومحکوم میں نہ اطاعت ونافرمانی کا شعور ہو اور نہ ارادہ واختیار اس کے دامن وجود کے اندر ہو اور دوسرا یہ کہ مقدور ومحکوم اطاعت کا شعور بھی رکھتا ہو اور ارادہ واختیار کا حامل بھی ہو تو پہلی صورت میں قادر وحاکم کے تسلط وحکومت کا نام ہے تکوین پس اس صورت میں اس کا ارادہ تکوینیہ ہوگا۔ اس کا امر تکوینی ہوگا اور محکوم کی اطاعت اطاعت تکوینیہ ہوگی اور دوسری صورت میں حاکم کی حکومت تشریع ہے اور اس بارے میں اس کا ارادہ وامر ارادۂ تشریعیہ وامر تشریعی ہوں گے اور محکوم کی اطاعت بھی اطاعتِ تشریعیہ ہوگی۔

مثال کے طور پر انسان کی اپنے اعضاء پر حکومت تکوین ہے۔ پاؤں پر چلنے کا حکم، ہاتھوں پر پکڑنے کا حکم آنکھوں پر دیکھنے کا حکم وغیرہ یہ سب اس کے ارادۂ تکوینیہ کے ماتحت اوامر تکوینیہ ہیں اور اعضاء کا بے چون وچرا اس کے ارادہ کے تابع ہونا ان کی اطاعت تکوینیہ کہلاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے غلام کو چلنے، پکڑنے، بولنے، دیکھنے، سونگھنے یا سننے یا کھانے پینے کا حکم دینا تشریع ہے اس سلسلہ میں اس کا ارادہ تشریعی امر تشریعی اور اس کے غلام کا اطاعت کرنا، اطاعتِ تشریعیہ ہے۔ پہلی صورت میں ارادہ کی تکمیل اور مراد کی بر آوری آمر کے قدرت وعمل پر موقوف ہے اور دوسری صورت میں مامور

کے عمل پر موقوف ہے اگر پیاسا ہے سامنے پانی موجود ہے پس اپنے پاؤں کے چلنے کا حکم دے اور اپنے ہاتھوں کو پکڑنے کا حکم دے۔ گلاس بھر کر خود پی لے تو پیاس ختم اور مطلب پورا ہو جائے گا۔ لیکن اگر غلام پر حکم کرے کہ میں پیاسا ہوں اور پانی لا دو تو اب اس کے ارادہ کی تکمیل اور مطلب براری غلام کے عمل پر موقوف ہے اگر وہ اطاعت کرے گا تو اس کا ارادہ پورا ہوگا اور اگر وہ اطاعت نہ کرے گا تو اس کا ارادہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔

نیز امر تکوینی میں آمر کو منہ بول کر امر کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا ارادہ ہی امر تکوینی ہوا کرتا ہے اور عمل کرنا اور ارادہ کو اپنی قدرت سے مطلوب سے ہمکنار کرنا۔ مراد و مطلوب کی اطاعت تکوینیہ کا نام ہے لیکن امر تشریعی میں ایسا نہیں بلکہ وہاں آمر کو زبان یا خط یا اشارہ وغیرہ کے ذریعہ سے مامور تک اپنے مطلوب کو واضح کر دینے کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور مطلوب کا پورا ہونا پھر مامور کی اطاعت اور اس کے عملی اقدام کا ہی مرہون منت ہوتا ہے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اطاعت تکوینیہ یا عدم اطاعت میں سزا اور جزا کا استحقاق پیدا نہیں ہوتا بلکہ اطاعت تشریعیہ اور اس کے عدم میں سزا و جزا کا استحقاق ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت کے بعد یہ بات خوب سمجھ میں آسکے گی کہ خداوند متعال کا آسمان و زمین، عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و نار سورج چاند ستارے ملک جن و انس، دریا پہاڑ آگ، ہوا، پانی مٹی، جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ تمام چھوٹی بڑی مخلوق اور سب عاقل و بے عقل موجودات کا پیدا کرنا اور کتم عدم سے نکال کر ان کو خلعت وجود سے آراستہ کرنا سب کچھ اس کے ارادۂ تکوینیہ اور امر تکوینی کے ماتحت ہے اور تمام کائنات کا اس کے حسب ارادہ تکمیل پذیر ہونا اور زیور ہستی سے آراستہ ہونا ان کی اطاعت تکوینیہ ہے اور ابھی واضح کیا جا چکا ہے کہ امر تکوینی میں بولنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی بلکہ آمر کا ارادہ ہی کافی ہوا کرتا ہے۔ لہذا ذات پروردگار کا تمام مخلوقات کے متعلق ارادۂ کن۔ کائنات کو منزل فیکون تک پہنچانے کے لئے کافی ہے اس کا ارادۂ کن امر تکوینی ہے اور مخلوق کا منزل فیکون تک پہنچنا یعنی زیور ہستی سے آراستہ ہو جانا ان کی اطاعت تکوینیہ ہے۔

کلمۂ کفر

اب اس بیان سے اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ یعنی اس کا امر یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کے متعلق ارادہ کرے تو فرماتا ہے کن یعنی ہو جا تو پس وہ شے ہو جایا کرتی ہے۔ اس مقام پر بعض بھولا کہہ دیا کرتے ہیں کہ ایجاد مخلوق کے لئے کلمہ کن محمدؐ و آل محمدؐ نے کہا تھا۔ لہذا یہ ہی موجودات کے خالق ہیں کیونکہ خدا زبان و جسم سے پاک و منزہ ہے وہ کلمہ کن جاری نہیں کر سکتا۔ پس اس کلمہ کے کہنے والے یہی ہیں۔ ان جاہلوں کے نقض کیلئے تو یہ بھی کافی ہے کہ جب محمدؐ و آل محمدؐ کو خدا نے پیدا کیا تو اس وقت ان کی تخلیق میں کن کا کلمہ کس نے کہا تھا۔ پس وہ جس طرح ان کی خلقت کے وقت بغیر زبان و جسم کے کن کی فرمائش کر سکتا ہے تو باقی مخلوقات کے لئے بھی اسی طرح کر سکتا ہے اور ان کو یہ پتہ نہیں کہ تخلیق و تکوین میں امر سے مراد امر تکوینی ہے جس کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی تکمیل کا تعلق خود آمر کی ذات سے ہی ہوا کرتا ہے بذریعہ الفاظ وغیرہ کے اس کا اظہار تو تب کرے کہ اس کی تکمیل کسی دوسرے مامور کے بس میں ہو بس یہاں تو یہ ہے کہ اس نے ارادہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ و حکمت شاملہ سے مطلوب و مراد کو نیست سے ہست میں تبدیل کر دیا

لہٰذا کن کی تعبیر صرف انسانی ناقص عقول کی تفہیم کے لئے ہی ہے جس طرح انسان اپنے متعلق بیان کرتا ہے مثلاً مجھے سیر کی شوق ہوئی تو میں نے اپنے پاؤں کو حکم دیا چلو تو انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں پس چلے گئے۔ تقریر کا اشتیاق پیدا ہوا تو میں نے اپنی زبان کو حکم دیا کہ بول۔ اس نے جواب دیا۔ میں حاضر تو پس وہ بولنے لگ گئی۔ اس قسم کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں اور کوئی بے عقل سے بے عقل بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے مقامات پر انسان اپنے اعضاء کو زبان سے نہیں کہا کرتا کہ یہ کرو۔ وہ کرو اور نہ ان اعضاء کے پاس زبان گویائی ہے کہ وہ کچھ جواب دے سکیں بلکہ انسان کے اس ارادۂ تکوین کو نہایت سرعت سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی یہ تعبیریں ہیں یا مقصود کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے یہ طریقے ہیں ورنہ سوال و جواب کی نہ ضرورت ہے اور نہ حقیقت ہے۔

خداوندِ متعال تمام موجودات کے ایجاد پہ قدرتِ کاملہ رکھتا ہے وہ ایجادِ خلق میں کسی کا محتاج نہیں اور نہ اس کی بقاء میں اس کو کسی کی احتیاج ہے جس طرح باقی تمام موجودات اس کی محتاج ہے۔ اسی طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس کے محتاج و نیازمند ہیں۔ وہ جس طرح ان کا خالق ہے باقی تمام مخلوق کا خالق بھی وہی ہے اور جس طرح ان کا رازق ہے باقی مخلوقات کا رازق بھی وہ خود ہی ہے۔ وہ نہ خلق و رزق میں کسی کا محتاج ہے اور نہ باقی نظام کائنات کی برقراری میں کسی کا ممنونِ احسان ہے۔ خداوندِ کریم ایسے لوگوں کو ہدایت فرمائے جو خدا کو ایجادِ مخلوق میں عاجز مانتے اور اس کی صفاتِ خاصہ کو اس کی مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ذرہ بھر پاک و بیم محسوس نہیں کرتے۔ معصومین علیہ السلام نے ایسے عقیدہ والے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے عقیدہ سے اپنی برأت کا اعلان کیا ہے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں بابِ تفویض میں کسی حد تک وضاحت سے بیان کیا ہے اور بلاشک و شبہ خدا کو عاجز کہنا یا محمدؐ و آلِ محمدؐ کو خالق و رازق ماننا کفر و شرک ہے خدا و رسولؐ اور آلِ رسولؐ ایسے لوگوں سے بری و بیزار ہیں۔

فرق واضح

جس طرح ہمارے اوامر تکوین و تشریع میں منقسم ہیں اسی طرح خالقِ کائنات کے اوامر بھی تکوین و تشریع میں منقسم ہیں اور اس کا ضابطہ یوں سمجھئے کہ جہاں مامور کی اطاعت میں اس کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہو وہ ہیں تکوینیات اور جہاں اطاعت میں مامور کے اختیار و ارادہ دخیل ہوں۔ وہ ہیں تشریعیات۔ پس خلقِ موجودات کے متعلق جس قدر اوامر ہیں۔ وہ سب تکوینی ہیں اور انسانوں سے طلب اطاعت کے جس قدر اوامر ہیں اور ان کی انسانی زندگی کے دنیوی و اخروی پہلوؤں کی بہبودی و بہتری کے لئے جو ضابطہ و دستورِ شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے پیش کیا ہے۔ یہ خداوندِ کریم کی جانب سے اوامر تشریعیہ ہیں۔ ان کی اطاعت یا عدمِ اطاعت جزا و سزا کے استحقاق کی موجب ہے۔ انسان چونکہ اپنے مقام پر خود عاجز ہے لہٰذا ممکن ہے کہ بسا اوقات اس کے امورِ تکوینیہ کی تکمیل نہ ہو سکے اور اس کا ارادہ مغلوب ہو کر رہ جائے مثلاً ارادہ ہے کہ آنکھ دیکھے لیکن اس پر نیند کا غلبہ ہے پس اس کا ارادہ مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے اور مطلوب پورا نہیں ہو سکتا اسی طرح چلنے کا ارادہ ہے لیکن پاؤں خستگی کے احساس سے مغلوب ہیں۔ پس ارادہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اور اگر خارجی اشیاء کی طرف جائیں تو انسان کی قدرت و ارادہ اکثر مغلوب و مرعوب نظر آئیں گے اور کہیں اقل قلیل حصہ میں اس کی اطاعت

نظر آئے گی۔

مثلاً ایک صانع جو صنعت جانتا ہے اس کی صنعت کی رسائی باوجود مہارت کاملہ کے ایک حد محدود تک ہوگی اور اس کی بڑی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کی مہارتِ تامہ کے باوجود مصنوع میں اس کی اطاعت ایک اقل قلیل حد تک ہے اور اس کے کمال کی آخری حد کا نام عجز ہے ایک لوہار لوہے کے کام میں ماہر ہے لوہے سے بہت کچھ کام لے سکتا ہے لیکن ایک حد کے اندر اور اس حد سے آگے لوہا اس ماہر فن کے آگے سر تسلیم جھکانے کو تیار نہیں اور یہ اس کی تکوینی نافرمانی ہے۔ جس طرح کہ اس حدِ معین کے اندر اس کی اطاعتِ تکوینی تھی۔ ممکن ہے کہ دوسرا ماہر اس سے کچھ آگے بڑھ جائے پھر تیسرا اور آگے بڑھ جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور ہر ماہر کی حد کمال وہی سمجھی جائے گی۔ جس سے آگے وہ عاجز ہے یعنی ہر کامل کی آخری حد عاجزی ہے۔ اسی طرح سُنار کو دیکھو ایک حد کے بعد وہ عاجز نظر آتا ہے۔ آج سائنس دانوں نے موجودات عالم میں اپنی انتھک کوششوں اور محنتوں سے اپنے افکارِ رسا کی جد وجہد کی بدولت اپنی حاکمیت کا سکہ بٹھایا ہوا ہے اور صفحۂ ہستی پر رہتے ہوئے قوائے مادیہ کی تسخیر میں وہ حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں کہ ادوارِ ماضیہ کی سادہ زندگیوں میں بسر اوقات کر گذرنے والا انسان اگر اب دوبارہ پلٹ کر حالات کا جائزہ لے تو اسے معجزہ کہتے ہوئے ذرہ بھر توقف نہ کرے گا اور ہر دَور کا انسان اپنی علمی وعملی وسعتوں کے ماتحت تسخیر موجودات کا گرویدہ رہا ہے اور خداوندکریم نے عناصرِ اربعہ میں پنہاں لاتعداد قویٰ کو تکوینًا انسان کے سامنے سر تسلیم جھکانے کی فطرت تفویض فرمائی ہے اور انسان کو زیورِ علم وعمل سے آراستہ ہونے کے لئے عقل ودماغ اور فہم وفکر کی استعدادات کا ایک بے پایاں خزانہ عنایت کیا ہے جس کے ماتحت اس کو اشرف المخلوقات کا تاج کرامت عطا فرمایا اور موجوداتِ عالم پر حقِ حکومت عطا کیا۔ پس عقل فطری کی آواز ہے کہ انسان باقی موجودات پر حاکم ومتصرف ہے اور خداوندکریم عالمیان کی جانب سے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا (یعنی زمین کی تمام اشیاء تمہارے ہی لئے ہیں) کا جملہ اسی فیصلہ کی طرف ارشادی حیثیت رکھتا ہے۔ پس انسان نے ہر دَور میں تسخیر عالم کی طرف قدم بڑھایا اور اس کی حدِ عجز ہی اس کے کمال کا آخری زینہ رہی اور ہر دور کا ماہر طے شدہ زینوں سے اُوپر کے زینوں پر قدم رکھنے کی جگہ بناتا رہا اور کامیابی حاصل کرتا رہا۔ آج کے سائنسدان تسخیر موجودات میں ترقی کے جس زینہ پر پہنچے ہیں۔ ممکن ہے، بعد والے اپنی منزل اگلے زینہ کو بنائیں جس کا سر کرنا دورِ حاضر کے لئے ناممکن شکل میں نظر آرہا ہے جس طرح کہ موجودہ منزل گزشتہ ادوار کے لئے ایک ناممکن سا امر تھا۔ بہرحال انسان کے سامنے موجوداتِ عالم کا مسخر ومطیع ہو کر سر تسلیم خم کرنا ان کی اطاعتِ تکوینیہ ہے۔ پس انسان نے قوائے مادیہ کو حکم دیا کہ فلاں مشینری ہمیں تیار چاہیئے۔ ہمیں سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے موٹر چاہیئے۔ ہمیں دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے انجن چاہیئے۔ ہمیں ہوا میں سیر کرنے کے لئے ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جہاز چاہئیں۔ ہمیں کاروبار کی ہر سہولت کے لئے بجلی چاہیئے۔ آوازیں دُور دُور سے جذب کرنے کے لئے اور دُور دُور تک پہنچانے کے لئے آلات چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔ انسان حکم کرتا گیا اور قوائے مادیہ سر تسلیم خم کر کے جی ہاں جی ہاں کرتی گئیں اور انسان آگے بڑھتا گیا۔ پس جہاں اس جی ہاں کے بعد

قوائے مادیہ کی طرف سے نہیں جی کا جواب ملتا ہے تو انسان کی ترقی کی آخری منزل وہیں تک قرار پاتی ہے یعنی کائنات عالم میں قوائے مادیہ کی اطاعت تکوینیہ کی منازل کے بعد جب نافرمانی کی حد آتی ہے تو قدم رک جاتے ہیں اور وہی مقام بعد والوں کے تسخیر مادیات کے جذبات کے ماتحت افکار کی آماجگاہ بن جاتا ہے کہ اس کو سر کیا جائے بہر کیف حدود عجز تک رسائی اور علم و فکر میں نارسائی کا نام ہے انسان کا آخری کمال۔ بہر کیف یہ مطلب واضح ہوگیا کہ انسان کو جن جن اشیاء پر حق حکومت حاصل ہے وہ تکوینی طور پر انسان کی محکوم ہیں۔ ان چیزوں کے متعلق بھی بسا اوقات انسان کا ارادہ مرعوب و مغلوب نظر آتا ہے۔ بس ایک حد تک اس کا ارادہ تکوینی غالب رہتا ہے اس کے بعد ارادہ تو ہوتا ہے لیکن مرعوب و مغلوب اور وہی ہوتی ہے اس کی آخری منزل ارتقاء۔

لیکن خداوند کریم اس بات سے اجل و ارفع ہے کہ کائنات اس کی تکوین میں پس و پیش کر سکیں وہ علیٰ کل شئی قدیر ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اس نے اپنا کلیہ بیان فرمایا ہے کہ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ جب بھی کسی شے سے اس کا ارادہ ایجاد تعلق پکڑے تو وہ شے فوراً ہو جاتی ہے یعنی اس کا ارادہ تکوینی کہیں مغلوب و مرعوب ہو سکتا ہی نہیں اور اس کے کمال کی کوئی حد ہے ہی نہیں اور انسان کا منازل ترقی طے کرنے کے بعد رک جانا اور حد عجز تک پہنچ جانا ہی تو باذوق اور ارباب فکر و دانش کے لئے معرفت خداوندی اور اس کی توحید کے اقرار کی طرف لے جانے کا سیدھا راستہ ہے اور اس سے نہیں بھٹک سکتے مگر کور بخت اور بدباطن۔

پس اس امر تکوینی کے ماتحت خداوند کریم جس چیز کو امر کرے وہ جی ہاں اور لبیک کہتی نظر آئے گی اور ناممکن ہے کہ کوئی چیز کسی امر کے جواب میں جی نہیں کہہ دے۔ پس آسمان و زمین، دریا و پہاڑ، شمس و قمر بلکہ علوی و سفلی نظام اسی تکوینی اطاعت پروردگار میں عابد و ساجد ہیں جس طرح قرآن میں بھی ان تمام چیزوں کی اطاعت و سجدہ کا ذکر ہے اور یہاں سجدہ تکوینی مراد ہے یعنی یہ تمام چیزیں اس کی اطاعت گذار ہیں۔

سوال:۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (پ ۲۲ سورۂ احزاب رکوع ۹) یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ تحقیق یہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے۔ اس مقام پر ان موجودات نے خداوند کریم کی کیوں نافرمانی کی؟

جواب:۔ اس مقام پر انسان کی قساوت قلبی اور جرأت و جسارت کی مذمت ہے کہ انسان معصیت خداوندی پر اس قدر تجسر کرتا ہے کہ جس چیز کی آسمان و زمین و پہاڑ تاب برداشت لانے سے قاصر ہوں۔ یہ انسان اپنے ظلم و جہالت کے ماتحت اس بوجھ کے اٹھانے کی بھی جرأت کر بیٹھتا ہے۔ یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ان موجودات کو ایک حکم دیا گیا اور انہوں نے تکوینی طور پر نافرمانی کی اور آیت کے آخری لفظ خود بتلا رہے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ جس ظلم و جہالت کا ارتکاب انسان

دیدہ دلیری سے کرتا ہے اگر زمینوں، آسمانوں اور پہاڑوں پر پیش کیا جائے تو وہ بھی خوف وہراس سے لرز جائیں اور اس کے ارتکاب کی جرأت نہ کریں لیکن انسان کے ظلم وجہالت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ بلاخوف وہراس کر گزرتا ہے۔ جس طرح شہید بے گناہ کا خون زمین نہیں پیتی اور انسان پی جاتا ہے۔ یتیم کو تھپیڑ مارنے سے عرشِ خدا کو لرزہ آتا ہے۔ لیکن انسان کا دل نہیں کانپتا۔

درسِ معرفت

غیر ذی روح موجودات سے خداوندِ متعال کے جس قدر خطابات یا ان کے جوابات ہیں وہ صرف امورِ تکوینیہ کی ترجمانی ہیں اور موجوداتِ عالم میں جس چیز کو جس مطلب یا ڈیوٹی کے لئے بنایا ہے اس کا اسی ڈیوٹی پر قائم رہنا اس کی اطاعت ہے مثلاً سورج کو چرخ چہارم پر ایک متعین رفتار سے ایک خاص جہت پر متحرک رہنے کے لئے بنایا ہے تو وہ اس پر بالکل قائم اور برقرار ہے اسی طرح چاند اپنی معین رفتار پر قائم ہے۔ زمین پیداوار اُگانے کیلئے ہے تو وہ اسی پر قائم ہے گویا موجوداتِ عالم کا ذرّہ ذرّہ اپنی معین ڈیوٹی سے سرمو ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ پس اگر یوں کہا جائے کہ اس نے سُورج کو گردش کا حکم دیا تو سُورج نے لبیک کہی۔ اس نے چاند کو معین رفتار کے ماتحت آسمان اوّل پر سیر کا حکم دیا تو اس نے جی ہاں میں جواب دیا اور اس نے زمین کو پیداوار اُگانے کی فرمائش کی تو اس نے لبیک کہی۔ وعلیٰ ہذا القیاس تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی سوال وجواب ہوئے بلکہ یہ تو مقصد کو واضح کرنے کے لئے ان کی اطاعت تکوینیہ کی زبانِ حال سے ترجمانی ہے اور بس اور اس حیثیت سے تمام غیر ذی روح موجودات کا اس کی اطاعت میں تکویناً جھک جانا اور تابع فرمان ہونا ان کی عبادت ہے اور یہی ان کی معرفت ہے اور اسی کو ان کی زبانِ حال کی تسبیح وتقدیس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے فرمایا ۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی زمین وآسمان کی ہر شے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور جو ذی رُوح موجودات ہیں۔ ان میں سے جن کو زیورِ عقل وفہم کی دولت سے محروم کیا گیا ہے یعنی حیوانات وغیرہ ان کی اطاعت بھی اطاعت تکوینیہ ہے اور سجدہ ان کا سجدۂ تکوینی ہے۔ اسی طرح ان کی تسبیح وتقدیس سب تکوینی حیثیت سے ہیں جس طرح ایک کرسی اپنی زبانِ بے زبانی سے اپنے بنانے والے کا اقرار کر رہی ہوتی ہے۔ اور اپنی صفائی وخوبی کے پیشِ نظر اپنے بنانے والے کے ثناخواں ہوتی ہے۔

اب رہا ذی رُوح موجودات کا قصّہ جو عقل وفہم کی نعمت سے آراستہ ہیں جیسے جن وانس وملک وغیرہ تو ان کا خلقی پہلو تو اس کا اطاعت گزار ہے تکویناً۔ مثلاً اس نے دو ہاتھ دیئے۔ دو پیر دیئے۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ ایک ناک اور ایک زبان وغیرہ بہر کیف جس رنگ وہیئت اور جس انداز وکیفیت سے اس نے چاہا بنایا۔ عقل وفہم عطا کیا۔ دل ودماغ مرحمت فرمایا اور حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنہ عطا فرمائے بہر حال اس چیز میں وجودِ انسانی میں نہیں چی کرنے کی کوئی جرأت نہیں اس نے جیسا بنایا یہ ویسا بنا اور اس کی یہ ہیئت کذائیہ۔ اس کی شکل وشباہت اس کی وضع قطع اور اس کی صحت وتوانائی بلکہ جملہ حالاتِ زندگی اور ادوارِ بچپن وجوانی وضعیفی اپنے خالق کی اپنی زبانِ بے زبانی سے ثناخوان ہیں۔ اپنے مالک قادرِ حکیم کے سامنے عابد وساجد ہیں۔ پس جسم انسانی کے خون کا ہر قطرہ گوشت وپوست کا ہر ذرّہ رگ رگ پٹھہ پٹھہ بال بال اور

پورے ڈھانچے کا ہر ہر حصہ اپنے اپنے مقام پر اپنے خالق یکتا کی قدرت و صنعت اور حکمت و خلقت کا حامد و مداح ہے اور معترف عجز و نیاز ہے اور اس اعتبار سے دشمنانِ خدا بلکہ مدعیانِ خدائی بھی اس کے معترف و ثناخوان تھے اور اس کے سامنے اپنی تکوینی حیثیت سے عجز و انکساری کے حامل تھے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے پس قرآن مجید کا یہ دعویٰ کہ ہر شے اس کے سامنے سجدہ کناں ہے یا زمین و آسمان میں بسنے والی تمام مخلوق اس کی تسبیح گزار ہے۔ درست ہے اس پر اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ فرعون و شداد و نمرود اور دیگر خدائی کے مدعیان کب اس کے تسبیح گزار تھے کیوں کہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ تکوینی طور پر اس کی تمام مخلوق اس کے سامنے ساجد اور اس کے خوف سے لرزاں ہے اور اپنی زبان بے زبانی یا ہئیت کذائیہ سے اس کی تسبیح و حمد گزار ہے خواہ کافر ہی ہو لیکن ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تکوینی اطاعت موجب جزا نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ قہری و اضطراری ہوا کرتی ہے پس اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ سے تمام انسانوں کو عقل و فہم عطا کر کے اپنے ارادہ و اختیار سے اطاعت و عبادت کی دعوت دی ہے پس اس کے یہ اوامر تشریعیہ ہیں اور اس بارہ میں اس کا ارادہ تشریعیہ ہے اور انسان کی اس کے ماتحت اطاعت بھی اطاعتِ تشریعیہ ہو گی اور یہی اطاعت جزا کا استحقاق رکھتی ہے اور اس مقام پر نافرمانی سزا کا استحقاق رکھتی ہے۔

ارواح سے اقرارِ اطاعت

ہم نے ثابت کیا ہے کہ تمام سلسلہ موجودات خالق کائنات کے سامنے ماضی و حال و استقبال کے تمام ادوار کے ساتھ ساتھ بیک وقت اس کے سامنے موجود و حاضر تھے اور اس سے کسی وقت بھی کوئی فرد موجود غائب و دور نہیں ہے۔ پس تمام عقول بشریہ اور نفوس انسانیہ بیک وقت اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے اپنے انتہائی عجز کے ساتھ اس کے وجود کے معترف بھی ہیں اور اس کے ثناخوان بھی۔ خواہ کفار کے ارواح ہوں یا مومنوں کے لیکن انسان کو عقل و ارادہ اور فہم و اختیار دینے کے بعد اس کو خصوصی مکلف کیا گیا ہے کہ تکوینی اطاعت سے قدم آگے بڑھائے اور تمام تکوینیات میں پورے غور و خوض کے بعد اپنے اختیار و ارادہ سے بھی اس کی ثناخوانی کا فریضہ ادا کرے اور اس کے سامنے اپنے کمالِ عجز کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو اور انسان کو عقل و فکر کی طرف سے یہ فطری دعوت بھی خداوند کریم کی جانب سے صدائے بازگشت ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت اسی عہد و پیمان کی تجدید ہے جو انسان نے فضائے عقلی میں حالات پس و پیش کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا تھا۔ پس گویا اس نے تمام عقولِ انسانیہ اور نفوس بشریہ سے دریافت کیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے زبانِ عجز و انکساری سے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہاں بے شک تو ہمارا خدا ہے۔

ہم نے پہلے مفصل بیان کیا ہے کہ سلسلہ موجودات کی ہر کڑی خالق موجودات کے سامنے ازل سے ابد تک ہر وقت یکجا موجود ہے اور وہ ان کے تمام جزوی حالات کو جانتا ہے۔ گذشتہ آئندہ اور موجودہ تمام افراد ممکنات اس کے علم ذاتی کے سامنے حاضر ہیں کہ اس سے کوئی بھی غائب نہیں۔ پس تمام نفوس بشریہ بمعیت عقل جو بارگاہِ قدس ایزدی میں بیک وقت موجود

ہیں۔ان سے قدرت اپنے خاص انداز میں گویا ہوئی کہ کیا میں تمہارا سب کا رب نہیں ہوں تو یہ انسان سوچ سمجھ کر عقل و فکر سے کام لے کر پکار اٹھا۔ واقعی تو ہمارا رب ہے یعنی ظاہری جسموں اور جسمانیات سے الگ ہو کر صرف نفوسِ انسانیہ سے ہی میثاق لیا گیا اور مادیات کی دنیا سے الگ تھلگ ہو کر بات چیت ہوئی گویا نفسِ انسانی نے گوشِ عقل سے ندائے پروردگار کو سنا اور زبانِ عقل سے اس کا اعتراف کیا اور وجودِ ظاہری جسمانی کا لباس اوڑھنے کے بعد خواہشات و شہوات کے شکنجوں میں پھنس کر انسان ضد و معاندت کو اپناتے ہوئے انکار پر تل گیا ورنہ عقلِ انسانی تو کسی وقت بھی اس کئے ہوئے عہد سے پشیمان نہیں ہوتی اگر شہوت و خواہش کے بھوت اتر جائیں تو عقلِ انسانی فوراً حقیقت کی طرف عود کرنے میں ذرہ بھر پس و پیش نہ کرے گی۔

اور علامہ محسن فیض تفسیر صافی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ممکن ہے عالم مثال میں مثالی اجسام نے اپنی ملکوتی زبانوں سے جواب دیا ہو کیونکہ مخلوقِ عالم کے ہر ذرہ ذرہ میں لسان ملکوتی موجود ہے جو اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید اور تمجید و توحید بیان کرتی ہے اور یہی لسانِ ملکوتی تھی جس کے ذریعے سے حضرت رسالتمآبؐ کے دستِ حق پرست پر سنگریزے بولتے تھے اور اسی ملکوتی زبان سے بروز حشر زمین گویا ہو گی جیسا کہ فرماتا ہے۔ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا۔ اور اسی ملکوتی زبان سے انسانی اعضاء کو بیان دینا ہو گا۔

نتیجہ:۔ اس قدر تفصیل کرنے کے بعد یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ پہلے اور دوسرے قول میں منافات نہیں ہے بلکہ پہلے قول کو دوسرے قول پر ڈھالا جا سکتا ہے اور حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام اولاد آدمؑ کو ظاہر کر کے ان سے اقرار لینا اسی تاویل کے ماتحت مراد لیا جا سکتا ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

اقرارِ نبوت و امامت

تکوین و تشریع کے معانی سمجھ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ مخلوقات میں سے جو نعمتِ عقل سے خالی ہیں۔ خواہ ذی رُوح ہوں ان سب کا اقرار ربوبیت تکوینی تو ہے ہی بلکہ خود عقل بھی تکوینی طور پر اس کا معترف ہے لیکن اب جسم و مادہ کا روپ دھار لینے کے بعد روحِ انسانی سے اس کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا مطالبہ ہو رہا ہے جو علیحدہ علیحدہ قوائے بدنیہ اور عقل کر چکے ہیں کہ اب اجتماعی صورت میں بھی شہوت و خواہش سے الگ ہو کر غفلت کا پردہ اٹھا کر یا باپ دادا کی تقلید سے بے نیاز ہو کر اسی عہد پر کاربند ہوں جو کر چکے تھے۔

اس مقام پر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ جہاں تک تکوین کا تعلق تھا وہاں تو صرف مکوّن یعنی خالق کا اعترافِ ربوبیت و وحدانیت کافی تھا لیکن عقل کی دولت عطا ہونے کے بعد جب اطاعتِ تکوینی کے علاوہ انسان سے اطاعت اختیاریہ و ارادیہ کا مطالبہ ہوا تو اب صرف اس کے اقرار کی حیثیت اس کے صانع ہونے تک محدود نہ رہی اور اس کی اطاعت صرف تکوینی اطاعت تک بند نہ رہی بلکہ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنے اعمال و کردار کو اس کی ہدایات کے ماتحت کرنا ہی اطاعت ہو گی کیونکہ تکوینی اطاعت بے عقلی اور قہری و جبری ہونے کی حیثیت سے قابل مدح نہیں اور نہ موجب جزا ہے اور نہ شایان شان نعمتِ عقل

ہے اور اس کے برعکس اختیاری اطاعت قابلِ تعریف بھی ہے اور موجب جزا بھی نیز انسان کی عقلی حیثیت کے مناسب بھی ہے اور اشرف المخلوقات کی پوزیشن کے شایانِ شان بھی۔

پس جب ارواحِ انسانیہ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی آواز کو گوشِ عقل سے یا سامعِ ملکوتی سے یا اندازِ حالی یا طریقِ فطرت سے سُنا تو فوراً زبانِ عقل یا لسانِ ملکوتی یا زبانِ حال یا لہجۂ فطرت سے جواب دیا بلٰی کہ واقعی بلاشک تو ہمارا پروردگار ہے اب اقرار اطاعت کے بعد عقل یا ملکوت یا حال یا فطرت کے کان نے دوسری آواز فوراً سنی اَلَیْسَ مُحَمَّدٌ نَبِیُّکُمْ۔ کیا محمد تمہارے نبی نہیں ہیں تو چونکہ مخلوق اور خالق کے درمیان کوئی ایسا رابطہ موجود نہیں جس کی بدولت یہ ظلمانی مخلوق ذاتِ اقدس الٰہیہ کے فیوض سے مستفیض ہو سکے اور اس کے اوامر و نواہی سے اطلاع پا کر اس کی خوشنودی کی حد تک پہنچ سکے اور اپنے کئے ہوئے عہد کو وفا کر سکے پس عقولِ انسانیہ اور نفوسِ بشریہ گویا اقرارِ ربوبیت کے بعد اس کش مکش میں مبتلا تھے کہ اطاعت کا طریقہ کیا ہوگا اور وعدہ کی ایفا کس طرح ہوگی تو فوراً نبوت کا طریقہ سوجھا کہ خدا اور ہمارے درمیان ایسی ذات ہو جو وہاں سے لائے اور ہم تک پہنچائے تاکہ ہم اس کی اطاعت کر کے اپنے عہد سے وفاداری کریں پس نبوت کی تجویز پر زبان ملکوتی زبان حال و زبان فطرت یا زبانِ عقل فوراً بول اٹھی بے شک ٹھیک ہے اور ہمیں منظور ہے کہ اطاعتِ پروردگار کا طریقہ ان سے حاصل کر کے خوشنودیٔ خدا تک پہنچ سکیں گے۔ اب فوراً یہ سوال بھی پیدا ہونا تھا کہ نبی اگر رحلت کر جائے تو ان کے بعد نظام شریعت کی باگ ڈور بھی تو کسی کے ہاتھ میں ہونی ضروری ہے۔ پس فطرت و عقل اس کش مکش میں تھے کہ خالقِ کائنات کی آواز سنائی دی کہ اَنَّ عَلِیًّا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی تحقیق علی مومنوں کا امیر ہے تو فطرت و عقل کی زبانیں کھلیں یا لسان ملکوتی بشری نے فوراً لبیک کہی پس اس طرح سے میثاقِ ازلی میں اقرارِ توحید و رسالت و امامت کا عہد نامہ ہوا۔ اور ملائکہ نے شہادت دی اور یہی دین فطرت قرار دیا گیا اور اسی کے ماتحت احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ خداوند کریم نے روز ازل سے یہ اقرار لئے تھے۔

پہلے پہل جب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی صدا آئی تو تمام مخلوق سے سبقت کرتے ہوئے روح محمدی نے جواب دیا۔ بلٰی تو ان کو تمام کائنات کا سرتاج و شہنشاہ قرار دیا گیا۔ لہٰذا دوسرے نمبر پر آئمہ اثنا عشریہ نے (یعنی علیؑ سے مہدیؑ تک) کہا بلٰی تو ان کو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ کے اوصیاء اور تمام مخلوقاتِ عالم سے افضل قرار دیا گیا پھر تیسرے نمبر پر انبیاء نے علیٰ حسب المراتب بالترتیب اقرار کیا تو ان کو اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے عہدۂ نبوت تفویض کیا گیا اور باقی تمام انبیاء سے سید الانبیاء کی نبوت اور ان کے اوصیاء کی ولایت کا عہد بھی لیا گیا جو دلیل عقل کے عین مطابق اور نقل کے بھی عین موافق ہے اور باقی عام مخلوق سے انبیاء کی اطاعت کا عہد بھی لیا گیا۔

اقرارِ ازلی کے متعلق روایات

۱۔ تفسیر برہان میں بروایت زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسی آیتِ مجیدہ کی تفسیر میں آپ نے فرمایا۔ خداوند کریم نے

پشت آدمؑ سے ہونے والی مخلوق کو نکال کر اپنی ربوبیت کے مظاہر و مناظر دکھائے تو انہوں نے اقرار کیا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ قطعاً اقرار نہ کرتے اور فرمایا کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی فطرتِ معرفت پر کہ اللہ ہی میرا خالق ہے اسی بنار پر تو فرماتا ہے کہ اگر مشرکین سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہیں گے۔ اللہ۔

۲۔ بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت رسالتمآبؐ سے دریافت کیا گیا۔ آپ کو تمام انبیاء سے کیوں فوقیت حاصل ہے تو فرمایا روزِ میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی ندا آئی تو تمام انبیاء سے سبقت کر کے پہلے پہل میں نے کہا تھا بلیٰ۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے فطرت کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ فطرت سے مراد اسلام ہے اور اسی فطرت پر لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا اور میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی کا بھی یہی مطلب ہے۔

۴۔ بروایت حمران حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے پہلے خطاب عام ہوا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ تو سب نے کہا بلیٰ۔ پھر تمام انبیاء سے میثاق لیا گیا۔ اَلست بربکم وان ھٰذا محمد رسولی وان ھٰذا علی امیر المؤمنین ؟ یعنی اپنی ربوبیت حضرت محمد مصطفےٰ کی رسالت اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت کے متعلق پوچھا۔ تو سب نے ہاں میں جواب دیا۔ پس ان کو عہدۂ نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ الخ

۵۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کو امیر المومنینؑ کیوں کہا گیا ہے تو فرمایا روزِ میثاق خدا نے اقرار بنی آدمؑ سے اس طرح لیا تھا۔ اَلست بربکم وانّ محمّداً رسولی وانّ علیاً امیر المومنین۔

۶۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سب سے پہلے بلیٰ حضرت رسالتمآبؐ نے کہا تھا۔ اس لئے کہ ان کی روحانی منزل خداوند کریم کے بہت زیادہ قریب تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شبِ معراج اس مقام قرب پر پہنچے کہ جبرئیل نے کہہ دیا تھا۔ یا محمد قَدْ طَأْتَ مَوْطِئًا لَمْ یَطَأْ اَحَدٌ قَبْلَکَ لَا مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ اے نبی محمد آپ اس جگہ پہنچے ہیں کہ آپ سے قبل یہاں نہ کوئی ملک مقرب پہنچ سکا اور نہ کسی نبی مرسل کی رسائی ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہی وجہ تھی ورنہ اگر نفس و روح کو اس قدر قرب منزلت نہ ہوتا تو اس قدر منزل رفیع پر کیسے پہنچ پاتے۔ پس اب قرب منزلت اس حد کو پہنچ گیا۔ جس طرح قرب مکان میں کہا جائے کہ فلاں فلاں سے دو کمان کے فاصلہ پر ہے یا اس سے بھی قریب ہے یعنی منزل توحید کے اس قدر قریب تھے کہ اس کے بعد کوئی قرب کی منزل باقی نہ تھی بلکہ اس سے آگے وحدت ہی وحدت تھی اور بس۔ آپ نے فرمایا روزِ میثاق کے اقرار میں اللہ کی ربوبیت اور تمام انبیاء کی نبوت اور حضرت امیر المومنینؑ اور باقی آئمہؑ کی امامت کا عہد لیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا تھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ وَمُحَمَّدٌ نَبِیُّکُمْ وَعَلِیٌّ اِمَامُکُمْ وَالْاَئِمَّۃُ الْھَادِیْنَ اَئِمَّتُکُمْ قَالُوْا بَلٰی۔ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں اور محمد مصطفےٰ تمہارا نبی نہیں اور علیؑ تمہارا امام نہیں اور آئمہ ہدیٰ تمہارے امام نہیں ؟ تو سب نے کہا ہاں بے شک ایسا ہی ہے کہ تو رب ہے محمد نبی ہے علیؑ اور باقی آئمہ ہدیٰ ہمارے امام ہیں۔ پہلے پہل خداوند کریم نے انبیاء سے اپنی ربوبیت

کا اقرار لیا چنانچہ فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ پھر افضل انبیاء کے نام بھی لئے اور فرمایا۔ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ اور حضور رسالتمآبؐ چونکہ سب سے افضل تھے اس لئے ان کا ذکر مقدم کیا۔ الخ

۷۔ امالی شیخ سے منقول ہے وہ اپنی سند کے ساتھ ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے اپنے زمانہ حکومت میں حج کا طواف شروع کرتے ہوئے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں تجھے بوسہ دے رہا ہوں حالانکہ مجھے پتہ ہے کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن چونکہ حضرت رسالتمآبؐ تیرے اوپر مہربان تھے۔ اگر میں نے ان کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام حج کرنے والوں میں موجود تھے تو فرمایا ہاں۔ خدا کی قسم یہ نفع و نقصان دے سکتا ہے۔ عمر نے پوچھا یہ کیسے اے ابوالحسنؑ۔ آپ نے فرمایا۔ کتابِ خدا کا فیصلہ اسی طرح ہے۔ عمر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کتابِ خدا کے عالم ہیں لیکن فرمائیے کتابِ خدا میں یہ بات کہاں ہے۔ پس آپ نے یہی آیت مجیدہ پڑھی۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ (الآیہ) آپ نے فرمایا کہ جب خداوندکریم نے حضرت آدمؑ کو خلق فرمایا تو اولادِ آدمؑ کو اس کی پشت سے نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور تمام اقرار کرنے والے بندوں کے عہد ایک ورق میں درج کرکے حجرِ اسود کو بطورِ امانت سپرد کئے گئے اور اس کو حکم ہوا کہ جو اس عہد کی وفا کرتے ہوئے تیرے پاس آئے تو اس کی بروزِ قیامت گواہی دینا۔ پس یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ اُترا اور اس کو اپنے مقام پر رکھ دیا گیا۔ خلقتِ آدمؑ سے قبل ملائکہ اس گھر کا طواف کرتے تھے۔ پھر حضرت آدمؑ نے حج کی، پھر حضرت نوحؑ نے حج کی پھر یہ گھر گر گیا اور پتھر کو کوہِ ابوقبیس میں محفوظ کر دیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے دوبارہ تعمیر کی تو وحیِ خداوندی کی ہدایت کے ماتحت پتھر کو ابوقبیس سے نکال کر اسی مقام پر نصب کیا گیا اور یہ جنت سے لایا گیا تھا۔ حضرت نے اپنے بیان کو ختم کیا تو عمر کہنے لگا۔ لَا عِشْتُ فِیْ اُمَّةٍ لَسْتَ فِیْهَا اَبَا الْحَسَنِ۔ یعنی خدا اس قوم میں بسنا مجھے نہ دے۔ جس قوم میں تو اے علیؑ موجود نہ ہو۔ **(اقول)** روایات کی سابقہ بیان کردہ تاویل کے ماتحت میثاقِ بنی آدمؑ کا حجرِ اسود کو بطورِ امانت سونپے جانے کا مقصد یہ ہوگا کہ حج پر انہی لوگوں نے ہی تو جانا ہوتا ہے جو اپنے میثاق پر ثابت قدم رہے ہوں اور خدا اور رسول و اہلبیتؑ کے بیان کردہ طریق پر گامزن ہو کر مناسک ادا کریں۔ لہٰذا حجرِ اسود بروزِ قیامت ان کے وفائے عہد کی گواہی دے گا۔ چنانچہ حجرِ اسود کی گواہی کی صراحت اسی مطلب پر بابانگِ دہل اعلان کر رہی ہے۔

بروایت جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ حضرت علیؑ کا لقب کب سے امیرالمومنین ہوا تو اس کے حق کا انکار نہ کرتے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ آپ خود ہی فرما دیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ لقب اس دن سے ہے جب روزِ میثاق کا عہد لیا گیا فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَاَنَّ مُحَمَّدًا نَبِیُّكُمْ وَاَنَّ عَلِیًّا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس کے بعد فرمایا هٰكَذَا وَاللّٰهِ جَآءَ بِهَا مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ یعنی حضرت رسالتمآبؐ نے اس کی تفسیر و تاویل اس

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ

اور پڑھ ان پر قصہ اس کا جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں پس نکل گیا ان سے پس پیچھا کیا اس کا

طرح بیان فرمائی تھی۔

۹۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ بروز میثاق تمام امت میرے اوپر پیش ہوئی۔ پس میری نبوت کا پہلا اقرار کرنے والا شخص علیؑ ہے اور وہی پہلے پہل میری تصدیق کرنے والا ہے۔ جب میں مبعوث ہوا ہوں اور وہی صدیق اکبر ہے اور وہی فاروق ہے جو حق و باطل میں فرق کرے گا۔

۱۰۔ اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں ابن کوا حاضر ہوا اور عرض کی فرمائیے کہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے بھی خداوند کریم نے اولاد آدمؑ میں سے کسی سے کلام کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں اس نے تمام بندوں کے ساتھ بلا امتیاز نیک وبد سے کلام کیا ہے اور انہوں نے جواب دیا ہے تو یہ سن کر ابن کوا حیران ہوا اور اس کو حقیقت معلوم نہ ہوسکی۔ پس عرض کرنے لگا۔ یہ کیسے؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی پھر آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ بندوں نے اس کی ربوبیت کا اور اطاعت کا اقرار کیا اور پھر رسولوں، نبیوں اور وصیوں کو علیحدہ کرکے لوگوں سے ان کی اطاعت کا عہد لیا۔ چنانچہ سب نے اقرار کیا۔ پس فرشتوں نے اس پر شہادت دی تاکہ مبادا عذر کریں کہ ہم غافل تھے یا ہمارے باپ دادا مشرک تھے لہذا ہم ان کے پیچھے چلے گئے۔ (برہان)

بہرکیف تمام روایات کی تاویل سابق کے ساتھ کوئی منافات نہیں ہے اور اس بارے میں روایات بکثرت وارد ہیں۔

۱۱۔ تفسیر برہان میں بطریق اہل سنت کتاب الفردوس ابن شیرویہ سے بروایت حذیفہ یمانی مروی ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا اگر لوگ جانتے کہ حضرت علیؑ کا نام کب سے امیرالمومنینؑ ہوا تو اس کی فضیلت کا انکار نہ کرتے۔ فرمایا اُن کا امیرالمومنینؑ تو نام اس وقت سے ہے جب حضرت آدمؑ روح وجسد کے درمیان تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے پھر آپ نے یہی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی۔ پس سب نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور فرشتوں نے بھی اقرار کیا تو فرمایا۔ انا ربکم ومحمد نبیکم وعلی ولیکم وامیرکم۔

۱۲۔ اصول کافی باب نکت فی الولایہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ وَلَایتنا وَلَایۃ اللّٰہ التی لم یبعث نبی قط الا بہا۔ یعنی ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے کہ کوئی نبی اس کے بغیر مبعوث نہیں ہوا۔

۱۳۔ آپ نے فرمایا۔ ما من نبی جاء قط الا بمعرفۃ حقنا وتفضیلنا علی من سوانا۔ یعنی کوئی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ وہ ہمارے حق کی معرفت رکھتا تھا اور ہمیں اپنے تمام ماسوا پر فضیلت دیتا تھا۔

۱۴۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا۔ ولایۃ علی مکتوبۃ فی جمیع صحف الانبیاء ولن یبعث اللّٰہ رسولا

الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا
شیطان نے تو ہو گیا گمراہوں میں اور اگر ہم چاہتے تو اس
وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ
بلند کرتے بوجہ (ان آیات) کے لیکن وہ جھک گیا طرف زمین کے اور پیچھے چلا اپنی خواہش کے تو اس کی مثال کتے کی سی ہے
اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ
اگر ان پر حملہ کرو تو ہانپتا ہے یا اس کو چھوڑ دو تو ہانپتا ہے یہ مثال ہے۔

الا بنبوۃ محمد و وصیہ علیؑ ۔ یعنی حضرت علیؑ کی ولایت تمام صحف انبیا میں فرض کی گئی ہے اور خدا نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر حضرت محمد مصطفٰےؐ کی نبوت اور حضرت علیؑ کی وصایت کے ساتھ۔

۱۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند کریم نے حضرت علیؑ کو اپنے اور تمام مخلوق کے درمیان ایک علامت مقرر فرمایا کہ جو اس کی معرفت رکھے وہ مومن اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر اور جو اس سے جاہل ہو وہ گمراہ اور جو اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرے وہ مشرک ہو گا اور جو اس کی ولایت کے ساتھ پیش ہو گا وہ جنتی ہو گا۔

۱۶۔ اہلسنت کی کتاب ینابیع المودۃ ملا سلیمان حنفی نقشبندی سے روایت کی جاتی ہے لم یبعث نبیؐ قط الا بولاء علی بن ابی طالب یعنی کبھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر ولایت علی ابن ابی طالب کے ساتھ۔

بہرکیف اس مضمون کی روایات کتب معتبرہ میں بکثرت موجود ہیں لیکن راہ گم گشتگان کی ہدایت اور اہل ولاء کے نور ایمان کی جلاء کے لئے اس قدر کافی ہیں۔

بلعم بن باعورا

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ۔ حنۂ ۱۳ : تفسیر برہان میں امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ بلعم بن باعورا کو اسم اعظم دیا گیا تھا اور وہ جو دعا مانگتا تھا مستجاب ہوتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور آخر کار فرعون کی طرف مائل ہو گیا اور دین سے خارج ہو گیا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور قوم بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو فرعون نے بلعم بن باعورا سے استدعا کی کہ موسیٰؑ اور اس کے اصحاب پر بددعا کرو تاکہ وہ ہم سے بھاگ نہ سکیں اور ہم ان کو پکڑ لیں پس یہ اپنی گدھی پر سوار ہوا اور آگے جانے کا ارادہ کیا لیکن اس کی گدھی نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ تو اس نے اس کو مارنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ مر گئی لیکن آگے کو قدم نہ بڑھایا اور مار کھاتے ہوئے اس نے آگے نہ چلنے کا عذر پیش کیا تھا اور وہ یہ کہ خداوند کریم نے اس کو طاقت گویائی عطا کی اور اس نے کہا مجھے کیوں مارتا ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ چل کر خدا کے نبی اور مومن بندوں پر بددعا میں شرکت کروں لہذا میں آگے قدم نہیں بڑھاؤں گی پس جب وہ مر گئی تو خداوند کریم نے اس کی زبان سے

اسم اعظم کا اثر اٹھالیا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حیوانوں میں سے تین جانور جنت میں جائیں گے۔
۱۔ بلعم بن باعورا کی گدھی ۲۔ اصحاب کہف کا کتا ۳۔ ایک بھیڑیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنا سپاہی بھیجا تھا تاکہ وہ ایک مومن قوم پر جبر و تشدد کرے اور ان کو عذاب میں مبتلا کرے۔ جب سپاہی اس طرف گیا تو پیچھے اس کا لڑکا موجود تھا۔ بھیڑیئے نے آکر اس سپاہی کے لڑکے کو پھاڑ لیا۔ پس اس ظالم سپاہی کے درد و غم میں مبتلا کرنے کی وجہ سے وہ جنت میں جائے گا۔

اقول:۔ چونکہ اپنے مقام پر مسلم ہے کہ جنت ارادہ و اختیار سے اعمال صالح کرنے والے کیلئے ہے اور جہنم ارادہ و اختیار سے اعمال بد کے ارتکاب کرنے والوں کے لئے ہے اور حیوانات سے کسی اچھے یا برے کام کا ظہور پذیر ہونا۔ ان کے حسن اختیار یا سوئے اختیار کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے وہ دائمی جزا و سزا سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ احادیث اسی مطلب پر بکثرت موجود ہیں تو اس مقام پر کتے، بھیڑیئے یا گدھی کے جنت میں جانے کی روایت اگر صحیح ہے تو لازماً اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ پس اس مقام پر ممکن ہے کہ ان حیوانات کی صفات خاصہ مراد ہوں اور مطلب اس طرح ہو۔

۱۔ کتے میں درندگی ہے بھونکنے کی عادت اور خست کا شیوہ ہے وغیرہ اور اصحاب کہف کی حفاظت کے پیش نظر اس نے درندگی کو چھوڑا کہ تعاقب کرنے والوں کو نہ کاٹا اور نہ ان کے کاٹنے کا ارادہ کیا اور بھونکنے کی صفت کو ترک کیا تاکہ تعاقب کرنے والے اصحاب کہف کا پتہ نہ لگالیں اور اصحاب کہف کا راز فاش نہ ہو تاکہ وہ مبتلائے تکلیف نہ ہوں پس وفا کی خاطر اور خاصان خدا کی حفاظت کے پیش نظر اس نے بد عادات کو چھوڑا جو اس کی فطرت میں داخل تھیں لہذا خدا کو پسند آیا تو کتے کے جنت میں جانے کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ انسان جو کتے کی سی عادت رکھتا ہو۔ کاٹنا بھونکنا اس کی عادت ہو لیکن خاصان خدا کی حفاظت اور اہل ایمان سے وفاداری کے پیش نظر وہ اپنی عادات کو خیر باد کہہ کر شیوہ اہل وفا اہل ایمان کے ساتھ ہو جائے تو خدا اس سے سابقہ کرتوتوں کا مواخذہ نہ کرے گا اور وہ داخل جنت ہوگا۔

۲۔ گدھے میں ہٹ دھرمی ہے ہینگنا ہے اور کور باطنی ہے۔ ان ناپسندیدہ اوصاف کے باوجود اس نے نبی خدا اور مومنین کی حفاظت کے پیش نظر اپنے سوار کی اطاعت سے انکار کیا اور یہ صفت خدا کو محبوب ہے۔ پس اگر کوئی انسان گدھے کی سی صفات کا حامل ہی کیوں نہ ہو لیکن خاصان خدا کی حفاظت کے لئے اپنی جان تک قربان کر دے تو اس کی سابقہ صفات بد کا مواخذہ نہ ہوگا اور آئندہ جنت میں داخل ہوگا۔

۳۔ بھیڑیئے میں درندگی اور جسارت ہے پس اس نے اپنی صفت درندگی و جسارت کو ایسے طریقے سے استعمال کیا کہ مومنوں کا انتقام سپاہی سے ہو گیا اگر کوئی انسان بھی اسی طرح بھیڑیئے کی سی درندگی و جسارت طبیعت میں رکھتا ہو لیکن اس درندگی و جسارت پر کنٹرول کرکے اس کو صرف دشمنان دین کے لئے عمل میں لائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا گویا کتے بھیڑیئے اور گدھے کے جنتی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان جو ان حیوانی صفات بد کا عادی اگر اپنی ذاتی فطری عادات کو ترک کرے یا ان کو ایسی جگہ استعمال

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو پس بیان کرو قصہ تاکہ وہ فکر کریں۔

سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ

برے ہیں ازروئے مثال وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور اپنے نفسوں پہ ظلم کرتے تھے جس کو

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

ہدایت دے اللہ تو وہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو وہ ہی خسارہ پانے والے ہیں۔

کرے۔ جہاں دین وایمان کی ترقی وترویج کا راز مضمر ہو اور دین والوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہو یا دشمنانِ خدا کو نقصان ہو تو باوجود ان صفاتِ حیوانیہ کے بھی وہ داخلِ جنت ہوگا اور ممکن ہے کہ کفار کی حسرت کو بڑھانے کیلئے مذکورہ حیوانوں کو جنت میں بھیجا جائے

وَلَوْ شِئْنَا ص۱۳۱ :- یعنی وہ معرفت کے بلند زینہ پر فائز تھا اور اس کو خدا نے دلائلِ معرفت وبراہین توحید بہت کچھ عطا فرمائی تھیں اگر وہ ایمان پہ ثابت قدم رہتا تو اللہ کے نزدیک اس کا درجہ بہت بلند ہوتا لیکن وہ پستی کی طرف مائل ہوا اور خواہشات کی اتباع کی پس گر گیا اور وَلَوْ شِئْنَا کا مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر ہم مجبور کرتے تو وہ گمراہ نہیں ہوسکتا تھا لیکن ہم تو دین پر برقرار رہنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کرتے بلکہ اختیار دے دیتے ہیں لیکن وہ اپنی مرضی واختیار سے دین کو چھوڑ کر گمراہ ہوگیا اور منزلہ رفیعہ سے محروم ہوگیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیتِ مجیدہ کا مصداق اصلی تو بلعم ہے لیکن اب اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ہدایت یافتہ ہونے کے بعد خواہشاتِ نفس کو ترجیح دے پس دین کو چھوڑ کر خواہش کے پیچھے چلے۔

يَلْهَثْ ص۱۳۱ :- زبان باہر نکالنا اور ہانپنا۔ یہ صفت کتے کے لئے اس لئے ذکر کی ہے کہ باقی ہر حیوان بھی ہانپتا ہے لیکن تھکان کے وقت۔ لیکن کتا خواہ تھکا ہو یا نہ ہو۔ حالتِ آرام میں ہو چاہے بے آرامی میں یہ ہر وقت ہانپتا ہے اس جگہ مثال دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کریں اور وہ دیدہ دانستہ دینِ خدا کو چھوڑ کر خواہش کی اتباع کریں۔ ان کے لئے وعظ کرنے اور وعظ نہ کرنے کی دونوں صورتیں برابر ہیں۔ جس طرح کتے کے ہانپنے میں تھکان کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتیں یکساں ہوا کرتی ہیں۔

اَلْقَصَصَ :- مصدر ہے اور مفعول مطلق واقع ہوا ہے۔

تنبیہ اگر آیتِ مجیدہ بلعم بن باعورا کے متعلق ہے تو پس اگر اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کرنے جانا ہی موردِ عذابِ خداوندی ہوا ہو مشکل سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ دعا کرتا یا اس نے دعا کی تو خداوند کریم کسی کی دعا کا پابند

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ

اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جہنم کے لئے بہت سوں کو انسانوں اور جنوں میں سے کہ ان کے دل ہیں لیکن

لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا

سمجھتے نہیں ان کے ذریعے اور ان کی آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں لیکن

يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ

سُنتے نہیں ان سے ایسے لوگ مثل چوپاؤں کے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں ایسے لوگ

تو نہیں ہے وہ تو نبیوں کی دعا کو بھی رد کرسکتا ہے۔ فرشتوں کی دعا کو بھی ٹھکرا سکتا ہے صرف بلعم کے پاس اسم اعظم کا ہونا خدا کو استجابت دُعا میں مجبور تو نہیں کرسکتا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے بد دعا کی اور خدا نے اس کی دُعا منظور کرلی اور حضرت موسیٰ کو بمعہ قوم کے تیہ (صحرائے سینا) میں سرگرداں کیا جیساکہ تفسیر کبیر میں ہے اور غضب خدا جوش میں آیا تو بلعم سے اسم اعظم چھین لیا اور اس پر جہنم کو واجب کردیا۔ کیوں نہ اس کی دعا کو ٹھکرا دیا اور اگر اسم اعظم کی موجودگی میں دعا نہیں ٹھکرائی جاتی تھی تو اس کے دعا مانگنے سے پہلے ہی اسم اعظم اس سے لے لیا ہوتا جبکہ اس کی نیّت خراب ہوچکی تھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گمراہی کا سبب کوئی دوسری بات ہے اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو رسول سمجھنے اور جاننے کے باوجود وہ فرعون کا ساتھی ہوگیا اور حضرت موسیٰ اور تمام اہل ایمان کا اعلانیہ دشمن بن گیا۔ پس جو بھی اس صنعت بد کا ارتکاب کرے۔ وہ انہی آیات کا مصداق قرار دیا جائے گا۔ بعض کا قول ہے کہ آیت مجیدہ امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے متعلق ہے جو شاعر بھی تھا اور کتب کے مطالعہ سے اس کو پتہ تھا کہ خدا رسول بھیجے گا تو وہ اس طمع میں ہوگیا کہ میں ہی وہ رسول بنوں گا۔ جب حضورؐ نے اعلانِ رسالت کیا تو وہ حسد کی آگ میں جل بھن کر کافر ہو مرا۔

بعض کہتے ہیں کہ ابو عامر بن نعمان راہب کے متعلق ہے جس کو حضورؐ نے فاسق کہا تھا۔ واللہ اعلم۔ بہر کیف جو بھی دلائل و براہین کے بعد خواہش نفس کی پیروی کرے اور صراطِ حق کو چھوڑ دے خواہ کوئی بھی ہو وہ انہی آیات کا مصداق ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا:۔ مقصد یہ ہے کہ جو مخلوق ہم نے پیدا کی ہے ان میں بہت سے ایسے ہیں خواہ قوم جن سے ہوں یا قوم انسان سے جو اپنی بداعمالیوں کی بدولت اور سوء اختیار سے جہنم کا راستہ لیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا نے ان کو ابتداً پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ جہنم میں جائیں لِجَهَنَّمَ کی لام عاقبت کے لئے ہے۔ یعنی ان کا انجام و عاقبت جہنم ہوگی بوجہ ان کے سوء اختیار کے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ:۔ ان کے سوء اختیار کی وضاحت ہے یعنی ہم نے تو جنّت کی طرف لے جانے کیلئے دل دیئے تاکہ

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ

ہی غافل ہیں اللہ کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں پس پکارو اس کو ان سے اور چھوڑو ان کو جو کجروی کرتے

يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ

ہیں اس کے اسماء میں ان کو بدلہ دیا جائے گا جو عمل کرتے ہیں اور جو ہم نے

خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع ۱۲

پیدا کئے - ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی طرف بلاتے ہیں اور حق کا فیصلہ کرتے ہیں

سمجھیں، آنکھیں دیں تاکہ دیکھیں اور کان دیئے تاکہ سنیں لیکن وہ خواہشات نفسانیہ کے چکر میں آکر دل آنکھوں اور کانوں سے وہ کام نہیں لیتے جن کے لئے ان کو یہ عطا ہوئے ہیں پس اس سوء اختیار کے نتیجے میں وہ ظاہراً گو انسان ہیں لیکن درحقیقت حیوانات سے بھی بدتر ہیں اور غفلت نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا ہے ورنہ اگر خدا نے ان کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہوتا۔ تو ان کے سوء اختیار پر ان کی مذمت کیوں کرتا اور ان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کیوں عطا فرماتا اور ان کو غافل کیوں کہتا۔

معلوم ہوا کہ ان کو جہنم میں وارد کرنے کا سبب ان کی اپنی ہی غفلت ہے۔

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى :- یہ فقرہ قرآن مجید میں چار جگہ پر ہے۔ ایک یہی دوسرے سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں (۳) سورۂ طٰہٰ کے شروع میں۔ (۴) سورۂ حشر کے آخر میں۔ اس کے نام کثیر ہیں۔ مثلاً اللہ رحمٰن ورحیم عالم وقادر۔ قدیم۔ حی۔ خالق۔ رازق۔ سمیع بصیر وغیرہ اور حدیث نبوی میں ہے کہ خدا کے ۹۹ نام ہیں جو ان کو یاد کرے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ مجمع البیان میں یہ روایت صحیح مسلم سے منقول ہے

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا جب تم پر کوئی مصیبت اترے تو ہماری بدولت اللہ سے مدد طلب کیا کرو کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کی قسم وہ اسمائے حسنیٰ ہم ہیں جن کی معرفت کے بغیر کسی کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی۔

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے مروی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ جابر بن عبداللہ انصاری کہتا ہے میں نے جناب رسالتمآبؐ سے حضرت علی بن ابی طالب کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ تو میرا نفس ہے۔ پھر میں نے حسنؑ وحسینؑ کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ وہ میری روح ہیں۔ پھر میں نے جناب فاطمہؑ کے متعلق پوچھا تو فرمایا وہ میری شہزادی ہے جو چیز اس کو تکلیف دے وہ مجھے رنج دیتی ہے اور جو چیز اس کو خوش کرتی ہے مجھے خوش کرتی ہے۔ پس ان لوگوں کا دشمن میرا دشمن ہے اور ان کا دوست میرا دوست ہے۔ اے جابر اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ سے دعا مانگے اور تیری دعا

۱۰۷ Imp →

قبول ہو تو ان کے ناموں کے وسیلہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ خدا کے محبوب ترین نام ہیں۔

فَادْعُوْهُ بِهَا ؕ خداوند کریم کے اسمائے حسنیٰ اپنے اپنے مقام پر سب اسماء ہیں اور ہر نام اسم اعظم ہے۔ جس کے ذریعے سے عبد کی دعا مستجاب ہوا کرتی ہے لیکن دعا کا معنی صرف تلفظ لسانی نہیں کہ رٹ لگاتا رہے۔ خواہ دل و زبان میں موافقت ہو یا نہ ہو اور خواہ عمل اپنی زبان کی مطابقت کرتا ہو یا نہ۔

جو انسان چاہے کہ میرے ہاتھ میں اسم اعظم آجائے اور میری دعائیں مقبول ہوں۔ اس کے لئے بہت زیادہ جہاد نفس کی ضرورت ہے اور اس مرحلہ عظیمہ و منزلۂ رفیعہ پر قدم رکھنا اس وقت ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ جب جہاد نفس میں کسی حد تک فتح یابی سے ہمکنار ہو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ اللہ کے اخلاق اپنے میں پیدا کرو اور اسی کے اخلاق سے خود کو آراستہ کرو اور کُنْ لِیْ اَکُنْ لَکَ (تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں) یہ تو دل ہر ایک کا چاہتا ہے کہ وہ میرا ہو جائے اور جو چاہوں اس سے منوالوں لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ پہلے میں بھی تو اس کا ہو جاؤں کہ وہ جو چاہے مجھ سے منوالے کسی شخص نے پوچھا کہ خدا کی ہمارے ساتھ کس قدر محبت ہے۔ آپ نے جواب دیا جتنی تیرے دل میں اس کی محبت ہے اگر چاہے کہ میں مرتبۂ کمال حاصل کروں تو خدا کی صفات میں سے کسی ایک صفت کو لے لے اور اپنی ذات کو اس میں جذب کرلے جب اس کی ذات پورے طور پر اس صفت میں جذب ہو جائے گی تو وہ صفت اس میں جذب ہو جائیگی اور وہی اس کے لئے اسم اعظم ہو گا۔ مثلاً خدا کی صفت ہے صادق۔ اب صرف یا صادق یا صادق کا زبانی ورد۔ اس میں اسم اعظم کے اثرات نہیں پیدا کرے گا جب تک اس میں جذب نہ ہو گا اور اس صفت میں جذب ہونے کا مقصد یہ ہے کہ سرتاپا اپنے وجود میں اس صفت کے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ آنکھ میں صداقت ہو جھوٹ نہ آئے۔ کان میں سچائی بھر جائے۔ جھوٹ اس کے قریب نہ بھٹکے۔ زبان میں صدق۔ دل میں صدق۔ ہاتھوں میں صدق۔ پیٹ میں صدق۔ رفتار و گفتار میں صدق۔ حتیٰ کہ اپنے پاس کذب و جھوٹ کا شائبہ تک نہ آنے دے اور اس سلسلہ میں انسان کو جہاد اکبر کرنا پڑتا ہے اور وہ ہے جہاد نفس اور جب یہ دشمن یعنی اپنا نفس مغلوب ہو جائے تو پھر اس کے اوپر صرف اللہ کی حاکمیت ہی ہو گی اور عبد و معبود کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہے گا اور دعا کی مقبولیت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔ بس اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ تقدیر ہوں گے۔

اسی طرح اگر لفظ رحمٰن و رحیم کو اپنے لئے اسم اعظم بنانا چاہے تو صفت رحمت میں جذب ہونا پڑے گا اور من و عن سارے وجود کو اسی صفت کے رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہو گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اللہ سبحانہٗ کی ہر صفت اور اس کا ہر نام اسم اعظم ہے اگر اس کا صحیح ورد کیا جائے اور صحیح ورد سے مراد تلفظ لسانی نہیں بلکہ اس کے وجود کی رگ رگ پٹھہ پٹھہ، ہڈی ہڈی اور اس کے خون کا قطرہ قطرہ اور جسم کا بال بال بلکہ حرکت حرکت اور سکون سکون سے اسی نام کی صدا بلند ہو تو وہ نام کیوں نہ اسم اعظم ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کے پاس ایک اسم اعظم تھا کسی کے پاس دو اور کسی کے پاس اس سے زیادہ اور آلِ محمدؐ کے پاس سب کے سب ہیں سوائے ایک کے کہ وہ ذاتِ پروردگار کے ساتھ ہی مختص ہے۔
گویا انبیاء طاہرینؑ علیہم السلام صفاتِ خداوندی میں سے ایک یا دو صفتوں میں جذب کامل رکھتے تھے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سابق نبیوں کے پاس ہونے والی متفرق صفات کے جامع تھے یعنی جو جو صفات ان کے پاس فرداً فرداً تھیں وہ ان کے پاس جمع تھیں اور غالباً فرمانِ نبوی کہ جو شخص آدم کو بعہ علم کے نوح کو اس کی نشست میں ابراہیمؑ کو اس کی خلت کے رنگ میں موسیٰؑ کی ہیبت میں، عیسیٰ کو زہد میں، ایوب کو صبر میں اور یوسف کو جمال میں دیکھنا چاہے تو فَلْيَنْظُرْ اِلٰى وَجْهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ تو وہ علیؑ کے منہ کو دیکھے فَاِنَّ فِيْهِ تِسْعِيْنَ خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْاَنْبِيَآءِ کیوں کہ انبیاء کے خصائل میں سے اس کے پاس نوّے خصلتیں ہیں جو کسی فرد بشر میں جمع نہیں ہوئیں۔ سوائے اس کے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خصالِ انبیاء کا مجموعہ حضرت علیؑ میں تھا اور خصالِ انبیاء سے مراد صفاتِ انبیاء ہی ہیں اور نبی میں جو صفت ہے وہ لازماً صفاتِ خداوندی میں سے ہی ہوگی۔ ورنہ مستحق مدح کیوں ہوتی نیز کسی نبی میں کسی صفت کا پایا جانا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ صفت اس میں پوری راسخ ہے اور اس میں کما حقہٗ جذب ہے ورنہ اگر صفت پائیداری کی صورت میں نہ ہو تو وہ اس کی صفت نہیں کہی جاسکتی اور حضرت علیؑ میں سے نوّے صفات کا پائیداری کے ساتھ ہونے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مکمل آئینہ تھے اور خدائی صفات میں سے جو صفت ان کی دست رس سے باہر اور خدا کے ساتھ مختص ہے۔ وہ ہے الوہیت بمع صفاتِ ثبوتیہ کے۔ یہ یاد رہے کہ جب ایک صفت وجودِ انسانی میں صفاتِ کمال میں سے رچ جائے تو وہ دوسری صفاتِ حسنہ کو خود بخود اپنی طرف جذب کرتی ہے چنانچہ مروی ہے۔ ایک شخص حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی حضورؐ! میں گنہگار ہوں اور گناہوں سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو آپ نے فرمایا۔ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ ایک برائی چھوڑ دو باقیوں سے میں نہیں روکتا۔ تو اس نے عرض کی۔ یہ بالکل آسان ہے اور ایک برائی میں چھوڑ دوں گا آپ جو بھی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا بس جھوٹ نہ بولا کرو اور ہر روز ایک مرتبہ مجھے ملنے کے لئے آیا کرو۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ جب وہ گھر گیا تو شراب نوشی کی عادت نے مجبور کر دیا۔ جب جامِ شراب سامنے آیا، پینے کا ارادہ کیا تو اُسے خیال آیا اگر پیغمبر خدا کے سامنے جاؤں گا تو ممکن ہے آپ پوچھیں۔ شراب پیا تھا۔ تو جھوٹ ترک کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں سچ کہنا پڑے گا اور شرمساری ہوگی۔ لہذا جام کو توڑ دیا۔ پھر دوسری بدکاری کے وقت یہی خیال سدِّ راہ بن گیا چنانچہ اس طریقہ سے وہ اپنی تمام برائیوں سے رُک گیا۔

پس جو شخص صادق ہوگا وہ رحیم بھی ہوگا وغیرہ۔ پس انبیاء سابقین علیہم السلام ایک ایک یا دو دو صفاتِ قدسیہ میں مظہرِ خداوندی تھے اور حضرت علی علیہ السلام ۹۰ صفاتِ خداوندی میں یا بمطابق دوسری حدیث کے ستر صفاتِ خداوندی میں اس کے مظہر تھے اور یہ صفاتِ خداوندی ان کیلئے اسمِ اعظم تھیں پس ان کی نظر اکسیر تھی۔ ان کا کلام اکسیر تھا اور ان کا ارادہ تقدیر

تھا اور وہ تو وہ ان کا اپنا نام بھی اس قدر اثر رکھتا ہے کہ اگر ان کے نام کے ساتھ پوری مانوسیت پیدا ہو جائے تو اسم اعظم ہے اور ہر مشکل و مصیبت میں کامیابی و کامرانی کا زینہ ہے۔ چنانچہ کتب مناقب میں آپ کے نام نامی کے اثرات و کرامات بہت کافی درج ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ حضرت علیؑ کا نام بھی صرف زبان تک محدود نہ رکھے بلکہ ان کی سیرت حسنہ کے سانچے میں اپنے وجود کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔ بہر کیف اللہ کے اسمائے حسنہ میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر اسم اعظم ہے۔ پس جو دعا محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے مانگی جائے بشرطیکہ ان کی ولایت کا قائل ہو اور ان سے سچی محبت رکھتا ہو مقبول ہو گی۔

اور معصوم نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے خدا کی حمد و ثنا کی جائے پھر محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجا جائے اور پھر اپنی حاجات کا تذکرہ کیا جائے اور آخر میں بھی درود پڑھا جائے تو دعا ضرور مقبول ہو گی۔ ہاں بعض اوقات دعا کا تاخیر میں پڑ جانا رد دعا کی علامت نہیں بلکہ اس میں مصلحت خداوندی کارفرما ہوتی ہے۔ نیز بعض اوقات مطلوبہ چیز واقع میں نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس لئے بھی بظاہر دعا مقبول نہیں ہوتی اور خداوند کریم آخرت میں اس کے بدلہ میں اس کو زیادہ سے زیادہ نعمات کرامت عطا فرمائے گا۔

نام علیؑ کی تاثیر

کتاب مجمع النورین ص۱۸۰ بروایت برسی عیون اخبار الرضا سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کسی طرف جا رہے تھے کہ خیبر کا ایک یہودی ہمسفر ہو گیا۔ پس سامنے ایک وادی تھی جس میں پانی گہرا تھا تو وہ یہودی پانی کے اوپر عبور کر کے چلا گیا جب پار ہوا تو حضرت علی علیہ السلام کو اس نے صدا دی کہ اگر آپ کو وہ علم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو آپ بھی میری طرح عبور کر لیتے۔ آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پس آپ نے اپنے ہاتھ سے پانی کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ جم گیا اور آپ اُوپر سے گزر کر پار ہو گئے۔ جب خیبری یہودی نے دیکھا تو قدموں پر گر کر عرض کی۔ اے جوان تو نے کیا پڑھا ہے کہ پانی خشک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا پہلے تو بتا کہ تو نے کیا پڑھا تھا کہ پانی کے اُوپر سے گذر آیا ہے؟ خیبری یہودی نے جواب دیا۔ میں نے حضرت محمدؐ کے وصی کے نام کے ذریعے دعا کی تھی۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا تو نے جس کا نام لیا تھا میں خود ہی وصی محمدؐ ہوں۔ پس خیبری فوراً مسلمان ہو گیا۔

۲۔ بروایت برسی عمار بن یاسر سے منقول ہے میں نے آپ سے اپنے مدیون ہونے کی شکایت کی جبکہ آپ نے مجھ سے غمناک چہرہ دیکھ کر وجہ پوچھی تھی۔ آپ نے سامنے پڑے ہوئے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ جاؤ یہ اٹھا لو اور اپنا قرضہ چکا دو۔ میں نے عرض کی۔ آقا وہ تو پتھر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا واسطہ دیکر خدا سے دعا مانگو تو وہ اس کو سونا بنا دے گا۔ عمار کہتا ہے میں نے ویسے ہی کیا تو واقعی وہ پتھر سونا بن گیا۔ پس آپ نے فرمایا اپنی ضرورت کے مطابق اس سے لے لو تو میں نے عرض کی۔ آقا یہ کس طرح نرم ہو گا کہ میں اس سے توڑ لوں؟ آپ نے فرمایا۔ اے ضعیف الیقین اللہ سے میرے نام کا واسطہ دے کر دعا تو کرو۔ وہ نرم ہو جائے گا۔ کیونکہ میرے ہی نام کی بدولت تو خداوند کریم نے داؤد پر لوہے کو موم کیا تھا۔ عمار کہتا ہے میں نے آپ کے نام سے دعا مانگی تو وہ موم ہو گیا اور میں نے اپنی ضرورت کے مطابق توڑ لیا۔ اور

باقی ویسا پتھر ہو گیا۔

حضرت علیؑ کا اپنا تصرف

مجمع النورین میں بروایت سید مرتضیٰ بالاسناد امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ صعصعہ بن صوحان بیمار ہوا اور حضرت علیؑ چند صحابہ کے ہمراہ اس کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے۔ جب بیٹھ گئے صعصعہ اپنے مقام پر خوش ہوا تو آپ نے دیکھا وسطِ صحن میں ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا تھا۔ آپ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ مجھے اٹھا کر لا دو۔ چنانچہ آپ نے اس کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر دبایا۔ ہاتھ کھولا تو وہ ناشپاتی تھی پس ایک صحابی کو حکم دیا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب میں تقسیم کرو اور ایک ٹکڑا صعصعہ کو دو اور مجھے بھی دو چنانچہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب میں تقسیم کیا گیا۔ آپ نے اپنے ٹکڑے کو ہاتھ میں دبایا تو وہ سیب بن گیا پھر اس کے بھی حسب سابق ٹکڑے کر کے تقسیم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا ایک ٹکڑا صعصعہ کو بھی دو اور ایک ٹکڑا مجھے بھی دو۔ چنانچہ تقسیم کیا گیا اور حضرت نے اپنے ہاتھ کے ٹکڑے کو ہاتھ میں رکھ کر دبایا تو وہ پہلے کی طرح پتھر بن گیا اور آپ نے اس کو صحن میں پھینک دیا۔ صعصعہ نے ناشپاتی اور سیب کا اپنے حصہ کا ٹکڑا کھایا تو بخار ٹوٹ گیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس قسم کی روایات بہت کافی ہیں صرف تبرک کے لئے دو تین لکھ دی ہیں تاکہ مومنین کا ایمان تازہ ہو۔

دُعا کی تاکید

بہرصورت انسان کو محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطہ سے دعا میں بخل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دعا سے کنارہ کشی خالق کو مبغوض ہے چنانچہ اصول کافی باب الدعا میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ عبادتوں میں سے دعا بہترین عبادت ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ کہا کرو کہ وہی ہو گا جو لکھا جا چکا ہے لہٰذا دعا مانگنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تحقیق اللہ کے نزدیک ایک درجہ و منزل ہے جو دعا سے ہی حاصل ہوتا ہے اور منہ بند کر کے نہ مانگنے والا محروم رہا کرتا ہے اور فرمایا جو دروازہ بھی کھٹکھٹایا جاتا رہے وہ آخر کھل ہی جایا کرتا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا دعا مومن کی ڈھال ہے اور جو دروازہ بار بار کھٹکھٹایا جائے وہ کھل ہی جایا کرتا ہے

ایک روایت میں امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ دعا تقدیر کو بدل دیا کرتی ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چپکے سے دُعا مانگنا باآواز بلند دعا مانگنے سے بہتر ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور آنکھوں میں آنسو آ جائیں تو سمجھ لو دعا مقبول ہے۔ آپ نے فرمایا۔ دعا کے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا رُخ آسمان کی طرف کرنا چاہیئے۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ خوفِ خدا سے رونا جہنم کے سمندروں کو خشک کر دیتا ہے (یعنی رو کر دُعا کرنی چاہیئے) ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ جو اپنی حاجت سے پہلے چالیس مومنوں کی حاجات کے لئے دعا کرے گا تو اس کی دُعا مقبول ہو گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس کی کوئی حاجت ہو تو پہلے درود پڑھے پھر اپنی حاجات کا ذکر کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے کیونکہ خدا اس سے اجل وارفع ہے کہ دعا کی دو طرفوں کو قبول کرے اور درمیان کو قبول نہ کرے۔ کیوں کہ درود شریف نے ضرور ہی مقبول ہونا ہے۔ بس دعا کے متعلق اتنا ہی لکھنا کافی ہے۔ اللہ دعاؤں کو قبول فرمانا ہے لہذا انسان کو دعا سے غفلت نہ کرنی چاہیئے۔

یُلْحِدُوْنَ ص۱۳۵:۔ الحاد کا معنی ہے راہ راست سے انحراف کرنا اور اسی بناء پر قبر کی لحد کو لحد کہا جاتا ہے اور اس مقام پر اللہ کے نام سے الحاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر لوگ اللہ کے اسماء حسنہ میں تغیر و تبدل کر کے اپنے بتوں کے وہی نام تجویز کرتے تھے جیسے اللہ سے لات و منّان سے منات اور عزیز سے عزیٰ انہوں نے بنالیا (بقول ابن عباس) اور کلام معصوم سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی صفات ایسی بیان کرتے ہیں جو اس کے شایان شان نہیں ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے کنارہ کشی کرنے کا حکم ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ خالق کی وصف نہیں کی جاسکتی مگر وہ جو اس نے خود اپنی وصف بیان کی ہے اور ایسی ذات کی وصف کیسے بیان ہو سکے جس کے ادراک سے حواس قاصر جس تک پہنچنے سے اوہام عاجز جس کی حد مقرر کرنے سے اندازِ فکر نارسا اور جس کے احاطہ سے آنکھوں کی بصارت کوتاہ ہے اور وصف کرنے والوں کی وصف سے اجل ہے اور تعریف کرنے والوں کی تعریف سے بلند و بالا ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا ص۱۳۵:۔ تفسیر مجمع البیان اور صافی میں عیاشی سے منقول ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس امت کے تہتّر فرقے ہوں گے اور سب جہنم میں داخل ہوں گے سوائے ایک کے اور اس کے بعد یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ یہ گا اور کتب تفاسیر امامیہ سے منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہم ہیں اور افتراقِ امت والی حدیث تفسیر برہان میں بطریق اہلسنت موفق بن احمد سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ اس امت کے تہتّر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے ۷۲ جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور افتراقِ امت والی حدیث تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بمعہ ضروری تشریح کے گذر چکی ہے ملاحظہ ہو ص۱۶۵ تا ص۱۶۷۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو ان کو ہم درجہ بدرجہ ہلاکت کے قریب کرتے ہیں کہ وہ نہیں جان سکتے

وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ

اور ان کو ڈھیل دیتے ہیں۔ تحقیق میری تجویز مضبوط ہے کیا وہ نہیں فکر کرتے کہ نہیں ان کے ساتھی (رسالتمآب) کو

مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا

کوئی جنون وہ تو صرف صاف طور پر ڈرانے والا ہے کیا انہوں نے نہیں نظر کی

رکوع نمبر ۱۳

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ :۔ استدراج کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ جب وہ سرکشی کرتے ہیں تو خداوندکریم ان پر اور نعمات نازل فرماتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنے گناہوں پر عذاب نہیں ہوتا بلکہ اور نعمات زیادہ ہوتی ہیں۔ پس وہ اپنی سرکشی میں زیادہ ہوتے ہیں اور اس مرحلہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عذاب واجب ہو جاتا ہے اور ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے یعنی گناہوں کے باوجود نعمات کی زیادتی کا نام استدراج ہے۔

۲۔ گناہوں کے بعد آہستہ آہستہ خدا ان کو ہلاکت کے قریب کرتا ہے جب وہاں پہنچتے ہیں تو اچانک اس میں گر پڑتے ہیں۔

۳۔ استدراج کا معنی ہے جلدی چلنا اور یہاں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو فوراً گرفتار کر لیتے ہیں کہ ان کو خبر تک نہیں ہوتی اور معصومین سے پہلا معنی منقول ہے (برہان)

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا :۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ابتدائی دعوت میں حضرت رسول خداؐ کوہ صفا پر چڑھ گئے اور قریش کو دعوت توحید دی تو مشرکین نے کہا کہ وہ دیوانے ہو گئے ہیں۔ خداوندکریم ان کے قول کی تردید میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ خود آسمانوں اور زمین اور باقی کائنات کی موجودہ اشیاء میں خود غور کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کو پتہ چلے کہ ان کی عجیب وغریب خلقت وصنعت بغیر خالق حکیم وعلیم کے نہیں ہو سکتی۔ پس وہ خود اس فکر کے بعد توحید کی معرفت تک پہنچ جائیں اور پھر موت سے بھی ان کو ڈرایا کہ ممکن ہے۔ موت سے خوفزدہ ہو کر معرفت خدا کی طرف مائل ہوں تو پس خدا مجبور نہیں کرتا۔ اس لئے ان کا گمراہی میں رہنا اس کی طرف مجازاً منسوب ہے۔

تفکر قرآن مجید میں مومنین کو بلکہ تمام صاحبان عقول اولوالالباب کو دعوت تفکر وتدبر دی گئی ہے۔ کیونکہ

فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى

آسمانوں اور زمین کی صنعت میں اور جو کچھ اللہ نے پیدا کیا اور یہ ممکن ہے ہو چکی ہو ان کی

اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

موت قریب پس کس بات پر اس کے بعد ایمان رکھیں گے ؟

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس کو گمراہی میں چھوڑ دے اللہ تو اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور ان کو چھوڑتا ہے کہ سرکشی میں وہ سرگرداں پھرتے ہیں

معرفت کا واحد ذریعہ یہی ہے ۔ اس مقام پر بھی کفار قریش بلکہ تمام کفار کی طرف خطاب عام فرمایا ہے کہ میرے رسول کو دیوانہ مجنون کہنے والے آسمان و زمین کی ملکوت اور باقی موجودات میں خود کیوں نہیں نظر و فکر کرتے تاکہ بصیرت سے کفر کا غبار ہٹ جائے اور دل سے عناد کا حجاب دور ہو کیونکہ صنائع قدرت بدائع حکمت عجائب خلقت اور غرائب صنعت کے رموز و اسرار اور حقائق و دقائق فکر و امعان سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں جس کے بعد قادر مطلق ، صانع حکیم ، خلاق عالم کے وجود ازلی اور اس کی یکتائی و بے ہمتائی کے اقرار کے بغیر کوئی ذی ہوش چین نہیں لے سکتا ۔ ظاہری اقتدار کے پیاسے یا حرص و ہوس کے بھوکے اور عیش و عشرت کے متوالے خواہشات نفسانیہ اور شہوات بدنیہ کی تکمیل کی خاطر تسویلات شیطانیہ کے پھندے میں اس قدر پھنسے ہوئے ہوتے ہیں کہ کلمات حقہ جو ان کی آزادی ظاہری پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے طبائع پر گراں گذرتے ہیں ۔ لہذا وہ کہنے والے کو دیوانہ و پاگل کہہ کر اپنے عقول و افہام کو دھوکہ دے کر انہیں معطل رکھتے ہیں اور راہ حق کی طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے گویا حجاب غفلت جو تلبیس ابلیس کا بدترین مہلک اور نفوس انسانیہ کی گمراہی کا کارگر حربہ ہے نہ ان کے دلوں سے پھٹتا ہے اور نہ وہ دلائل و براہین کے وسیع و عریض میدان میں قدم رکھتے ہیں ۔ بس کفر و عناد کا تاریک گڑھا ہی وہ اپنے لئے غنیمت سمجھتے ہیں ۔ سچ ہے اندھے کو اندھیرے سے کیا نفرت ، آنکھوں والا ہی نور کی قدر کر سکتا ہے اسی بنا پر موجودات عالم اور ملکوت سما و ارض کی سیر کے لئے چشم بصیرت کھولنے کی خدا دعوت دیتا ہے تاکہ ان کے تاریک باطن نور معرفت توحید سے روشن ہوں اور ان کے ظلمانی دلوں میں شمع حق اور قندیل صدق فروزاں ہو اور وہ حضیض کفر سے نکل کر اوج ایمان کی طرف قدم بڑھائیں اور بربریت و بہیمیت کے تاریک ماحول سے ہجرت کر کے انسانیت کی دلکش و پرلطف وادی میں چین و اطمینان کا سانس لیں تاکہ دنیا و عقبیٰ کی خیر و عافیت پر ان کی جاگیرداری کا سکہ ہو ۔ اصول کافی سے چند احادیث اس مقام پر سنیئے تاکہ ایمان تازہ ہو ۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نبہ بالتفکر قلبک وجاف من اللیل جنبک واتق اللہ ربک یعنی اپنے دل کو فکر سے جگاؤ رات سے اپنا پہلو الگ کرو (یعنی سو کر نہ گزارو بلکہ اس کے پُرسکون ماحول میں دل کو شمع معرفت سے نورانی کرنے کی کوشش کرو) اور اللہ سے ڈرو۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ تفکر ساعۃ خیر من قیام لیلۃ (یعنی ایک گھنٹہ کا فکر کرنا اور سوچنا پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے) اور فکر کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا انسان کسی اجڑی ہوئی بستی یا برباد مکان سے گزرے تو فکر کرے کہ اس کے ساکن کہاں گئے۔ بنانے والے کہاں گئے الخ (اسی بنا پر قبرستان میں جانا مستحب ہے تاکہ اہل قبور سے عبرت حاصل ہو۔)

۳۔ آپ نے فرمایا۔ افضل العبادۃ ادمان التفکر فی اللہ وقدرتہ یعنی اللہ اور اس کی قدرت میں ہمیشہ غور و فکر کرنا بہترین عبادت ہے۔

۴۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ لیس العبادۃ کثرۃ الصلوٰۃ والصوم انما العبادۃ التفکر فی امر اللہ عزوجل۔ یعنی عبادت زیادہ نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا ہی نہیں بلکہ عبادت تو اللہ کی قدرت میں فکر کرنے کا نام ہے۔

۵۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ فکر کرنا ہی نیکی اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فکر معرفت کا ذریعہ ہے اور معرفت ہی عمل کا پیش خیمہ ہے۔ علامہ مجلسی نے جلاء العیون میں جامع الاخبار سے نقل کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ اے فرزند رسول میں ایک شخص کا ضامن ہوا ہوں اور رقم ضمانت ادا کرنے سے قاصر ہوں اس لئے سوچا ہے کہ کسی کریم سے سوال کروں اور خاندانِ رسولؐ سے زیادہ کریم تو کوئی ہے نہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا۔ اے اعرابی میں تم سے تین سوال کرتا ہوں۔ اگر تو ایک سوال کا جواب دے گا تو میں ایک تہائی تجھے دوں گا اگر دو سوال حل کئے تو دو تہائی دوں گا اور تینوں کا جواب دے گا تو پورا مال دوں گا۔ اعرابی نے عرض کی آقا میری کیا بساط کہ آپ کے سوالات کا حل بیان کروں آپ علم و شرف کے مالک ہیں آپ نے فرمایا میں نے اپنے جدِ بزرگوار سے سنا ہے المعروف بقدر المعرفۃ یعنی کسی پر احسان اس کی معرفت کے اندازے پر کرنا چاہیئے۔ اعرابی نے عرض کی۔ حضورؑ آپ پوچھیں اگر جانتا ہوں گا تو عرض کر دوں گا۔ ورنہ آپ سے سیکھ لوں گا اور یاد کروں گا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تمام اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ اعرابی نے جواب دیا معرفتِ خدا۔ امام نے فرمایا۔ ہلاکت و مصیبت کے وقت بچاؤ کا طریقہ کیا ہے۔ تو اعرابی نے جواب دیا۔ اللہ پر توکل و بھروسہ۔ پھر آپ نے فرمایا۔ انسان کی زینت کیا چیز ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ علم ساتھ تواضع کے۔ آپ نے فرمایا اگر یہ نہ ہو تو پھر کیا۔ اس نے عرض کی۔ مال مروت کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو تو اس نے جواب دیا۔ پھر فقر صبر کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو اعرابی نے کہا۔ پھر بجلی آسمان سے گرے اور اس کو جلا دے کہ ایسا انسان اسی کے ہی قابل ہے۔ امام ہنس پڑے اور ایک ہزار دینار کی

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کے متعلق کہ کب قائم ہوگی؟ فرما دیجئے اس کا علم میرے رب کے پاس ہے

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ

نہیں ظاہر کرسکتا اس کے وقت کو مگر وہی وہ ثقیل ہے آسمانوں اور زمین پر نہ آئے گی تم پر

تھیلی اس کو عطا فرمائی اور انگوٹھی دی جس کا نگینہ دوسو کی قیمت کا تھا اور فرمایا۔ وہ سونا اپنے قرض میں دینا اور انگوٹھی کی قیمت سے اپنے بال بچوں کا خرچ کرنا وہ اعرابی سب مال لے کر یہ کہتا ہوا روانہ ہوا۔ اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ

علم قیامت

يَسْئَلُوْنَكَ۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر آپ نبی ہیں تو بتائیں کہ قیامت کب ہوگی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کو فرما دیجئے۔ اس کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں (مجمع البیان)

مُرْسٰهَا:۔ یہ ارسار باب افعال سے اسم ظرف ہے اس کا مجرد رسا یرسو ہے۔ جس کا معنی ہے ثابت ہونا۔ پس یہاں مرسیٰ کا معنی ہوگا وقتِ ثبوت یا وقتِ وقوع۔

ثَقُلَتْ:۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) اہل آسمان و زمین پر اس کا مخفی ہونا ثقیل ہے کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہو وہ طبیعت پر بھار ہوتی ہے (۲) اہل آسمان و زمین پر اس کی صفات بہت سخت ہیں و گراں ہیں مثلاً سورج کا بے نور ہونا۔ پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور ستاروں کا ٹوٹنا وغیرہ (۳) اہل آسمان و زمین پر اس کا آنا سخت ہے بوجہ اس کی عظمت و ہیبت و حساب خلق کے۔

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً:۔ یعنی انسان محو غفلت ہوں گے اور بے خبر قیامت آجائے گی۔ تفسیر صافی میں جوامع سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کوئی آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا۔ کوئی اپنے مال کو پانی پر لے جا رہا ہوگا۔ کوئی بازار میں خرید و فروخت کر رہا ہوگا اور کوئی ترازو ہاتھ میں لے کر اوپر نیچے کر رہا ہوگا کہ اچانک قیامت آجائے گی۔

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ:۔ اس کا لغوی معنی ہے بار بار سوال کرنے والا اور لپیٹ کر پوچھنے والا تو چونکہ بار بار پوچھنے والا شئی کا عالم بن جاتا ہے اور اس کو یاد ہو جایا کرتا ہے اس لئے اس مقام پر اس کا مرادی معنی عالم کیا گیا ہے۔

اعتراض مخالف

تفسیر مجمع البیان میں جبائی کا اعتراض نقل کیا ہے کہ یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے کیونکہ ان کے مذہب میں امام کا منصوص ہونا ضروری ہے پس امام اپنے بعد میں آنے والے امام پر نص کرتا ہے تو آخری امام کے بعد تو کوئی امام آئے گا نہیں لہٰذا وہ تو کسی پر نص نہیں کرے گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آخری امامؑ کو یہ پتہ ہوگا کہ اب میرے بعد قیامت ہی ہوگی کیونکہ امامت کے اختتام کے بعد قیامت ہی تو ہے اور آخری امامؑ کو قیامت

إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا

مگر اچانک وہ آپ سے پوچھتے ہیں اس طرح کہ گویا آپ اس کے عالم ہیں۔ فرما دیجئے علم اس

عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۷﴾

کا صرف اللہ کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

کا پتہ ہونا حکم قرآن کے مخالف ہے کہ خدا فرماتا ہے اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں ہے۔

علامہ طبرسی نے سوال نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے جس کا ماحصل اور مطلب یہ ہے کہ قیامت سے تم کیا مراد لیتے ہو وقتِ فنا خلق یا یوم حشر۔

اگر قیامت سے مراد وقتِ فنا خلق ہو (جیسا کہ اچانک اس کے واقع ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اچانک تو موت ہی آئے گی کہ تمام لوگ غافل ہوں گے اور وہ بے خبر آ جائے گی) پس اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ امام یہ جانتا ہو کہ میرے بعد کوئی امام نہیں ہوگا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ وقوع قیامت کو یعنی فنا خلق کے وقت کو بھی جانتا ہو اس لئے کہ امام کو اپنی موت کے وقت کا بھی معین طور پر پتہ نہیں ہوتا تو پھر فنا خلق کے معین وقت کا علم کیسے ہوگا؟

اور اگر قیامت سے مراد یوم حشر ہو تو امامؑ کو یہ خبر ہوگی کہ میرے بعد قیامت ہی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو وقتِ وقوع کا بھی پتہ ہو اور روایت میں ہے کہ آخری امام کی موت کے بعد تکلیف امور شرعیہ ختم ہو جائے گی کیونکہ قیامت کے علامات قائم ہو جائیں گے مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ

علم غیب

قُلْ لَا أَمْلِكُ ص ۱۴۶ :- اہل مکہ نے حضورؐ کی خدمت میں آکر پوچھا تھا کہ آپ پروردگار کی خبر کے مطابق ہمیں سستے نرخوں کے متعلق بتا دیں تاکہ گرانی سے قبل ہم چیزیں خرید کر لیں گے اور پھر نرخ چڑھنے کے بعد فروخت کر کے منافع کمائیں گے یا ہمیں قحط سے پہلے آگاہ کر دیا کریں تاکہ ہم قبل از وقت آباد علاقوں کا قصد اور ان کی طرف کوچ کا بندوبست کر لیا کریں تو یہ آیت اتری کہ ان سے فرما دیجئے میں تو اپنے نفس کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں بلکہ سب کچھ پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ سے استثنا کر دیا کہ مجھے صرف اتنا ہی علم ہوا کرتا ہے۔ جتنا خدا چاہتا ہے اور بس ورنہ اگر میں علم غیب کو جانتا ہوتا تو اپنے فائدہ کی چیزیں اپنے لئے جمع کر لیتا اور خود تکلیف میں مبتلا نہ ہوتا حالانکہ دکھ سکھ میں اور نرمی و سختی میں میں بھی سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوں۔ ہاں میرا عہدہ ہے معصیت خدا سے روکنا اور عذاب خدا سے ڈرانا نیز اطاعتِ خدا کی تلقین کرنا اور جنت کی بشارت دینا یعنی جس کے پاس یہ عہدہ ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ غیب کو جانتا ہو۔ یعنی رسالتؐ و نبوت کا علم غیب کے ساتھ کوئی تلازم نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ اپنے آئمہ کو عالم الغیب کہتے ہیں وہ محض بہتان اور کذب صریح ہے۔ شیعہ قطعاً آئمہ کے

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا

فرما دیجئے میں نہیں مالک اپنے نفع نقصان کا مگر جو چاہے اللہ اور اگر میں جانتا غیب کو تو زیادہ

سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۱۳

جمع کرلیتا اچھی چیز اور نہ مس کرتی مجھے تکلیف میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اس قوم کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں

عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے آئمہ کو جس قدر علم عطا فرمایا ہے وہ صرف اسی قدر ہی جان سکتے ہیں اور پوری کائنات میں حضرت محمد مصطفیٰ کے بعد علم و دیگر فضائل میں ان کا ہم پلہ کوئی بھی نہیں۔ پس خدا کے عطیہ سے آئمہ بہت کچھ جانتے ہیں جس کی ہم تحدید نہیں کر سکتے کہ کتنا جانتے ہیں اور ہم سے بہت سی چیزیں غائب ہیں اور ہمارے ذہن و دماغ سے اوجھل ہیں۔ جن کو آئمہ جانتے ہیں بلکہ ان کے علوم کی حد تک تو ہمارے ناقص عقول و افہام کی رسائی تک نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ جو بعض چیزیں ہمارے عقول سے ماوراء ہوتی ہیں اور آئمہ ان کی اطلاع دیتے ہیں۔ جس سے عوام یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ عالم الغیب ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کے ساتھ اس کی مخلوق کو کسی صفتِ خداوندی میں شریک ماننا کفر ہے پس کلی غیب اور تمام کائنات کا کلی علم اسی طرح علمِ وقوعِ قیامت اور اس کے تمام جزوی حالات اور علم موت وغیرہ اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہیں اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں۔ انبیاء و آئمہ ان میں سے صرف اتنا ہی جانتے ہیں جس قدر اس نے ان کو عطا فرمایا۔

رکوع نمبر ۱۴

نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ص۱۴۷: اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔

وَجَعَلَ مِنْهَا ص۱۴۷: یہاں مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ فَضْلِ طِيْنَتِهَا یعنی حضرت آدمؑ کے پتلائے خاکی کی بچی ہوئی مٹی سے حضرت حواؑ کا پتلا تیار کیا گیا اور تفسیر کی چوتھی جلد میں اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت کی جا چکی ہے۔

عورت کی غرض خلقت

لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ص۱۴۷: اس لفظ سے صاف واضح ہے کہ عورت مرد کی تسکین کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا موجودہ دور کے مغرب پرست طبقہ کا یہ کہنا کہ تمام امور میں عورت کو مرد کے دوش بدوش میدان میں کودنا چاہیئے۔ یہ قانونِ قدرت اور دینِ فطرت سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ لِيَسْكُنَ کا لفظ بتاتا ہے کہ عورت کسبِ معاش میں مرد کے دوش بدوش چلنے کے لئے نہیں بلکہ یہ فریضہ مرد کا ہے کہ اپنے قوائے بدنیہ کو جو اسی مناسبت سے اس کو قدرت کی جانب سے تفویض ہوئے ہیں۔ اکتساب میں لگائے اور عورت کو اس فریضہ سے سبکدوش رکھے جس طرح اس کے اعضائے جسمانیہ کی نزاکت اور قوائے بدنیہ کی کمزوری اس امر کی متقاضی ہے کہ وہ کمانے

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

وہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک نفس سے اور بنایا اس (کی باقی مٹی) سے اسس کی زوجہ کو تاکہ سکون

إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا

حاصل کرے طرف اسس کے تو جب اسس سے مجامعت کی تو اسس نے اٹھا لیا بوجھ ہلکا۔ پس اٹھائے رہی اس کو تو جب

اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا

بھاری ہوگئی دونوں (زن و مرد) نے اللہ سے دعا کی جوان کا رب ہے اگر تو نے ہم کو دیا تندرست تو ہم تیرے شکر گزار بنیں گے پس جب دیا ان کو

صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾

تندرست کیا ان دونوں نے اس اللہ کے لئے شریک اس میں جو دیا ان دونوں کو پس بلند ہے اللہ اسس سے جو وہ شریک کرتے ہیں

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾

کیا شریک کرتے ہیں اس کو جو کچھ پیدا نہیں کر سکتا بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں

کے لئے نہیں بلکہ کمائی کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے اور عورت کا فطری رجحان خود تقسیم کار پر دلیل قطعی ہے پس مرد اگر تھکا ماندہ گھر پہنچے تو اس کو کھانا تیار ملے اور اسس کی ہر قسم کی دلجوئی کر کے اس سے تھکان کے بار کو ہلکا کرنا عورت کا فریضۂ فطری ہے بچوں کی تربیت کرے گھر کے کاروبار کو خوش اسلوبی سے انجام دے تاکہ مرد گھریلو تفکرات سے پورے طور پر مطمئن ہو اور وہ اپنے گھر کو جائے سکون سمجھے۔ پس گھر اگر سکونِ بدنی اور سکونِ روحانی کیلئے ہو تب تو وہ گھر ہے مسکن یعنی جائے سکون اور جسمانی طور پہ اس کو جائے سکون بنانا مرد کی قوائے بدنیہ کے بل بوتہ پر ہو گا لیکن روحانی طور اس کو جائے سکون بنانا عورت کی سلجھی ہوئی طبیعت ہی سے ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ مرد میں بہیمیت و حیوانیت کارفرما نہ ہو اور وہ اس کے لئے اس بارے میں پوری سہولتیں بہم پہنچائے وہ عورت کو عام پالتو جانور کی حیثیت نہ دے بلکہ اس کو اپنا شریکِ زندگی اور مسکن روح سمجھے اور عورت کا مرد کے ساتھ شریک زندگی ہونے کا یہی مقصد ہے کہ عورت اپنا فریضہ ادا کرے اور مرد اپنا فریضہ ادا کرے اور ہر دو اپنی سپرد کردہ ذمہ داریوں میں کوتاہی نہ کریں اور قطعاً اس شرکتِ زندگی کا یہ مفہوم نہیں کہ عورت مرد کے فرائض میں ہاتھ ڈالے اور مرد عورت کو مسکن کی بجائے کاسب بنا دے بلکہ یہ تصور دشمنانِ اسلام کی کاشت ہے۔ نیز بے غیرتی اور خستِ نفس کا بدترین حربہ ہے اور نسوانی آزادی کا تصور جو آجکل بالکل عام ہے۔ یہ صرف عورتوں کو آزادانہ طور پر اپنی شہوت عشرت اور جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے ہے اور جو عورتیں حدود شرم و حیا کو پھاند کر اس نعرہ میں مردوں کی شریک ہوتی ہیں۔ وہ بھی صرف آزادانہ لذتِ جسمانی حاصل

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ

اور وہ ان کے لئے نہیں طاقت رکھتے مدد کی اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر ان کو بلاؤ طرف

إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ﴿١٩٣﴾

ہدایت کے تو تمہارے پیچھے نہ چلیں گے لہذا ان کے لئے برابر ہے کہ تم ان کو بلاؤ یا چپ رہو

کرنے کے لئے اپنی آبروریزی اور عصمت دری کے بہانے تلاش کرتی ہیں اور مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ اس کو اسلامی آزادی کا نام دیا جاتا ہے العیاذ باللہ ہم اس مطلب کی وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں کر چکے ہیں۔ تعدد ازواج پر پابندی لگانے کا یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ عورت عیاشی کے لئے نہیں ہے اور جواز متعہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورت تسکین خواہش کے لئے نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید میں لِيَسْكُنَ کا لفظ صاف اسی کی وضاحت کرتا ہے کہ عورت مرد کی تسکین کا ذریعہ ہے ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا یعنی تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے ازواج کو پیدا کیا ہے تاکہ تم ان کی طرف سکون حاصل کرو لیکن سینماؤں، کلبوں، ریڈیائی گانوں اور ناچ و سرود کی محفلوں پر کوئی پابندی نہیں کہ عورت کو حق آزادی حاصل ہے۔ شریف مردوں کو جائز آزادی کے حق سے محروم کیا گیا اور عورتوں کو ناجائز آزادی کی وادی میں دھکیل دیا گیا اور مردوں کے ساتھ شریف کی قید کا مطلب یہ ہے کہ زناکاروں پر زنا کی کوئی پابندی نہیں خواہ ہزار عورتوں سے منہ کالا کرتے رہیں۔ اس پر صرف نکاح حلال کی پابندی ہے کہ ایک سے آگے نہ بڑھے پس اسلام سے بغاوت کا نام رکھ دیا گیا ہے آزادی۔

حَمْلًا خَفِيفًا:۔ اس سے مراد وہ مادہ منویہ ہے جو مجامعت سے عورت کے رحم میں قرار پکڑتا ہے اور وہ خفیف اور ہلکا سا ہوتا ہے۔

مَرَّتْ بِهِ :یعنی إِسْتَمَرَّتْ بِهِ یعنی وہ قطرۂ منی رحم میں جا کر اس کو تکلیف نہیں دیتا بلکہ وہ اسی کے ساتھ چلتی پھرتی اور کام کاج کرتی رہتی ہے۔

فَلَمَّا أَثْقَلَتْ :۔یعنی جب وہ نطفہ تدریجاً ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے خون بستہ پھر لوتھڑا ہو کر آخر روح انسانی کا محل بن جاتا ہے تو وہ بوجھ بن جاتا ہے اور عورت صاحب ثقل ہو جاتی ہے أَثْقَلَتْ یعنی صَارَتْ ذَاتَ ثِقْلٍ۔

دَعَوَا اللَّهَ :۔یعنی دونوں زن و مرد نے دعا مانگی کہ اگر خدا نے ہمیں صالح اولاد عطا کی تو ہم اس کا شکر کریں گے صالح کا معنی یہاں تندرست ہے کیونکہ صرف دو ہی تو تھے ایک آدمؑ ایک حوا تو جب ایک دوسرے سے ذرا بھر جدا ہوتے تو وحشت محسوس ہوتی تھی پس دعا مانگی کہ اولاد صالح ملے۔

غیرِ خدا کو پکارنے کی مذمت

جَعَلَا لَہٗ شُرَكَآءَ ۔ اس میں کئی اقوال ہیں (۱) یعنی حضرت آدمؑ اور حوّاؑ کو اولاد صالح نصیب ہوئی۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ پس انہوں نے کئے اللہ کے شریک اس میں جو خدا نے ان کو نعمتیں عطا فرمائیں۔ جَعَلَا کا فاعل اولادِ آدمؑ و حوّا ہے نہ کہ وہ دونوں خود اور تثنیہ کا صیغہ اس لئے ہے کہ اولادِ آدم دو قسموں پر ہے یعنی مذکر و مونث یعنی اولاد آدمؑ کے مردوں اور عورتوں کے ہر دو صنف خدا کی نافرمانی کرنے اور شرک کے ظلم سے آلودہ ہونے میں برابر ہیں اور امام رضا علیہ السلام نے مامون کو اسی قسم کا جواب دیا تھا۔

۲۔ جَعَلَا کا فاعل نفس اور زوج ہیں نہ کہ حضرت آدمؑ و حوا کیونکہ ہر آدمی ایک نفس سے پیدا ہوا ہے جو اس کا باپ ہے اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کا معنی ہے خَلَقَ مِنْ جِنْسِهَا زَوْجَهَا ۔ یعنی مضاف جنس محذوف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ خدا نے ہر نفس کیلئے اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا یعنی ہر مرد و عورت ایک دوسرے کی جنس ہیں اور یہ اس طرح ہے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا پ۲۱ ع۶ یعنی اس کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے تمہاری ازواج کو پیدا کیا کہ تم ان کی طرف سکون حاصل کرو۔ اب آیتِ مجیدہ کا مطلب اس طرح ہوگا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا یعنی جب ہر انسان نے اپنی زوجہ سے ہمبستری کی اور زوجہ نے حمل کا بوجھ پہلے ہلکا سا اٹھایا اور اسی طرح رہی۔ پھر جب بھاری ہوگئی یعنی پیٹ میں بچہ تیار ہوگیا تو دونوں زن و مرد نے مل جل کر دعا مانگی کہ اگر صحیح سالم بچہ عطا فرمائے گا تو تیرا شکر کریں گے۔ صالحاً سے مراد لڑکا لیا گیا ہے کیونکہ لڑکیوں کے لئے نعمتیں نہیں مانی جاتیں بلکہ عموماً لڑکی کی پیدائش کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ پس جب ماں باپ کو صحیح و سالم بچہ اللہ نے عطا کیا تو اس عطا کردہ بچہ میں بھی انہوں نے اللہ کے شریک بنا لئے۔ عطا کرتا ہے اللہ اور وہ اس کا نام[1] رکھ لیتے ہیں۔ عبدالعزیٰ، عبداللات اور عبدالمنات وغیرہ اسی لئے تو بعد میں فرمایا۔ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ ورنہ اگر جَعَلَا کی ضمیر حضرت آدمؑ و حوّا کی طرف پلٹتی تو يُشْرِكَانِ تثنیہ کا لفظ ہوتا۔ چونکہ اکثر جوڑے اسی شرک کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

۳۔ نفس سے مراد حضرت آدمؑ اور زوج سے مراد حضرت حوّا ہے اور لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا تک ان کی بات ختم ہوگئی اس کے بعد حضرت آدمؑ کی اس اولاد کی طرف کلام کا رُخ ہے جو شرک کی وباء میں مبتلا ہوئی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے عام کا ذکر کیا جائے پھر بعض چیزوں میں عام کے خاص افراد مراد لئے جائیں جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یہاں تک کہ فرمایا حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ یعنی وہ وہ ہے جس نے تمہیں خشکی و تری کی سیر کرائی آگے چل کر فرمایا یہاں تک کہ تم جب دریا میں ہوتے ہو پہلے عام مسافروں کا ذکر کر کے پھر بحری مسافروں کو خصوصیت سے خطاب فرمایا۔ اس جگہ بھی پہلے تمام اولادِ آدمؑ کا ذکر کیا کہ وہ وہ ہے جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور پھر مشرکین کو خاص کر دیا۔

۴۔ جَعَلَا ۔ یعنی جَعَلَ اَوْلَادُهُمَا یعنی ضمیر فاعل کا مضاف محذوف ہے اور ضمیر تثنیہ جو درحقیقت مضاف الیہ

[1] اب مسلمانوں میں بھی یہ مشرکانہ رویّہ موجود ہے کہ کہتے ہیں مجھے فلاں پیر و مرشد نے دیا ہے لہٰذا یہ آیت اس قسم کے عقیدہ والوں کو متنبہ کر رہی ہے

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا

تحقیق جن کو تم مانتے ہو سوائے اللہ کے وہ بندے ہیں تم جیسے اچھا پکارو ان کو پس وہ مانیں تمہاری

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۹۴﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ

اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں کہ ان سے چل سکیں کیا ان کے ہاتھ ہیں کہ

يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا

ان سے پکڑ سکیں کیا ان کی آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھیں کیا ان کے کان ہیں جن سے سنیں

ہے اپنے مضاف کی قائم مقام ہے یعنی اولادِ آدمؑ نے خدا کی عطا کردہ نعمتوں میں شریک بنا لئے۔

بہرکیف حضرت آدمؑ و حوا کی طرف ضمیر کو پلٹانا ناجائز ہے کیوں کہ حضرت آدمؑ نبی معصوم تھے اور وہ قطعاً شرک نہیں کر سکتے تھے اور اگر اس قسم کی روایت مل بھی جائے تب بھی چونکہ اصولِ مذہبِ امامیہ کے خلاف ہے اس لئے قابلِ تاویل ہوگی ورنہ رد کر دی جائے گی۔

یُخْلَقُوْنَ ۱۹۱: یعنی ایسوں کو خدا کا شریک کرتے ہیں جو پیدا نہیں کرتے بلکہ پیدا کئے جاتے ہیں یعنی بت اور وہ غیر ذوی العقول ہیں لہذا جمع واؤ و نون سے ہونا خلاف قاعدہ ہے پس یہاں مقصد یہ ہوگا کہ یہاں بت اور ان کے سب پجاری مراد ہیں۔

تنبیہ یہاں مشرکین کے سامنے بتوں کے دو عیب بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خالق نہیں بلکہ وہ مخلوق ہیں دوسرے یہ کہ وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور اس کا مقصد صاف یہ ہے کہ خلق اور نصرت صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے وہ ہی تمام مخلوق کا خالق ہے اور وہی تمام مخلوق کی ہر وقت ہر جگہ فریاد سن سکتا ہے اور ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ لہذا ان وصفوں میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک ماننا کفر و شرک ہوگا لہذا جہلا کا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے متعلق اعتقادِ خلق سراسر کفر و شرک ہے اہلِ بیتؑ محمدؐ مخلوقِ خدا ہیں اور افضل مخلوق ہیں لیکن ہرگز ہرگز وہ خالق نہیں اسی طرح مدد بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلے سے خدا ہی سے مانگی جائے یعنی اس طرح کہا جائے۔ اے اللہ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ میری مدد فرما، میری حاجت کو پورا فرما وغیرہ ہاں یا علیؑ مدد کہنا نہ کفر ہے نہ شرک ہے اس لئے کہ تمام شیعہ حضرت علیؑ کو وسیلہ ہی مانتے ہیں اور اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ان کو قرار دیتے ہیں اور تفسیر کی دوسری جلد میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ: یعنی جن کو تم مانتے ہو خدا وہ بھی تم جیسے عاجز ہیں اور ذلیل کیونکہ عبد کا معنی ذلیل و عاجز ہوتا ہے۔

فَادْعُوهُمْ: پہلی جگہ تَدْعُوْنَ کا معنی پکارنا ماننے کے معنی میں تھا اور یہاں فَادْعُوا میں پکارنا امداد و نصرت

قُلِ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿۱۹۵﴾ إِنَّ وَلِـِّۧيَ اللّٰهُ

کہہ دیجئے پکارو اپنے شریکوں کو پھر مجھے ستاؤ اور نہ مہلت دو تحقیق میرا ولی اللہ ہے

الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن

جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ ولی ہے نیک لوگوں کا اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے

دُونِهٖ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿۱۹۷﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ

سوا وہ نہیں طاقت رکھتے تمہاری مدد کی اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر ان کو تم بلاؤ

إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرٰىهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾

ہدایت کی طرف تو سنتے نہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ آنکھیں تڑے ہوئے ہیں آپ کی طرف حالانکہ دیکھتے نہیں

کے لئے ہے

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ :۔ پہلے تو فرمایا وہ بھی تم جیسے ہیں۔ اب ان کے نقائص بیان فرما رہا ہے کہ وہ تم سے بھی بدتر اور کمتر ہیں کیونکہ نہ ان کے چلنے کے لئے پیر نہ پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سننے کے لئے کان ہیں حالانکہ تمہارے پاس تو ہیں اور تم میں رُوح ہے ان میں تو رُوح بھی نہیں ہے۔

ثُمَّ كِيدُونِ :۔ یعنی اگر وہ تمہاری کچھ امداد کر سکتے ہیں تو سب کو جمع کر لو اور مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو تو میرا ولی اللہ ہے اور وہ میری امداد کرے گا اور تمہارے شر سے بچا لے گا۔ پھر فرمایا وہ بیچارے تو اپنے فائدہ کے نہیں ہیں تمہارا کیا فائدہ کریں گے ؛ اور چونکہ ان کو بنانے والوں نے ان کی آنکھیں بھی بنائی تو تھیں لیکن ان میں نور نہیں تھا۔ جس کے متعلق فرمایا کہ ان کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے آنکھیں تڑے ہوئے ہیں تمہاری طرف لیکن دیکھتے کچھ نہیں۔

پھر ایسے عاجز کو خدا ماننے کا کیا فائدہ ؟

خُذِ الْعَفْوَ ص۱۵۲ :۔ پہلے یہ حکم تھا کہ لوگوں کے مال میں ان کے ذاتی اخراجات سے جو کچھ بچے وہ حضور کی خدمت میں پیش کر دے اور بعد میں زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور عفو کا معنی نرمی اور اخلاق کیا گیا ہے کہ لین دین میں انسان سخت گیر نہ ہو اور عفو کا معنی وسط یعنی ایسے اخلاق اختیار کرو جو انسان کے لئے اوسط ہیں یعنی مناسب ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ظلم کرنے والے کو معاف کرنا، محروم کرنے والے کو دینا اور قطع کرنے والے سے صلہ کرنا اچھے اخلاق ہیں)

وَاَعْرِضْ ص۱۵۲ :۔ جب جاہلوں سے چشم پوشی کا حکم ہوا تو حضورؐ نے عرض کی اگر غصہ آ جائے تو پھر کیا کیا جائے۔ تب ارشاد ہوا، اگر وسوسہ پیدا ہو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ نزغٌ کا معنی ہے وسوسہ کی ابتداء اور مس کا معنی ہے تمکن یعنی پورا

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ
لو بچت اور حکم دو نیکی کا اور کنارا کرو جاہلوں سے اور اگر وسوسہ ڈالے
مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
تمہیں شیطان کوئی وسوسہ تو پناہ مانگو اللہ کی تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے تحقیق جو لوگ ڈرتے ہیں
إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾
جب چھو لے ان کو وسوسہ شیطانی تو سوچتے ہیں پس وہ سیدھا راستہ پا لیتے ہیں
وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ
اور ان کے بھائی ان کو کھینچتے ہیں گمراہی میں پھر وہ نہیں کوتاہی کرتے اور جب نہ لاؤ ان پر کوئی
بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَآ أَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا
آیت تو کہتے ہیں کیوں نہ لائے اس کو کہہ دیجئے میں تو اتباع کرتا ہوں جو وحی ہو مجھے میرے رب سے یہ
بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
(قرآن) دلائل ہیں تمہارے رب سے اور رحمت وہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں

قابو پالیتا اس لئے حضورؐ کی طرف نزغ کی نسبت دی اور باقیوں کی طرف مس کو منسوب کیا۔

تَذَكَّرُوْا :۔ یعنی وسوسہ کے بعد وہ سوچتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا تو پس گناہ کرنے سے رُک جاتے ہیں۔

وَإِذَا لَمْ :۔ یعنی اگر ان کے پاس آیت لے جاؤ تو وہ تکذیب کرتے ہیں اور اگر نہ لے جاؤ تو کہتے ہیں ازراہ عناد کیوں نہیں اب کوئی آیت گھڑ لائے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ گھڑ کر ہی لایا کرتے ہیں لیکن یہ محض ان کا عناد تھا۔

بَصَآئِرُ :۔ یعنی قرآن مجید ایسے دلائل و براہین کا مجموعہ ہے کہ اس سے انسان آخرت کا صحیح راستہ دیکھ سکتا ہے اور دین میں بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن کا سُننا

وَإِذَا قُرِئَ :۔ مقصد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے اس کو سُننا چاہیے اور ظاہر امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ علامہ طبرسی نے لکھا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا سماعت کے وجوب کا حکم قرأۃ نماز کیلئے ہے یا خطبہ جمعہ کیلئے ہے یا مطلقاً سننا واجب ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن کو چپ کر کے سننا واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں یعنی پیش نماز کی قرأت کو خاموشی سے سُننا

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن تو اس کو کان دھر کر سنو اور چپ رہو تاکہ رحم کئے جاؤ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

اور یاد کرو اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور خوفزدہ ہو کر اور نہ بہت بلند آواز سے صبح کو

مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور شام کو اور نہ ہو غفلت کرنے والوں میں سے تحقیق جو لوگ پاس تیرے

عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

رب کے ہیں نہیں تکبر کرتے اس کی بندگی سے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کے لئے سجدہ کرتے ہیں

بھی واجب ہے اور نماز کے علاوہ اگر کہیں کوئی قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کا سننا بھی واجب ہے خواہ خطبہ جمعہ ہو یا کوئی اور مقام مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے پیچھے نماز میں لوگ باتیں کیا کرتے تھے پس اس آیت مجیدہ سے ان کو روک دیا گیا۔ بہر کیف نماز جہریہ میں پیش نماز کے پیچھے پہلی دو رکعت میں خاموشی سے سننا واجب ہے اگر آواز پیش نماز کی سن رہا ہو ورنہ خود پڑھ سکتا ہے اس کے علاوہ کہیں بھی واجب نہیں اور امر استحباب پر محمول ہے ورنہ اگر مطلقاً قرآن کی قرأت کا سننا واجب ہو تو اکثر لوگوں کے کاروبار معطل ہو جائیں گے اور حضرت صادق علیہ السلام سے نقل شدہ روایت میں وجوب تاکید استحباب کے معنی میں ہے۔ واللہ اعلم!

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ :۔ بروایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے اگر اخفاتی نماز میں پیش نماز کے پیچھے ہو تو قرأت نہ پڑھے بلکہ ذکر خدا آہستہ زبان پر جاری کرے یعنی تسبیح پڑھتا رہے اور مجمع البیان میں بھی ایسا ہی مروی ہے۔

وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ :۔ قرآن کے ۱۵ سجدوں میں سے یہ پہلا مقام ہے اور اس جگہ سجدہ مستحب ہے۔ تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور کہتا ہے ہائے میں نے کیا کیا۔ یہ سجدہ کر کے تو جنت میں جائے گا اور میں نے انکار کر کے جہنم لے لیا۔

سجدۂ قرآنی قرآن مجید میں پندرہ سجدے ہیں جن میں سے چار واجب اور گیارہ مستحب ہیں۔ واجب سجدے (۱) الم سجدہ (۲) حم سجدہ (۳) النجم (۴) اقراء میں ہیں اور باقی مستحب ہیں۔ تفصیل یہ ہے (۱) سورۂ اعراف کے آخر میں (۲) سورہ الرعد میں وَظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ پر (۳) سورہ نحل میں يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ پہ (۴) سورۂ بنی اسرائیل میں وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا کے مقام پر (۵) سورہ کھیعص میں خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا پر (۶) سورۂ حج میں

اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ پ۱۷، اسی سورہ میں وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ پ۱۷، سورۂ فرقان میں وَزَادَھُمْ نُفُوْرًا پ۱۹، سورۂ نمل میں رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پ۱۹، الم تنزیل میں وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ پ۲۱، سورۂ صٓ میں خَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ پ۲۳، سورۂ حٰم سجدہ میں اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ پ۲۴، سورۂ النجم کے خاتمے پر پ۲۷، سورۂ انشقاق میں وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ پ۳۰، سورۂ اقرا میں خاتمے پر

مسئلہ :۔ آیت سجدہ کو ختم کرنے پر فوراً سجدہ بجالانا چاہیئے۔

مسئلہ :۔ جس طرح قرآن پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہے اسی طرح سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہوا کرتا ہے یعنی اگر سجدہ واجب ہو تو جس طرح پڑھنے والے پر واجب ہوگا اسی طرح سننے والے پر بھی واجب ہوگا اور اگر سنت ہو تو دونوں پر مستحب ہوگا

مسئلہ :۔ جن سورتوں میں سجدہ واجب ہے ان کو عزائم کہا جاتا ہے اور ان کا نماز فریضہ میں پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن نافلہ میں پڑھ سکتا ہے اور جب آیت سجدہ پڑھے گا تو سجدہ کرے گا۔

مسئلہ :۔ اگر نافلہ پڑھ رہا ہو اور کوئی دوسرا آدمی عزائم میں سے آیت سجدہ کو پڑھے اور یہ سن رہا ہو تو اس پر سجدہ واجب ہوگا پس فوراً سجدہ کرکے بعد میں اپنی نماز کو پورا کرے گا لیکن اگر واجب نماز میں ہو تو آیت سجدہ سن کر سجدہ کا اشارہ کرے اور نماز کو پورا کرے

مسئلہ :۔ عزائم کے علاوہ باقی سجدے جسطرح پڑھنے والے کیلئے مستحب ہیں اسی طرح سننے والے کیلئے بھی مستحب ہیں۔

مسئلہ :۔ سجدۂ قرآن کیلئے نہ تکبیر کہنا ضروری ہے اور نہ اس کے بعد تشہد و سلام ہے البتہ سجدہ سے سر اٹھا کر تکبیر کہنی چاہیئے

مسئلہ :۔ اس سجدہ کیلئے حدث و خبث سے ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر ہو۔ لہذا سننے والا جس حالت میں سنے گا اگر سجدہ واجب ہوگا تو اس کو بجالانا ہوگا۔

مسئلہ :۔ سننے سے مراد کان دھر کر سننا ہے اتفاقی طور پر آواز کا کان میں پہنچ جانا موجب سجدہ نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ سجدۂ قرآن میں قبلہ رُخ ہونا واجب نہیں لیکن بہتر ہے کہ حتی الامکان قبلہ رُخ ہو۔

مسئلہ :۔ طہارت لباس اور ساتوں اعضاء کا زمین پر رکھنا نیز ایسی چیز پر پیشانی کا رکھنا جو نماز کے سجدہ کیلئے ضروری ہے۔ اس سجدہ میں کوئی شرط نہیں ہے البتہ بہتر ہے کہ ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے

مسئلہ :۔ سجدۂ قرآن میں کوئی خاص ذکر معین نہیں ہے بلکہ جو ذکر یا دعا پڑھ دے کافی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ سجدۂ تلاوت میں یہ پڑھے سَجَدْتُ لَکَ یَارَبِّ تَعَبُّدًا وَّرِقًّا لَا مُسْتَکْبِرًا عَنْ عِبَادَتِکَ وَلَا مُسْتَنْکِفًا بَلْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِیْرٌ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ پڑھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حَقًّا حَقًّا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِیْمَانًا وَّتَصْدِیْقًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عُبُوْدِیَّۃً وَّرِقًّا لَا مُسْتَنْکِفًا وَّلَا مُسْتَکْبِرًا بَلْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِیْرٌ اور بعض روایات میں ہے کہ جو ذکر نماز کے سجدہ میں پڑھا جاتا ہے وہی پڑھے۔

مسئلہ :۔ اگر سجدۂ قرآن بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے کرلے۔

سورۃ الانفال

یہ سورۃ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ستتر ہے اور بسم اللہ کو ملا کر اٹھتر ہے
تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر ماہ میں سورۃ الانفال اور براۃ کی تلاوت کرے وہ نفاق سے محفوظ رہے گا اور شیعان امیر المومنینؑ سے شمار ہوگا اور بروز محشر شیعوں کے ہمراہ جنت کے دسترخوان سے کھانا کھائے گا۔ یہاں تک کہ لوگ حساب سے فارغ ہولیں گے۔
امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا۔ سورۃ انفال میں وہ بات موجود ہے جس سے مخالفین کی ناک کٹتی ہے یعنی اس سورہ میں خمس کے وجوب کا حکم اور فئے وانفال وغیرہ کا تذکرہ ہے جو ذوی القربیٰ کے حقوق ہیں اور کتاب خواص القرآن سے برہان میں منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو اس سورہ کو پڑھے گا قیامت کے روز میں اس کا شفیع ہوں گا اور گواہ ہوں گا کہ یہ نفاق سے بری ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں اس قدر نیکیاں لکھی جائیں گی جس قدر دنیا میں منافق ہیں۔
جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس لٹکائے تو کسی حاکم کے پاس نہ جائے گا مگر یہ کہ اپنا حق لے کر پلٹے گا اور اس کی حاجت پوری ہوگی اور اس سے کوئی دور نہ ہوگا اور اس کے ساتھ کوئی بھی جھگڑا نہ کرے گا مگر یہ کامیاب ہوگا اور خوشی خوشی باہر نکلے گا اور یہ سورۂ مجیدہ اس کے لئے بمنزلہ قلعہ ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ

پوچھتے ہیں آپ سے انفال کے متعلق تو فرما دیجئے کہ انفال اللہ و رسول کے لئے ہے ڈرو اللہ سے اور

اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱﴾

اصلاح کرو اپنے درمیان اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر تم مومن ہو

رکوع نمبر ۱۵

انفال کا بیان

انفال ۔ نفل سے ہے اور اس کا لغوی معنی ہے عطیہ زیادتی اور نماز کے نوافل چونکہ واجبات سے زائد اور عطیہ ہیں اس لئے ان کو نوافل کہا جاتا ہے ۔ انفال کے مصداق کے تعین میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے لہذا اس میں کئی اقوال ہیں ۔

(۱) ابن عباس سے منقول ہے کہ جنگ بدر کی غنیمتیں مراد ہیں اور قتادہ کا یہی مذہب ہے ۔

(۲) چھوٹے چھوٹے سریئے جا کر جو مال لاتے تھے ان کو انفال کہا گیا ہے ۔

(۳) جو مال مشرکین بغیر لڑائی کے چھوڑ جائیں ، غلام ، کنیز یا کوئی اور چیز ۔

(۴) تقسیم غنیمت کے بعد جو مال وہاں گر جائے وہ انفال ہے اور ابن عباس سے ایک دوسری روایت میں یہی منقول ہے

(۵) مطلق خمس یہ تمام اقوال تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہیں اور بروایت صحیحہ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انفال ہر وہ مال ہے جو دار الحرب سے بغیر لڑائی کے حاصل کیا جائے ۔ اسی طرح ہر وہ زمین جس کے بسنے والے اس کو بغیر لڑائی کے چھوڑ کر چلے جائیں ۔ اور اس کو فیئی بھی کہتے ہیں ۔ اسی طرح وہ وراثت جس کا وارث کوئی نہ ہو ۔ اور بادشاہوں کی مخصوص اشیاء جو ان کے پاس کسی مسلمان سے غصب نہ ہوں ۔ جنگلات وادیاں اور بنجر زمینیں جن پر کسی کا تصرف نہ ہوا ہو وغیرہ ۔ یہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے مختص ہیں اور رسولؐ کے بعد اس کے قائمقام کیلئے ہیں وہ اپنے ذاتی مصالح میں جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور فرمایا بدر کی غنیمتیں بھی حضرت رسالتمآبؐ کے لئے مخصوص تھیں اور لوگوں نے مطالبہ کیا تھا تو یہ آیت اتری ۔ بعض لوگ آیت خمس کو اس کا ناسخ قرار دیتے ہیں لیکن جب ان دونوں آیتوں میں منافات نہیں ہے پس صحیح یہ ہے کہ آیت مجیدہ منسوخ نہیں ہے ۔

Imp

۳۔ بروایت تہذیب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس زمین پر خون نہ بہایا گیا ہو یا صلح کے طور پہ وہ مسلمانوں کے حوالے کر کے چلے گئے ہوں یا بنجر زمینیں اور وادیاں ۔پس یہ سب فیئ اور انفال ہیں اور اللہ و رسول کے لئے مختص ہیں اور جو کچھ رسولؐ کے لئے ہے وہ ان کے بعد ان کے قائمقام کے لئے ہے

۴۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے انفال وہ ہے جس پر اونٹ گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں ۔خواہ بطور صلح کے انہوں نے دی ہو یا خود بخود چھوڑ کر چلے گئے ہوں اسی طرح ہر بنجر غیر مملوک زمین اور وادیاں خدا اور رسول کے لئے ہیں اور ان کے بعد امام کے لئے ہیں جہاں چاہے خرچ کرے ۔

۵۔ آپ نے فرمایا ۔ہماری اطاعت لوگوں پر فرض ہے اور انفال کے مالک ہم ہیں اور غنیمت کا خاص اور چیدہ مال ہمارے لئے ہے ۔

۶۔ بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ۔ انفال ہمارا ہے ۔کسی نے پوچھا انفال کسے کہتے ہیں ۔تو آپ نے فرمایا ۔کانیں ،جنگلات نیز وہ زمین جس کا مالک کوئی نہ ہو اور وہ زمین جس کے مالک برباد ہو گئے ہوں اور بادشاہوں کی مختص چیزیں یہ سب انفال میں داخل ہیں ۔

بروایت قمی حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے انفال سے مراد وہ بستیاں ہیں جو برباد ہو گئی ہوں اور ان کے بسنے والے جلاوطن ہو چکے ہوں وہ اللہ اور رسولؐ کے لئے ہیں اسی طرح بادشاہوں کی مختصات بھی امام کے لئے ہیں اور جو بنجر زمین جس پر گھوڑے اونٹ نہ دوڑائے گئے ہوں اور جس زمین کا مالک کوئی نہ ہو اور کانیں یہ سب اسی سے ہیں اور اگر کوئی مر جائے اور اس کا وارث کوئی نہ ہو تو اس کا مال بھی انفال سے ہے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری ۔ جب کفار کو شکست ہوئی تو صحابۂ رسول تین حصوں میں بٹ گئے تھے ۔

۱۔ کئی حضرت رسالتمآب کے خیمے کے پاس موجود رہے ۔

۲۔ کئی دشمن کا تعاقب کر رہے تھے ۔

۳۔ کئی لوٹ رہے تھے جب مال غنیمت جمع ہو چکا تو انصار نے اسیروں کے متعلق سوال کیا پس آیت اتری ۔مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ (الآیہ) تو اسیر اور غنیمتیں ان لوگوں کے لئے مباح کر دی گئیں ۔ پس سعد بن معاذ جو خیمہ رسول کے پاس تھا ۔عرض کی حضورؐ ! ہم جہاد سے کنارہ کشی کر کے تو دشمن کے مقابلہ سے نہیں رُکے اور نہ ہم بزدلی کی وجہ سے یہاں رُکے رہے ہیں بلکہ ہم تو صرف اس لئے یہاں ٹھہرے رہے کہ آپ تنہا نہ رہ جائیں ۔مبادا دشمن آپ کو اکیلا سمجھ کر ٹوٹ پڑیں نیز آپ کے خیمے کے اردگرد مہاجرین و انصار کے سرکردہ افراد موجود ہیں نیز غنیمتیں تھوڑی ہیں ۔اور لوگ زیادہ ہیں اگر آپ ان میں تقسیم کریں گے تو ۔صحابیوں کے لئے کچھ نہ بچے گا ۔اس کو یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ غنائم کو صرف لڑنے والوں پر ہی تقسیم کر دیں اور ہم خیمہ کے پاس کھڑے ہوئے محروم رہ جائیں اور ان کا آپس میں اختلاف

بھی ہوگیا تھا یہاں تک کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ یہ غنیمتیں کن لوگوں کے لئے ہیں؟ پس آیت مجیدہ نازل ہوئی یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ یہ لوگ آپ سے انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں تو ان کو بتا دیجئے کہ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کہ انفال صرف اللہ اور رسول کے لئے ہے پس سب لوگ واپس چلے گئے اور کسی کو بھی غنیمت سے کچھ نہ ملا پھر وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (الآیہ) نازل ہوئی تو آپ نے غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ سعد بن ابی وقاص نے کہا حضورؐ آپ سوار اور کمزور کو برابر دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کمزوروں کی وجہ سے تو خدا کی نصرت نازل ہوتی ہے پس غنام بدر کو بغیر خمس کے آپ نے تقسیم کر دیا اور بعد میں خمس نکالتے رہے (صافی) (برہان)

۶۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ انفال ہر وہ بنجر زمین ہے جس کے آباد کار برباد ہو چکے ہوں اور جس پر اونٹ گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں بلکہ صلح سے حاصل ہوئی ہو اور اپنے ہاتھوں دے کر گئے ہوں بغیر لڑائی کے اور فرمایا نیز پہاڑوں کی چوٹیاں، وادیوں کے پیٹ، جنگلات، بنجر زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اور بادشاہوں کی برگزیدہ چیزیں جو بغیر غصب کے ان کے ہاتھ میں ہوں کیوں کہ غصبی اشیاء تو مالکوں کی طرف پلٹائی جایا کرتی ہیں اور نیز امام وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو اور امام پر کفالت ہے ان کی جن کا کوئی حیلہ نہ ہو۔

مسئلہ:۔ مالِ امام زمانِ غیبت میں نائب امام کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہے اور وہ جہاں امام کی خوشنودی سمجھے گا خرچ کرے گا اس پر اعتراض کرنے کا کسی حق نہیں ہے اور نائب امام سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ملکہ استنباط اور قوتِ اجتہاد رکھتا ہو اور اس میں دیگر شرائط بھی پائی جاتی ہوں۔ مثلاً عدالت ذکوریت حلال زادہ ہونا وغیرہ۔ پس ہر مجتہد جامع الشرائط کی خدمت میں مالِ امام پیش کیا جا سکتا ہے خواہ اعلم ہو یا غیر اعلم خواہ مالِ امام پیش کرنے والا اس کی تقلید میں ہو یا نہ ہو۔ جن لوگوں نے یہ قید لگا دی ہے کہ مال امام اپنے مقلد کو پیش کرنا چاہیئے یا مقلد کے لئے اعلم ہونا ضروری ہے ان کے پاس کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔

اصلاحِ مسلمین

وَاَصْلِحُوْا :۔ جب جنگِ بدر فتح ہوئی تو خیمہ رسولؐ کے پاس بیٹھنے والوں اور لڑنے والوں میں تلخ کلامی ہوگئی۔ یعنی غنیمت کی تقسیم کے بارے میں کیونکہ لڑنے والے چاہتے تھے کہ ہم کو ملنی چاہیئے اور خیمہ رسول کے پاس بیٹھنے والوں کو یہ گوارا نہ تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہمیں بھی حصہ دیا جائے پس تُو تُو میں میں تک نوبت پہنچ گئی۔ بعض لوگوں نے اس مقام پر بد اخلاقی کا مظاہرہ بھی کیا جس کے نتیجہ میں نزاع کو ختم کرنے کے لئے غنائم بدر کو انفال قرار دے کر رسولؐ کی ملکیت بنا دیا گیا جس کو حضورؐ نے اپنی مرضی سے برابر تقسیم کر دیا اور مسلمانوں کو باہمی اصلاح کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دلوں میں شکر رنجیاں باقی نہ رہیں۔ خدا اور رسولؐ و اہلبیتؑ اطہار کے نزدیک مومنوں میں اصلاح کرنا بہت بڑی نیکی ہے چنانچہ اس بارے میں کافی احادیث مروی ہیں۔

۱۔ اصول کافی میں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کا محبوب صدقہ ہے اصلاح بین الناس اور

V. Imp

Imp

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا

بے شک مومن وہ ہیں جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل کانپ جائیں اور پڑھی جائیں

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲

ان کے سامنے اس کی آیات تو ان کا ایمان زیادہ ہو اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوں

ایک دوسرے سے دوری کے وقت ان کو قریب کرنا۔

۲۔ اصول کافی میں ہے نیز آپ نے فرمایا اگر ہمارے شیعوں میں سے دو کے درمیان کوئی جھگڑا دیکھو تو ہمارا مال دے کر ان میں صلح کرا دیا کرو۔

۳۔ اصول کافی میں ہے آپ نے فرمایا۔ دو کے درمیان صلح کرانے والا جھوٹا نہیں کہا جا سکتا (یعنی خلاف واقع بات کہہ کر بھی صلح کرا دے تو اس کو جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا۔

۴۔ باب کذب میں آپ نے فرمایا کلام کی تین قسمیں ہیں (۱) صدق (۲) کذب (۳) اصلاح بین الناس۔ پس کسی نے سوال کیا کہ حضورؐ اصلاح کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا۔ وہ اس طرح ہے کہ تم کسی شخص سے دوسرے کے متعلق کوئی ایسی بات سنو کہ اگر وہ سنتا تو اس کو غصہ آجاتا۔ پس تم اس سے جا کر اس شخص کی جانب سے اچھی بات نقل کرو جو اس نے نہ کہی ہو۔ تاکہ وہ اس سے بدظن نہ ہو اور غصہ کی بجائے اس کے دل میں محبت پیدا ہو۔

۵۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دن ہر جھوٹ کے متعلق باز پرس ہوگی۔ لیکن تین قسم کے جھوٹ کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی (۱) دشمن دین کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اس کو مغلوب کرنے کی خاطر (۲) دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کی خاطر (۳) اپنی اہل کے ساتھ وعدہ کرنا جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جھوٹ بولنا طبعی گراوٹ اور خست ہے لیکن لوگوں کے درمیان اصلاح اس قدر اہم ہے کہ اگر اس بارہ میں انسان کو یہ خست برداشت کرنی پڑے تو برداشت کرے لیکن صلح کی نیکی کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور دشمن دین کو مغلوب کرنا بھی چونکہ زمین میں اصلاح کے لئے ہی ہوا کرتا ہے اس لئے وہاں بھی اس گراوٹ کو اپنا لینا معاف کیا گیا ہے اور گھریلو معاملات کا سلجھاؤ اور اس کی اصلاح بھی اسی سے ہے کہ انسان اپنی رواداری کو برقرار رکھے اور گھر سے روانگی کے وقت ہر قسم کی فرمائش پر ہاں کرتا جائے اور پھر عمل کے وقت اتنا ہی کرے جس قدر گنجائش اور وسعت میں ہو اور اس مقام پر شروع سے ہاں کرتے وقت اگرچہ دل میں اس پر عمل کا ارادہ نہ تھا کیونکہ اپنے ذاتی حالات اس کو اجازت نہ دیتے تھے لیکن انکار میں خانگی بگاڑ کا خطرہ تھا۔ پس اس جھوٹ کی گرفت سے خداوند کریم اس کو معافی دے گا۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ

جو نماز قائم کرتے ہوں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہوں وہ ہی مومن ہیں

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

سچے سچے ان کے لئے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور مغفرت اور پاکیزہ رزق ہے

علامات مومن

اس مقام پر خداوندکریم نے مومنوں کی علامتیں بیان فرمائی ہیں (۱) خوف خدا۔ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل اس کی عظمت وجلالت کا تصور کر کے لرز جائیں اور اس کی قدرت عدالت نیز گناہوں پر گرفت وسزا اور اپنی کوتاہیوں کے انبار کا خیال کر کے کانپ جائیں۔

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص اللہ کا خوف رکھے گا۔ خدا ہر شے کے دل میں اس کا خوف ڈال دے گا اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا۔ خدا اس کے دل میں ہر شے کا ڈر پیدا کر دیتا ہے یعنی اللہ سے ڈرنے والا کسی سے نہیں ڈرتا اور اللہ سے نہ ڈرنے والا ہر شے سے ڈرتا ہے۔

نیز کافی میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک شخص بمعہ اپنی اہلیہ کے سفر کو روانہ ہوا سفر دریا میں ان کی کشتی ٹوٹ گئی اور کشتی والوں سے سوائے اس کی عورت کے کوئی بھی نہ بچ سکا پس وہ عورت ایک تختے پر محفوظ ایک جزیرہ میں پہنچی۔ وہاں ایک ڈاکو تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی۔ یہ عورت اس کے پاس پہنچی تو اس نے دریافت کیا کہ تو انسان ہے یا جن ہے تو عورت نے جواب دیا کہ قوم انسان سے ہوں۔ فوراً وہ شخص اس عورت پر بقصد زنا سوار ہو گیا تو عورت کا جسم لرز گیا۔ ڈاکو نے پوچھا۔ کانپنے کا کیا سبب ہے تو جواب دیا آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اس سے ڈرتی ہوں۔ اس نے کہا کس بات سے تو عورت نے جواب دیا۔ اس کی عزت وعظمت سے پس فوراً اس ڈاکو کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا اور عورت سے علیحدہ ہو کر کہنے لگا۔ اگر تو عورت ہو کر اس کی عظمت سے اس قدر ڈر رہی ہے تو میں مرد ہو کر کیوں نہ خوف کروں پس سیدھا گھر پہنچا اور اپنے سابق گناہوں سے تائب اور پشیمان ہوا۔ ایک دن وہ کہیں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک راہب اس کا ہمسفر ہو گیا۔ سورج کی تمازت تیز تھی۔ راہب نے کہا اے جوان دعا کر تا کہ خدا کوئی بادل بھیج دے۔ ورنہ ہم گرمی سے کباب ہو جائیں گے۔ جوان نے جواب دیا۔ مجھے تو اپنی کوئی ایسی نیکی معلوم نہیں جس کی بنا پر میں اللہ سے کچھ مانگنے کی جرأت کر سکوں۔ راہب نے کہا اچھا میں دعا مانگتا ہوں تو آمین کہنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس فوراً ایک بادل نے ان پر سایہ کر دیا۔ دونوں کافی دیر تک اس کے نیچے آرام سے سفر کرتے رہے۔ پس ایک دوراہے پر پہنچے جہاں سے ان کے راستے الگ الگ پھوٹتے تھے تو جب جوان اپنے راستے کی طرف مڑا تو بادل بھی اسی طرف روانہ ہوا۔ راہب کہنے لگا۔ اے جوان تو مجھ سے نیک ہے کیونکہ بادل کا تیرے ساتھ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ دعا تیری وجہ سے ہی

مستجاب ہوتی تھی اور یہ بادل تیری بدولت آیا تھا لہذا بیان کرو کہ تو نے کیا نیکی کی ہے ۔ پس اس نے اس عورت کے ساتھ گزرا ہوا ماجرا بیان کیا تو راہب نے جواب دیا کہ خوف خدا پیدا ہوتے ہی تیرے سابق گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں لہذا آئندہ کا خیال کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں فرمایا۔ لوگو! تمہارے لئے علامات ہیں ان کی طرف توجہ کرو اور تمہارے لئے ایک حد مقرر ہے اس کی طرف پہنچو ۔ دیکھو مومن دو خوفوں کے درمیان مصروف کار ہے ۔ ایک گزشتہ عمر کا خوف کہ خبر نہیں خدا کے سامنے اس کے متعلق کیا جواب دوں گا اور دوسرے آئندہ کا خوف کہ خدا جانے میرے ساتھ کیا ہوگا ۔ پس اس درمیانی حصہ میں اپنی ذات کے لئے اپنی طرف سے کچھ ذخیرہ بنانے کی کوشش کرو اور اس دنیا میں آخرت کے لئے جوانی میں بڑھاپے سے پہلے اور زندگی میں مرنے سے قبل (کچھ زادِ راہ تیار کرو) مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے ۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد معافی مانگنے کا کوئی مقام نہیں ہے ۔

آپ نے فرمایا ۔ جو شخص یہ سمجھ لے کہ خدا مجھے دیکھتا ہے اور وہ میری باتیں سنتا ہے اور میرے اعمال کو جانتا ہے خواہ نیک کروں یا بد کروں ۔ پس اس یقین کے بعد اگر وہ برے کاموں سے رک جائے تو یہ ہے خوفِ خدا اور اس کے لئے دو جنتیں ہیں وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ۔

نیز آپ نے فرمایا ۔ کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ اس کے دل میں دو قسم کے نور ہوتے ہیں ایک نور خوف اور دوسرا نور رجاء دونوں کو اگر وزن کیا جائے تو ایک دوسرے کے برابر نکلیں گے ۔

اور روایت میں ہے کہ خوفِ خدا کی ایک آنسو آتشِ جہنم کے سمندروں کو خشک کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ قیامت کے روز ہر آنکھ رونے والی ہوگی مگر تین آنکھیں نہ روئیں گی ۔

(۱) وہ آنکھ جو دنیا کی حرام کردہ چیزوں پر نظر کرنے سے بچی رہی ۔

(۲) وہ آنکھ جو اطاعتِ خدا میں رات کو بیدار رہی ۔

(۳) وہ آنکھ جو اثنائے شب میں خوفِ خدا سے روئی ۔

آپ نے فرمایا ۔ ہر شے کے لئے ناپ یا وزن ہو سکتا ہے سوائے آنسو کے ۔ پس آنسو کا ایک قطرہ آتشِ جہنم کے سمندروں کو بجھانے کے لئے کافی ہے ۔ اگر آنکھ آنسو سے ڈبڈبا جائے تو ایسے شخص پر کسی قسم کی رسوائی طاری نہ ہوگی اور اگر آنسو بہہ نکلے تو اس کا چہرہ آتشِ جہنم پر حرام ہوگا اور فرمایا ۔ اگر امت میں ایک شخص رونے والا ہو تو اس کے ذریعے سے پوری امت پر خدا کا رحم عام ہو جاتا ہے ۔ یعنی اگر وہ مستحق عذاب بھی ہو تو اس کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل جاتا ہے ۔

Imp

Definition

Imp

(۲) مومن کی دوسری علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ آیاتِ خداوندی کی تلاوت ہو تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔
یعنی قرآن مجید کی آیات میں غور و تدبر اس کے ایمان کی جلا بنتا ہے اور روایات میں ہے۔ بروز محشر قرآن مجید
ان کی سفارش کرے گا جو دنیا میں اس کی حرمت کو سمجھتے تھے اور بارگاہِ رب العزت میں عرض کرے گا۔ اے
اللہ! فلاں شخص نے میری خاطر شب بیداری کی ہے تو ارشاد ہوگا۔ تجھے اختیار ہے کہ اس کو جنت میں لے جا۔ چنانچہ
مراتب جنت کے قریب پہنچے گا تو ارشاد ہوگا قرآن پڑھتا جا اور آگے بڑھتا جا۔
اور مروی ہے کہ جس نے قرآن ختم کر لیا گویا کہ نبوت اس کے پہلوؤں میں داخل کی گئی۔ بہرکیف اس باب
کی احادیث بکثرت ہیں اور مقدمہ تفسیر میں بھی بہت کچھ درج کی جا چکی ہیں۔
(۳) مومن کی تیسری علامت قرآن مجید نے توکل بتلائی ہے کہ مومن وہ ہے جو اللہ پر بھروسہ رکھے۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اصولِ کافی باب توکل میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت داؤد
علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جو بندہ بھی میری ذات پر اعتماد رکھے اور مجھ سے تمسک کرے اور تمام میرے ماسوا
کو ٹھکرا دے بشرطیکہ اس کی نیت خالص ہو تو اگر تمام آسمان و زمین اور ان میں بسنے والے اس کو فریب دینا چاہیں اور
اس کو مغلوب کرنا چاہیں تو میں اس کی حفاظت اور بچاؤ کے اسباب پیدا کر دوں گا لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی شخص
مجھے چھوڑ کر میرے غیر پر بھروسہ رکھے تو میں آسمانوں اور زمینوں سے اس کے کامیابی کے وسائل قطع کر دوں گا۔
امام پاک نے فرمایا کہ دولتمندی اور عزت چکر لگاتی پھرتی ہے اور جہاں توکل کو دیکھتی ہے تو ڈیرہ ڈال دیتی
ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہی صحیح معنوں میں غنی ہوتا ہے اور وہ ہی درحقیقت باعزت ہوتا ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص توجہ کرے۔ اس طرف جس طرف کو اللہ محبوب رکھتا ہے تو اللہ
بھی توجہ کرتا ہے اس طرف جس کو وہ پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے تمسک پکڑے اللہ اس کو پناہ دیتا ہے اور جس
کی طرف اللہ متوجہ ہوا اور اس کو پناہ دے تو اس کو کیا پرواہ۔ اگر آسمان زمین پر آجائے یا اگر مصیبت نازل
ہو اور تمام زمین والوں کو گھیر لے تو یہ شخص ہر مصیبت سے اللہ کی امان میں ہوگا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّ
الْمُتَّقِيْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ۔
امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ توکل کا ایک درجہ یہ ہے کہ اپنے تمام معاملات میں اس پر بھروسہ رکھے
وہ اللہ تیرے ساتھ جو بھی کرے تو اس پر راضی رہے تو یقین جان کہ وہ تجھے خیر سے محروم نہ کرے گا اور جان لے
کہ حکم اس کا ہی ہے پس معاملہ کو اس کے سپرد کرنے میں توکل کر اور تمام معاملات میں اس پر وثوق رکھ۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کے پاس تین چیزیں ہیں۔ وہ تین چیزوں سے محروم نہ رہے گا۔
(۱) جس کے پاس دعا ہو وہ قبولیت سے محروم نہ ہوگا۔

(۲) جس کے پاس شکر ہو وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہے گا۔ اور
(۳) جس کے پاس توکل ہو وہ کفایت سے محروم نہ رہے گا۔ یعنی اللہ اس کو کافی ہوگا۔ الخبر

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بعض کتب متقدمہ میں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال اور مجد و ارتفاع کی قسم کہ میں لوگوں میں سے ہر اس امید کرنے والے کی امید کو ساتھ مایوسی کے توڑ دوں گا۔ جس نے میرے غیر سے امید کی۔ اس کو لوگوں میں ذلت کا لباس پہناؤں گا۔ اس کو اپنے قرب سے ہٹاؤں گا اور اپنے فضل سے دور کروں گا۔ کیا وہ سختیوں میں میرے غیر سے امیدیں وابستہ کرتا ہے جبکہ وہ میرے قبضۂ قدرت میں ہیں تو وہ توقع غیر سے کیونکر رکھتا ہے فکر کے ساتھ غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ حالانکہ کنجیاں میرے پاس ہیں اوروں کے دروازے بند ہیں اور دعا مانگنے والوں کے لئے میرا دروازہ کھلا ہے۔ وہ کون ہے جس نے مصائب میں میری امید کی ہو اور میں نے اس کو محروم کیا ہو؟ وہ کون ہے جس نے میری مشکل میں میرے اوپر توقع کی ہو اور میں نے اس کو ناامید کیا ہو؟ میں نے لوگوں کی امیدیں اپنے پاس محفوظ رکھی ہیں۔ کیا وہ میری حفاظت پر راضی نہیں؟ اور میں نے آسمانوں کو پُر کیا ہے۔ ایسی مخلوق سے جو میری تسبیح سے تھکان نہیں محسوس کرتی اور میں نے اس کو حکم دیا ہے کہ میرے اور بندوں کے درمیان دروازہ بند نہ کریں۔ تو کیا ان کو میری بات پر بھروسہ نہیں ہے؟ جس پر مصیبت نازل ہو۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ میرے سوا میری اجازت کے بغیر کوئی دوسرا اسے دور نہیں کر سکتا تو اس کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھ سے غافل ہے؟ میں نے اپنے جود و کرم سے اس کو وہ کچھ دیا ہے جو اس نے مانگا بھی نہ تھا تو پھر ردِ مصیبت کیلئے مجھ سے نہیں سوال کرتا۔ اور میرے غیر سے سوال کرتا ہے۔ کیا میں مانگنے سے پہلے نہیں دیا کرتا۔ تو کیا سوال کرنے کے بعد سائل کو نہ دوں گا؟ کیا میں بخیل ہوں کہ بندہ مجھے بخیل سمجھتا ہے۔ کیا جود و کرم میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ کیا معافی اور رحمت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ کیا میں امید کا محل نہیں ہوں؟ تو جو شخص امید کو مجھ سے قطع کرتا ہے کیا میرے غیر سے اُمید کو وابستہ کرنے میں مجھ سے ڈرتا نہیں؟ اگر تمام اہل آسمان و زمین میرے اُوپر امید رکھیں اور ہر ایک کو اس کی امید کے مطابق عطا کر دوں تو میرے ملک میں ایک چیونٹی کے برابر بھی کمی نہ واقع ہوگی اور اس ملک میں کمی ہی کیوں واقع ہو جس کا میں سربراہ ہوں۔ پس کس قدر بدبخت ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہیں اور کس قدر بدبخت ہیں جو میری نافرمانی کرتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔

(۴) خداوند کریم نے مومن کی چوتھی علامت نماز بیان فرمائی ہے اور نماز کے وجوب اور اس کے ترک کے عذاب کے متعلق حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خانوادۂ عصمت سے بہت کچھ احادیث مروی ہیں۔ خداوند کریم نے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر تارک صلوٰۃ کو مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ نماز قائم کرو اور مشرک نہ ہو اور حضورؐ نے فرمایا۔ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ متعمدًا فقد کفر۔ یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا وہ کافر ہوا۔ فرمایا۔ الصّلوٰۃ عمود الدین فمن اقامها اقام الدین ومن

ترکھا فقد ھدم الدین ۔ یعنی نماز دین کا ستون ہے ۔ جس نے پڑھی اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نہ پڑھی گویا اس نے دین کو گرا دیا ۔ ایک حدیث میں فرمایا مسلمان اور کافر کے درمیان حد فاصل صرف نماز ہی ہے ۔
اصول کافی میں ہے جہاں امام جعفر صادق علیہ السلام نے گناہانِ کبیرہ کی فہرست گنوائی کہ وہ سات ہیں ۔

۱ ۔ کفر ۲ ۔ قتلِ نفس
۳ ۔ والدین کی نافرمانی ۴ ۔ سود خوری
۵ ۔ مالِ یتیم کا کھانا ۶ ۔ جہاد سے بھاگ جانا ۔
۷ ۔ ہجرت کے بعد بدویت کی طرف جانا ۔

اس کے بعد راوی نے پوچھا کہ حضورؐ یتیم کے مال سے ایک درہم کھالینا زیادہ گناہ ہے یا ترکِ نماز ؟ تو آپؑ نے فرمایا ۔ ترکِ نماز کا گناہ زیادہ ہے ۔ راوی نے عرض کیا ۔ حضور ! پھر ترکِ نماز کو آپ نے گناہِ کبیرہ میں تو شمار نہیں فرمایا ۔ آپ نے فرمایا ۔ بتاؤ میں نے سب سے پہلے کس چیز کا نام لیا تھا ۔ اس نے عرض کی ۔ حضور ! کفر کا ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ ترکِ نماز بھی تو کفر ہے ۔

V. Imp.

(۵) مومن کی پانچویں علامت راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے ۔ خرچ کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک واجب ، دوسرا مستحب ۔ اگر واجب نہ ادا کرے تو مستحب میں کتنا ہی سخی بنا رہے کوئی فائدہ نہیں ۔ واجب سے مراد زکوٰۃ اور خمس ہیں ۔ اگر کسی شخص کے مال میں زکوٰۃ کا وجوب آچکا ہو اور پھر اس کو ادا نہ کرے تو اس مال کا استعمال کرنا حرام ہوگا اور اس مال سے کسی قسم کا صدقہ و خیرات قابلِ قبول نہ ہوگا ۔ نہ اس مال سے زیارت کو جا سکتا ہے اور نہ حج کو اور اس مال سے عزاداری سید الشہداء پر خرچ کرنا ، مدارسِ دینیہ تعمیر کرانا اور مساجد بنوانا وغیرہ قطعاً غیر مفید ہے ۔ کارِ خیر میں وہ مال ہی لگایا جا سکتا ہے جو حلال ہو اور جس مال میں مساکین کا حصہ مخلوط ہو تو وہ مالک پر کسی صورت میں حلال نہیں ہو سکتا اور جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور بغیر ادا کئے کے مر جائے تو بروزِ محشر تمام دنیا کے مساکین و فقراء اس کے دامن کو پکڑیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں اس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے ۔ چنانچہ فرماتا ہے ۔ المال مالی والفقراء عیالی فمن بخل بمالی علی عیالی ادخلہ النار ولا ابالی ۔ یعنی حدیث قدسی سے نقل کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے ۔ تمام مال میرا ہے اور فقیر و غریب لوگ میرے عیال ہیں تو جو شخص میرے مال سے میرے عیال پر بخل کرے گا ۔ اس کو جہنم میں داخل کروں گا اور مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے ۔
اصولِ کافی باب فضل فقراء مومنین میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے ۔ فرمایا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے غنی کو اس لئے غنی نہیں کیا کہ وہ مجھے فقیر کی بہ نسبت زیادہ پیارا ہے اور فقیر کو فقیر اس لئے نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک ذلیل ہے بلکہ اس تقسیم کو اغنیاء کی آزمائش کے لئے مقرر کیا ہے اور اگر فقراء طبقہ نہ ہوتا تو اغنیاء طبقہ جنت کا حقدار نہ بنتا ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارے خوش حال شیعہ امین قرار دیئے گئے ہیں غریب شیعوں کے لئے۔ لہذا ان کے بارے میں ہماری لاج رکھو۔ خدا تمہاری لاج رکھے گا۔ اسی طرح سے خمس کا وجوب انہی شرائط کے ماتحت مذہب شیعہ میں تمام علماء کے نزدیک مسلم ہے جس کا بیان آگے آجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

پس اگر کسی شخص پر خمس واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو حقوق سادات کا غاصب ہوگا۔ لہذا شیعان علی جو حضرت علیؑ و بتول علیہا السلام کے غصب کو روتے اور غاصبین کو لعن وطعن کرتے ہیں۔ ذرا اپنے گریبان میں بھی نگاہ ڈال لیا کریں کہ کہیں وہ بھی آل محمدؐ کے حقوق کے غاصب ہو کر غصب کرنے والے ٹولے میں نہ ملحق ہو جائیں۔ ان حقوق واجبہ کے علاوہ دیگر حقوق بعض واجب مثلاً فطرہ، کفارہ، نذر، عہد ویمین اور بعض مستحب جن کی کوئی حد نہیں ہے خداوند کریم نے مالدار اور دولت مند طبقہ پر عائد کر دیئے ہیں تاکہ منافع دنیا یہ صرف ایک طبقہ کی جاگیر داری بن کر نہ رہ جائیں بلکہ تمام بنی نوع انسان ان سے حسب منشاء فائدہ اٹھا سکیں اور دنیا ہرج مرج سے محفوظ رہے۔ ظلم وتعدی کا خاتمہ ہو جائے اور امن واطمینان اور انصاف واعتدال کا دور دورہ رہے اور اس میں شک نہیں کہ پیسہ کی بے جا حبس اور متمول طبقہ کا بخل ہی دنیا کے تمام فسادات کی جڑ ہے۔ بنکوں میں اور خزانوں میں پیسہ جمع کر کے مرنے والوں کو قبر میں پتہ چلے گا کہ ہائے ہم نے اپنے نفسوں پر کیسا ظلم کیا اور بروز محشر یہی ذخیرہ شدہ پیسہ جمع کر کے جانے والوں کے پہلوؤں اور پیشانیوں پر داغ دینے کے لئے استعمال ہوگا۔ تُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ ۔ اور جب انسان چلائے گا۔ اور چیخے گا تو آواز آئے گی۔ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ یہ تو وہی چیز ہے جس کو تم خود اپنے لئے جمع کر آئے تھے۔ اب گھبراتے کیوں ہو اور بروز محشر ایسے لوگ انتہائی حسرت وندامت میں ہوں گے اگر پس ماندگان نے کار خیر میں صرف کر کے جنت کما لی تو ان کو اس لئے حسرت ہوگی کہ کاش ہم نے اگر خود خرچ کیا ہوتا تو ہم بھی جنت کے حقدار ہوتے۔ پیسہ ہمارا اور اس سے جنت دوسرے لے گئے اور اگر پس ماندگان نے اس کو کار شیطان میں صرف کر کے جہنم خریدا تو پیسہ چھوڑ کر آنے والے پر بھی تو وہ وبال ہوگا۔ پس وہ ارمان کرے گا کہ اگر میں اس کو نہ چھوڑ آتا تو کیوں برے کاموں پر خرچ ہوتا اور میرے لئے وبال بنتا؟ بہر کیف شیعان آل محمد کو اہل بیتؑ کی سیرت پر عمل کرنا چاہیئے۔ صرف زبانی مومن کہلانا کافی نہیں جب تک عمل سے اس کی تصدیق نہ ہو۔

شیعہ کون ہیں؟

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۔ ان اوصاف مذکورہ کے بعد مالک ارشاد فرماتا ہے۔ جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں تو وہ ہیں سچ مچ مومن ہیں اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر یہ صفات موجود نہ ہوں اور مومن کہلائے تو وہ زبانی مومن ہوگا۔ سچ مچ مومن نہ ہوگا۔ اسی طرح شیعہ کہلانا کافی نہیں جبتک کہ اس میں شیعہ کے علائم نہ پائے جائیں۔

۱۔ اصول کافی، باب علامات مومن۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے

فرمایا۔ یا علیؑ! جس میں بیس علامتیں پوری نہ ہوں وہ مومن کامل نہیں بن سکتا۔

۱۔ نماز میں حاضر ہونا ۲۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔
۳۔ مسکین کو کھانا کھلانا ۴۔ یتیم کے سر پر مہر و محبت کا ہاتھ پھیرنا۔
۵۔ لباس کو پاک رکھنا ۶۔ دامن کو اونچا رکھنا۔
۷۔ جھوٹ نہ بولنا ۸۔ خلافِ وعدہ نہ کرنا۔
۹۔ امانت میں خیانت نہ کرنا ۱۰۔ سچ بولنا
۱۱۔ راتوں کو راہب بن کر گھروں میں ٹھہر جانا یعنی ڈاکو بن کر راہ زنی نہ کرنا۔
۱۲۔ دن کو شیروں کی طرح نکل آنا۔ یعنی کام کاج کر کے حلال روزی کمانا۔
۱۳۔ دن کو روزہ رکھنا ۱۴۔ رات کو عبادت میں بسر کرنا۔
۱۵۔ ہمسایہ کا خیال رکھنا کہ اس کو ان کی وجہ سے اذیت نہ ہو۔
۱۶۔ نہ خود اس کو اذیت دینا ۱۷۔ زمین پر تواضع سے چلنا
۱۸۔ بیواؤں کی خبر گیری کرنا ۱۹۔ تشییع جنازہ کرنا۔
۲۰۔ تقویٰ، خدا ہمیں اور تمہیں متقین کے زمرہ سے قرار دے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نیکی سے خوشی آئے اور برائی سے نفرت آئے تو وہ مومن ہے۔

۳۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیعہ اہلِ ہدیٰ ہیں اہل تقویٰ ہیں اہلِ خیر ہیں اہل ایمان اور اہل فتح و ظفر ہیں۔

۴۔ آپ نے فرمایا۔ کمینہ پن سے بچو۔ سوائے اس کے نہیں علیؑ کے شیعہ تو وہی ہیں جن کا پیٹ اور شرمگاہ عفیف و پاکیزہ ہو۔ جہاد میں مضبوط ہو۔ خالق کے لئے عمل کرے۔ اس کے ثواب کی اُمید اور اس کی گرفت سے خوفزدہ ہو۔ اگر ایسی صفات والے لوگ دیکھو تو سمجھ لو کہ علیؑ کے شیعہ ہیں۔

۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے سلیمان نامی ایک شخص کو خطاب کر کے فرمایا۔ تجھے معلوم ہے کہ مومن کسے کہتے ہیں۔ عرض کی۔ میں فدا ہو جاؤں آپ ہی فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔ پھر فرمایا۔ تجھے پتہ ہے مومن کسے کہتے ہیں تو میں نے حسب سابق جواب دیا تو آپ نے فرمایا۔ المؤمن من ائتمنہ المسلمون علی اموالھم وانفسھم مومن وہ ہے کہ مسلمان اس کو اپنی جانوں اور مالوں پر امین سمجھیں۔۔۔۔۔۔ الخ

ایک روایت میں حضرت رسالتمآبؐ سے آپ نے نقل کرتے ہوئے اسی قسم کی حدیث فرمائی اور آخر میں فرمایا مومن پر حرام ہے کہ دوسرے مومن پر ظلم کرے یا اس کو ذلیل کرے یا اس کی غیبت کرے یا اس کو کہیں دھکا دے دے۔

۶۔ باب الطاف مومن میں آپ نے فرمایا۔ مومن پر واجب ہے کہ مومن بھائی کے ستر گناہوں پر پردہ ڈالے۔
۷۔ باب نصیحہ مومن میں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن پر واجب ہے کہ مومن کی خیر خواہی کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب۔
۸۔ علامات مومن میں آپ نے فرمایا۔ جس کی پرہیزگاری زیادہ ہو۔ خالق کا ڈر ہو اور اس کے ثواب کی امید اس کے دل میں ہو تو سمجھ لو کہ وہ میرے ہیں۔
۹۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو ہماری ولایت کی بدولت ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں۔ ہماری مؤدت سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں اور ہمارے دین کی زندگی کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کریں اگر ان کو ناراض کیا جائے تو ظالم نہ بنیں اور اگر راضی کیا جائے تو حدود سے نہ بڑھیں اپنے ہمسایہ کے لئے باعث برکت ہوں اور اپنے دوست کے لئے باعث سلامتی ہوں۔
۱۰۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارا شیعہ وہ ہے جس کی آواز اپنے کان سے نہ بڑھے اور اس کا غصہ اس کے ہاتھ سے تجاوز نہ کرے۔ یہاں تک کہ فرمایا۔ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو کتوں کی طرح بھونکیں نہیں۔ کوّے کی طرح لالچی نہ ہوں اور ہمارے دشمن سے سوال نہ کریں خواہ بھوک سے مر ہی جائیں۔ الخبر
۱۱۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جس میں تین خصلتیں ہوں وہ کامل الایمان ہے۔
(۱) رضامندی اس کو باطل میں داخل نہ کرے۔
(۲) غصہ اس کو حق سے نکال نہ دے۔
(۳) قدرت و طاقت اس کو ایسے کاموں کی طرف نہ لے جائے جو اس کے شایان نہ ہوں۔
۱۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ دین داروں کے لئے کچھ علامتیں ہیں۔ جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔

(۱) سچ بولنا
(۲) امانت ادا کرنا
(۳) اپنے عہد کی وفا کرنا
(۴) صلہ رحمی کرنا
(۵) کمزوروں پر رحم کرنا
(۶) عورتوں سے میل جول کم کرنا
(۷) احسان عام کرنا
(۸) حسن خلق
(۹) عام خلق
(۱۰) علم کی اتباع
(۱۱) ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا موجب ہو۔ طُوبیٰ لَھُم وَحُسنُ مَاٰب۔ ایسے لوگوں کے لئے طوبیٰ ہے اور اچھی بازگشت ہے فرمایا۔ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل حضرت رسالتمآبؐ کے گھر میں ہو گی۔ اور اس کی شاخ ہر مومن کے گھر میں پہنچے گی اور مومن کے دل میں جو بھی خواہش پیدا ہو گی۔ اس شاخ سے

وہی چیز پیدا ہو کر اس کے پیش ہو گی۔ اگر کوئی سوار اس کے سایہ میں ایک سو برس تیزی سے چلتا رہے تو اس کے سایہ کو عبور نہ کر سکے گا اور اگر کوئی پرندہ نیچے سے اُوپر کی طرف اس کی بلندی کے احاطہ کے لئے پرواز کرے تو وہ تھک کر گر جائے گا۔ آگاہ ہو ایسے انعام کی طرف رُجوع کرو۔ الخبر

۱۳۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ عقل والوں کی چند نشانیاں ہیں:۔

(۱) اخلاقِ حسنہ (۲) دانشمندی

(۳) صلہ رحمی (۴) والدین کے ساتھ نیکی۔

(۵) فقراء ہمسایوں اور یتیموں کی خبر گیری (۶) روٹی کھلانا یعنی مہمان نوازی

(۷) سلام ہر چھوٹے بڑے کو کہنا (۸) لوگوں کی غفلت کے وقت نماز پڑھنا

۱۴۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔ کسی مسلمان کے دین کے کامل ہونے کی علامتیں یہ ہیں۔

(۱) بے ہودہ گوئی سے بچتا ہو (۲) جھگڑا نہ کرتا ہو

(۳) حلم وصبر رکھتا ہو اور خلیق ہو۔

۱۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن وہ ہے جو دوسرے مومن کی اعانت کرے۔ دوسرے پر اپنا بوجھ کم ڈالے۔ اپنے معاش کی خود اچھی تدبیر کرے اور ایک سوراخ سے دوبارہ نہ کاٹا جائے (یعنی جس کام میں اس کو نقصان ہے اسے بار بار نہ آزمائے)

۱۶۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ ہماری ولایت کا ہر دعویدار مومن نہیں ہوا کرتا بلکہ ایسے لوگ حقیقی مومنوں کے لئے باعثِ انس بنائے گئے ہیں۔

۱۷۔ باب ابتلاء مومن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ دین کی مقدار کے مطابق مومن دنیا میں مبتلائے مصیبت ہوا کرتا ہے۔

۱۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن ترازو کے پلڑے کی طرح ہے جس قدر اس کے ایمان میں زیادتی ہو گی اسی قدر دوسری طرف اس کی آزمائش میں زیادتی ہو گی۔

۱۹۔ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اپنے دردوں کی تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔ اگر مومن کو ان تکالیف کے اجر کا پتہ ہوتا۔ (تو شکایت نہ کرتا) بلکہ وہ خواہش کرتا کہ میرا جسم قینچی سے ریزہ ریزہ کیا جائے۔

۲۰۔ باب کبائر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے زنا کیا وہ ایمان سے خارج، جس نے شراب پیا ایمان سے خارج اور جس نے ماہِ رمضان کے ایک دن کا روزہ بھی چھوڑا، ایمان سے خارج ہوا۔

۲۱۔ ابن قیس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ہم اپنے اہل مذہب کو اگرچہ وہ گناہ کریں۔ ایمان سے خارج نہیں کرتے تو امامؑ نے فرمایا۔ اے ابن قیس! جناب رسالتمآبؐ نے تو فرمایا۔ ایمان کے ہوتے ہوئے انسان زنا نہیں کر سکتا۔ مومن ہوتے ہوئے چوری نہیں کر سکتا۔ تو اور تیرے ساتھیوں کی جدھر مرضی ہو پھرتے رہیں۔

۲۲۔ باب الحیا میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں۔

۲۳۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ حیا دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ ایک حیا دانائی کا۔ دوسرا حیا بے وقوفی کا۔ پس پہلا حیا علم ہے اور دوسرا جہالت ہے۔

۲۴۔ باب الورع میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کثیرا ما کنت اسمع ابی یقول لیس من شیعتنا من لا یتحدث المخدرات بورعه فی خدورهن ولیس من اولیائنا من هو فی قریة فیها عشرة الاف رجل وفیهم من خلق الله اورع منه۔ میں اپنے والد بزرگوار سے بسا اوقات سنتا تھا کہ آپ فرماتے تھے۔ وہ ہمارا شیعہ نہیں جس کے متعلق پردہ دار عورتیں گھروں میں بیٹھ کر اس کی پاک دامنی کی گواہی نہ دیں۔ اور ہمارے موالیوں میں سے وہ نہیں کہ جس بستی میں وہ رہتا ہو۔ اس میں دس ہزار کی آبادی ہو اور ان میں کوئی آدمی اس سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

۲۵۔ آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو زبانی اپنی طرف دعوت نہ دو بلکہ پرہیزگاری کی کوشش نماز اور نیکی کر کے ان کو اپنی طرف جذب کرو۔

۲۶۔ آپ نے فرمایا۔ ہم اس کو مومن اور اپنا مرید نہیں سمجھتے جو تمام امور میں ہماری اتباع نہ کرے۔

۲۷ آپ نے فرمایا۔ وہ ہم میں سے نہیں کہ جس شہر میں اس کی لکھوکھا کی آبادی میں اس سے کوئی دوسرا زیادہ پرہیزگار ہو۔

۲۸۔ فرمایا۔ لوگوں کو اپنی طرف صرف زبانی دعوت نہ دو، بلکہ کونوا زینا ولا تکونوا شینا۔ ہماری زینت بنو اور ہمارے لئے داغ نہ بنو۔

۲۹۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے گروہِ شیعہ! اے شیعانِ آلِ محمدؐ تم ایسی درمیانی جماعت بنو کہ غالی تمہاری طرف پلٹ آئے اور کوتاہی کرنے والا اور پیچھے رہا ہوا تمہیں تیز ہو کر مل جائے۔ سعد انصاری نے پوچھا۔ حضور غالی کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ قوم یقولون فینا مالا نقوله فی انفسنا فلیس اولئک منا ولسنا منهم وہ لوگ جو ہمارے متعلق ایسے عقائد رکھتے ہیں جو ہم اپنے متعلق نہیں کہتے پس ایسے لوگ ہم میں سے نہیں ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ پیچھے رہنے والے کون ہیں؟ تو فرمایا۔ وہ ہیں جو اچھائی کے امیدوار ہیں۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے

لگے واللہ ما معنا من اللہ براءۃ ولا بیننا وبین اللہ قرابۃ ولا لنا علی اللہ حجۃ ولا نتقرب الی اللہ الا بالطاعۃ فمن کان منکم مطیعا للہ تنفعہ ولایتنا ومن کان منکم عاصیا للہ لم تنفعہ ولایتنا و یحکم لا تغتروا و یحکم لا تغتروا۔ خدا کی قسم ہمارے پاس اللہ کی جانب سے کوئی برائت نامہ نہیں ہے اور نہ ہماری اللہ سے کوئی رشتہ داری ہے اور نہ ہماری اللہ پر کوئی حجت ہے اور ہم نہیں قرب چاہتے اللہ سے مگر اطاعت کے ساتھ۔ بس تم میں سے جو اللہ کا اطاعت گزار ہوگا اس کو ہماری ولایت نفع دے گی اور تم میں سے جو اللہ کا نافرمان ہوگا۔ اس کو ہماری ولایت نفع نہ دے گی۔ تم پر وائے ہو۔ دھوکا نہ کھاؤ۔ تم پر وائے ہو دھوکا نہ کھاؤ۔

۳۰۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے جابر! کیا یہ کافی ہے کہ کوئی شخص تشیع کی طرف منسوب ہو کر ہم اہلبیتؑ کی محبت کا دعویٰ کرتا رہے۔ خدا کی قسم ہمارا شیعہ نہیں جو اللہ سے نہ ڈرتا ہو اور اس کی اطاعت نہ کرتا ہو۔ اور شیعہ نہیں پہچانے جاتے۔ اے جابر! مگر ان باتوں سے۔ تواضع، فروتنی، امانت، ذکرِ خدا، روزہ، نماز، والدین کے ساتھ نیکی، فقیر، مسکین، مقروض اور یتیم ہمسایوں کی خبر گیری، سچائی، تلاوتِ قرآن، زبان پر کنٹرول .... الخبر

جابر نے عرض کی۔ اے فرزندِ رسولؐ! پھر آج کل ان صفتوں والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ آپؑ نے فرمایا۔ اے جابر! تمہارا کس طرف خیال ہے؟ کیا یہ کافی ہے کہ ایک آدمی کہے۔ میں علیؑ سے محبت رکھتا ہوں اور اس کی ولاء کا قائل ہوں پھر عمل کوئی نہ کرے اگر اس کی بجائے یہ کہتا پھرے کہ جناب رسولِ خدا سے محبت رکھتا ہوں۔ وہ تو علیؑ سے بھی افضل تھے۔ پھر نہ ان کی سیرت پر چلے اور نہ ان کی سنت پر عمل کرے تو ان کی محبت ان کو کچھ نفع دیگی؟ خدا سے ڈرو اور اللہ کے لئے عمل کرو۔ خدا کی قسم! خدا کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا، مگر اطاعت کے ساتھ اور ہمارے پاس آتش جہنم کا کوئی برائت نامہ نہیں ہے اور نہ کسی کی اللہ پر کوئی حجت ہے۔ بس جو اللہ کا فرمان بردار ہوگا تو وہ ہمارا دوست ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہوگا وہ ہمارا دشمن ہے اور ہماری ولایت حاصل نہیں ہو سکتی مگر نیک اعمال کے ساتھ۔

۳۱۔ باب الصمت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ان شیعتنا الخرس۔ ہمارے شیعہ گونگے ہوا کرتے ہیں۔ (بد زبان نہیں ہوتے)

۳۲۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت ابوذر کا مقولہ تھا۔ اے طالب علم! زبان نیکی اور بدی کی کنجی ہے۔ لہٰذا سونے و چاندی کی طرح اس پر مہر لگاؤ۔

۳۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جب تک مومن خاموش ہو تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جب بولے گا تو پھر نیکی یا بدی لکھی جائے گی۔

۳۴۔ باب زیارۃ الاخوان میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے خثیمہ! میرے تمام شیعوں کو میرا

سلام پہنچا دینا اور ان کو یہ وصیت کرنا کہ اللہ سے ڈرو، دولت مند پر ضروری ہے کہ فقیر کی امداد کرے، طاقتور کمزور کی مدد کرے۔ زندہ لوگ مردوں کے جنازے پر حاضر ہوں اور ایک دوسرے کے گھروں میں جاکر زیارت کریں کیونکہ ایک دوسرے کو ملنا ہمارے دین کی زندگی کا باعث ہے اور خدا اس شخص پر رحم کرے، جو ہمارے طریقہ کو زندہ کرے۔ اے خثیمہ! ہمارے موالیوں کو کہہ دینا۔ ہم تمہارے اللہ سے کوئی ذمہ دار نہیں ہوں گے مگر نیک اعمال کے ساتھ اور ہماری ولایت کو نہیں پاؤ گے مگر پرہیز گاری کے ساتھ اور بروزِ محشر زیادہ حسرت ان لوگوں کو ہوگی جو عدل کی تعریف کو جانتے ہوں اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہوں۔

۳۵۔ باب المعاشرہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں زید شحام سے فرمایا کہ جو بھی میری اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور میری بات مانتے ہیں ان کو سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں تمہیں تقویٰ پرہیز گاری، کوشش صدق، امانت، طول سجدہ، حقوقِ ہمسایہ کی پاسداری کی وصیت کرتا ہوں کہ رسولؐ خدا کا یہ دین ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ امانت ادا کرو۔ خواہ نیک کی ہو یا فاجر کی ہو اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ سوئی یا تاگا کی امانت ہو تو وہ بھی واپس کرو۔ نیز صلہ رحمی، تشییع جنازہ، بیمار پرسی اور حقوق الناس کی ادائیگی کیا کرو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر دین میں پرہیز گار، بات میں سچا، امانت کا ادا کرنے والا اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کرنے والا ہوگا اور ایسے شخص کے متعلق جب کہا جائے گا۔ هٰذَا جَعْفَرِیٌّ۔ یہ جعفری ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میں مسرور ہوتا ہوں کہ لوگ کہیں یہ جعفرؑ کی تعلیم و تربیت کا اثر ہے اور جب یہ صفتیں نہ ہوں تو اس کی مصیبت میرے اوپر آجاتی ہے اور میں شرمسار ہوتا ہوں۔ جب لوگ کہیں کہ یہ جعفرؑ کی تعلیم کا اثر ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے والد بزرگوار نے بیان فرمایا کہ پورے قبیلے میں اگر ایک ہی علیؑ کا شیعہ ہو تو وہ اس قبیلے کی زینت ہو۔ امانت کے ادا کرنے والا، حقوق کو پورا کرنے والا، بات کا سچا اور ان کی وصیتوں اور امانتوں کا معتمد ہو کہ اگر اس قبیلے سے اس کے متعلق پوچھا جائے تو وہ (یک زبان) بول اٹھیں کہ باتوں کی سچائی اور ادائے امانت میں وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۳۶۔ ابوالربیع شامی سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ہم میں سے نہیں جو غصہ کے وقت طبیعت پر قابو نہ پاسکے۔ الخبر

۳۷۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنوں کی عزت و توقیر کرو۔ ایک دوسرے سے مت لڑو۔ ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور بخل سے بچو اور اللہ کے مخلص بندے بن جاؤ۔

۳۸۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص والدین کی طرف ناراضگی کی نگاہ اٹھائے خواہ انہوں نے اس پر ظلم بھی کیا ہو تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

۳۹۔ آپ نے فرمایا۔ دینی بھائی کی لغزشیں اور عیوب ڈھونڈنا تاکہ اس کو ان کا طعنہ دیا جائے۔ یہ انسان کو کفر

کے قریب کر دیتا ہے۔

۴۰۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص کسی مومن کی دوسروں کے سامنے ایسی بات کرے جس سے اس کا وقار ختم ہو جائے اور اس کی نیت بھی یہی ہو تو وہ خدا کی ولایت (محبت) سے خارج ہوگا اور شیطان کی ولایت میں داخل ہوگا۔

۴۱۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن اپنے برادر ایمانی کی طرف اپنی کوئی حاجت لے جائے اور وہ اس کی خیرخواہی نہ کرے تو اس نے خدا اور رسولؐ کی خیانت کی۔

۴۲۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی مومن دوسرے مومن کی طرف اپنی حاجت لے جائے اور وہ اس کے لئے اس میں اپنی پوری کوشش نہ کرے تو اس نے خدا و رسولؐ و مومنوں کے ساتھ خیانت کی۔

۴۳۔ فرمایا۔ ہمارے شیعوں میں سے کوئی اگر اپنے شیعہ بھائی کی طرف حاجت لے جائے اور باوجود کر سکنے کے نہ کرے تو خدا اس کو حوائج میں مبتلا کرے گا۔

۴۴۔ آپ نے فرمایا۔ اگر کوئی مومن کسی چیز کی حاجت رکھتا ہو اور دوسرا مومن باوجود پورا کر سکنے یا کرا سکنے کے اس کو اس سے محروم کرے تو بروز قیامت اس کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ آنکھیں ترچھی ہوں گی اور ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے اور اسی حالت میں میدانِ محشر میں پیش ہوگا اور اعلان کیا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس نے خدا اور رسولؐ کی خیانت کی پھر جہنم میں اس کو بھیجا جائے گا۔

۴۵۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ جس شخص کے پاس مومن کوئی حاجت لے کر آئے تو وہ سمجھے خدا کی رحمت آئی ہے جو خدا نے بھیجی ہے۔ اگر وہ اس کو قبول کرلے تو ہماری ولایت سے وہ مل گیا اور ہماری ولایت اللہ کی ولایت سے ملی ہوئی ہے اور اگر اس کو اپنی حاجت سے محروم کرے، حالانکہ پوری کر سکتا ہو تو خدا اس پر اس کی قبر میں ایک اژدہا مسلط کرے گا جو تا روز قیامت اس کو نوچتا رہے گا۔ خواہ آئندہ کے لئے وہ شخص مغفور ہو یا معذب ہو۔

۴۶۔ روی السید المرضی (رضی اللہ عنہ) فی الغرر والدرر عن علی (علیہ السلام) انہ رای قوما علی بابہ فقال یا قنبر! من ھؤلاء؟ فقال قنبر ھؤلاء شیعتک۔ فقال مالی لا اری فیھم من سیماء الشیعة قال وما سیماء الشیعة۔ قال خمص البطون من الطوی ذبل الشفاہ من الظماء عمش العیون من البکاء۔

(مرآة العقول، باب علامات مومن، جلد ۳، صفحہ ۲۰۹)

سید رضی (رضی اللہ عنہ) نے الغرر والدرر میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے دروازہ پر کچھ لوگ دیکھے۔ قنبر سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے شیعہ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تعجب ہے کہ ان میں شیعہ کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی۔ اس نے پوچھا کہ حضور! شیعہ کی نشانیاں کیا ہیں؟

تو آپ نے فرمایا۔

۱۔ بھوک سے پیٹ کا پُشت سے ملا ہوا ہونا یعنی پیٹ بھرنے کے بعد چونکہ انسان کی طبیعت سُست اور بوجھل ہو جاتی ہے۔ پس وہ عبادت سے جی چرانے لگتا ہے۔ پس اتنا کھائے جو تدبیر بدن کے لئے کافی ہو اور خدا کا شکر ادا کرے اور یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ رزقِ حلال پر اکتفا کرتے ہیں اور حرام کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔

۲۔ پیاس سے ہونٹ خشک ہونا اس سے مراد روزہ دار ہونا ہے۔

۳۔ خوفِ خدا میں رو رو کر بینائی کا کمزور ہو جانا۔

اگرچہ اس مطلب سے طول کافی ہو گیا ہے لیکن افادہ کے لئے مومنین کی صفات بیان کی ہیں جو ائمہ کے فرامین میں سے مشتے نمونہ از خروارے اور یک دانہ از انبار بلکہ یک ذرّہ از ریگ زار اور یک قطرۂ از بحرِ ذخار کی حیثیت سے ہے۔ خداوند کریم ہمیں ان صفات سے متصف ہونے کی توفیق مرحمت فرمادے۔

تذکرہ

عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ قوموں کی طرح شیعہ یا مومن بھی ایک قوم ہے۔ جس طرح سیّد، پٹھان، بلوچ وغیرہ قومیں ہیں۔ سیّد کے گھر پیدا ہونے والا سیّد ہی ہے۔ اسی طرح بلوچ، پٹھان کے گھر پیدا ہونے والا بلوچ پٹھان ہی بنتا ہے۔ وَعَلیٰ ھٰذا القیاس۔ یہاں بھی یہ سمجھ لیا گیا کہ شیعہ یا مومن ماں باپ کے گھر میں پیدا ہونے والا ہر بچّہ شیعہ یا مومن ہوا کرتا ہے خواہ اس کے کردار کفر کے آئینہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ صرف علی علی کرنا شیعہ بننے کا معیار ہے اور بس۔ اس غلط فہمی کی اصل بنیاد تو ہے جہالت۔ لیکن جبّہ و عباؤ قبا و عمامہ پہننے والے بعض مدعیانِ علم اس بے ہودہ خیال کو مسلّمہ حقیقت ثابت کرتے سنائی دیتے ہیں اس لئے اس غلطی کے ازالے کو ضروری سمجھ کر احادیث آئمہ کی نقل کی ہیں تاکہ یہ بات خوب ذہن نشین ہو جائے کہ خاندانوں کی طرح شیعہ ایک خاندان کا نام نہیں کہ اس میں پیدا ہونے والا شیعہ ہو گا صرف علیؑ کا نام جپنا شیعہ ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ شیعہ مذہب عقائد اور اعمال و کردار کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس میں یہ پائے جائیں گے وہی شیعہ کہلانے کا حقدار ہو گا اس میں شک نہیں کہ صرف اعمال و کردار کی اصلاح ہی نجات اخروی کے لئے کافی نہیں۔ جس طرح کہ صرف نام سے محبت اور کام سے نفرت ناکافی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ کوشش جاری رکھے اور حتی الامکان حرام سے بچے اور واجبات کو ترک نہ کرے۔ نیکی کو نیکی سمجھے اور برائی کو برائی سمجھے۔ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کی طرف مائل ہو۔ پھر اگر کچھ لغزشیں نامۂ اعمال میں رہ جائیں گی۔ تو محبت علیؑ وہ کمی پوری کر دے گی اور ولاءِ علیؑ کی بدولت انسان جہنم سے نجات پا کر جنّت خلد میں جا پہنچے گا۔

قبر میں ولاءِ علیؑ، پل صراط پر ولاءِ علیؑ، محشر میں ولاءِ علیؑ اور ہر مشکل مقام پر ولاءِ علیؑ حقیقت میں نجات کا باعث ہو سکتی

ہے لیکن یاد رہے کہ انسان کی زبان صرف ولاءِ علیؑ کا دم بھرے اور جسم کے باقی اعضاء یزیدیت کی ترجمانی کریں تو اس کا نام شیعہ ہونا نہیں بلکہ شیعہ علیؑ وہ ہے جس کا سر تا پا بدن کا جوڑ جوڑ، عضو عضو، رگ رگ، پٹھہ پٹھہ، ہڈی ہڈی، بال بال اور اس کے خون کا قطرہ قطرہ علیؑ علیؑ پکارے۔ یعنی اس کا کردار سیرتِ علیؑ کا آئینہ دار ہو۔

نورانی لطیفہ

اصول کافی، باب مولد امیر المؤمنین میں منقول ہے کہ والدہ ماجدہ جناب امیر علیہ السلام حضرت فاطمہ بنت اسد جس نے مکہ سے مدینہ تک پا پیادہ ہجرت فرمائی اور جناب ابوطالبؑ کے بعد تمام لوگوں سے حضرت رسالتمآبؐ کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دی۔ حضورؐ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ بروزِ محشر لوگ برہنہ محشور ہوں گے تو بی بی غمناک ہوئی۔ واسوأتاہ حضور نے وعدہ فرمایا کہ تیرے پاس لباس ہوگا اور میں اللہ سے سفارش کروں گا۔ پھر آپ نے ایک دن فشارِ قبر کا ذکر کیا تو بی بی نے فریاد کی۔ واضعفاہ آپ نے اس کی بھی ضمانت دی۔ اچھا وقت گزرتا رہا۔ ایک دن حضورؐ تشریف فرما تھے کہ حضرت علیؑ روتے ہوئے آئے۔ آپ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میری والدہ ماجدہ کا دنیا سے انتقال ہوگیا ہے۔ حضور بہ نفسِ نفیس فوراً تشریف لے گئے۔ اور عورتوں کو غسل پر مامور کیا اور فرمایا جب غسل سے فارغ ہو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ عورتوں نے غسل کی تمامیت کی اطلاع دی۔ آپ نے اپنی قمیص اتار کر ان کے حوالہ فرمائی کہ یہ اُن کو بطور کفن پہنائی جائے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ آج مجھ سے جو نیا کام صادر ہو اس کی وجہ پوچھ لینا۔ پس جب کفن پہنایا جا چکا تو حضورؐ نے بہ نفسِ نفیس جنازہ کو کندھا دیا اور قبر تک جنازہ کے نیچے رہے۔ قبر کے کنارے اتار کر پہلے خود قبر میں اترے اور باہر آکر خود میت کو اپنے ہاتھوں پہ اٹھا کر قبر میں اُتارا۔ میت کے کانوں سے اپنے منہ مبارک کو قریب کر کے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور آخر میں کہا۔ اِبْنُكِ۔ اِبْنُكِ۔ یعنی تیرا فرزند۔ تیرا فرزند۔ بس باہر تشریف لائے اور قبر کو بند کیا گیا۔ پھر قبر پر بہت دیر تک روتے رہے اور یہ کہا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْتَوْدِعُھَا اِیَّاكَ اور قبر کو وداع کیا۔ واپسی پر مسلمانوں نے پوچھا کہ آج آپ نے وہ کام کئے جو آج سے پہلے کبھی نہ کیے تھے تو آپ نے فرمایا۔ آج ابوطالبؑ کے احسانات سے میں بالکل محروم ہوگیا ہوں۔ یہ مجھے ہر چیز میں اپنے اور اپنے بچوں کے اوپر ترجیح دیا کرتی تھی۔ میں نے ایک روز قیامت کا ذکر کیا تھا تو اس نے اضطراب ظاہر کیا تھا اور میں نے اس کی ضمانت دی تھی کہ تم ملبوس ہو گی اور میں نے فشارِ قبر کا ذکر کیا تو گھبرا گئی تھی تو میں نے ضمانت دی تھی کہ خدا کفایت فرمائے گا۔ انہی دو باتوں کے لئے میں نے کفن کے طور پر قمیص دی اور فشارِ قبر کے لئے قبر میں خود لیٹا اور جب سوال و جواب کا وقت آیا تو میں نے اور قریب جا کر اس کو تلقین کی چنانچہ رب اور رسولؐ کے متعلق اس نے جوابات دیئے جب ولی اور امام کا سوال ہوا تو گھبرا گئی۔ اس لئے میں نے کہا۔ اِبْنُكِ۔ اِبْنُكِ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد پہلی منزل ولائے علیؑ کے بغیر نہایت مشکل ہے اور جب ولائے علیؑ کے بغیر علیؑ کی اپنی اماں کا گذارا نہیں ہو سکتا تو مومنوں کی اماں کا گزارا کیسے ہوگا۔ حالانکہ علیؑ تو مومنوں کے امیر ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ

جس طرح تجھے نکالا تیرے رب نے تیرے گھر سے ساتھ حق کے اور تحقیق ایک گروہ

الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا

مومنوں کا ناپسند کرنے والا تھا جھگڑتے ہیں تجھ سے حق میں بعد اس کے کہ واضح ہو چکی بات گویا کہ

يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

وہ چلائے جاتے ہیں طرف موت کے کہ اسے دیکھ رہے ہیں اور جب وعدہ کرتا تھا تم سے اللہ ایک گروہ کا

كَمَآ اَخْرَجَكَ ۔ اس کاف حرف جار کے متعلق اختلاف ہے (۱) بعض کہتے ہیں قُلِ الْاَنْفَالُ الآیہ کے مدلول پر عطف ہے۔ یعنی نَزَعَهَا مِنْ اَيْدِيْهِمْ بِالْحَقِّ كَمَآ اَخْرَجَكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ یا اس طرح اَلْاَنْفَالُ ثَابِتٌ لِلّٰهِ مِثْلَ مَا اَخْرَجَكَ (۲) يُجَادِلُوْنَ کے ساتھ متعلق ہے یعنی يُجَادِلُوْنَكَ بِالْحَقِّ كَمَا كَرِهُوْا اِخْرَاجَكَ اور ہر صورت میں معنی خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا۔ انفال کو ان کے ہاتھوں سے لے لیا ساتھ حق کے۔ جس طرح تمہیں گھر سے یعنی مدینہ سے جنگ بدر کے لئے نکالا ساتھ حق کے یعنی اس کو بھی وہ ناپسند کرتے تھے اور اس کو بھی لیکن خدا ان کا پابند نہیں ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جو زیادہ مناسب اور اچھا ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ سے جھگڑتے ہیں حق بات میں جس طرح کہ مدینے سے نکلتے وقت جھگڑا کرتے تھے۔

بِالْحَقِّ ۔ یعنی وحی کے ماتحت ہی خروج تھا جس کو وہ ناپسند کرتے تھے۔

يُجَادِلُوْنَكَ ۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ اپنی مرضی سے کام نہیں کرتے بلکہ وحی خدا ہوتی ہے۔ نیز معجزات کو دیکھ کر بھی وہ آپ کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ سختیوں سے گھبرا کر گھر میں بیٹھنے کے بہانے بناتے ہیں اور آگے جانا اس طرح سمجھتے ہیں گویا موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔

جنگ بدر کا قصہ

واقعہ یہ ہوا کہ ابوسفیان چالیس اونٹ کا قافلہ لے کر شام سے واپس پلٹ رہا تھا اور اونٹوں پر قریش کا کافی مال بار تھا۔ حضورؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان سے جا کر وہ مال زبردستی لے لو۔ بعضوں نے تو کھلے دل سے لبیک کہی اور بعض نے بوجھ محسوس کیا۔ پس وہ چار و ناچار نکلے ان کا ارادہ صرف ابوسفیان کے قافلے کا مال لینا ہی تھا۔ ادھر ابوسفیان کو خبر ہو گئی تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا۔ تاکہ قریش کو حقیقتِ حال کی خبر دے۔

ادھر عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم کے پہنچنے سے تین دن پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی شتر سوار آلِ غالب کو پکارتا

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ

کہ وہ تمہارے لئے ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ غیر صاحب مشقت ہو۔ تمہارے لئے اور اللہ

اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ

چاہتا تھا کہ حق کو حق ثابت کرے ساتھ اپنے کلمات کے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی تاکہ ثابت کرے حق

الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ

کو اور مٹا دے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں مجرم جب تم فریاد کرتے تھے

ہے کہ موت کی طرف تیاری کرو۔ پھر وہ کوہ ابوقبیس پر پہنچا اور وہاں سے ایک پتھر کو اٹھا کر توڑا کہ وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور تمام مکے کے گھروں میں اس کا ایک نہ ایک کنکرہ پہنچا اور وادی مکہ خون سے پُر ہوگئی۔ پس وہ گھبرا کر بیدار ہوئی اور عباسؓ کو خبر دی۔ عباسؓ نے عتبہ بن ربیعہ سے تعبیر دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ شاید قریش پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے اور یہ خواب تمام قریشیوں میں عام شائع ہوا۔ ابوجہل نے ازراہِ عناد کہا کہ بنی ہاشم میں یہ ایک دوسری نبیہ پیدا ہوئی ہے۔ لات و عزیٰ کی قسم اگر تین دن تک اس کے خواب کی صداقت نہ معلوم ہوئی تو ہم ایک عہد نامہ لکھیں گے کہ بنی ہاشم کے مردوں اور عورتوں سے عرب بھر میں کوئی زیادہ جھوٹا نہیں ہے۔

جب تیسرا دن ہوا تو ضمضم آن پہنچا اور اس نے بآوازِ بلند صدا دی۔ اے آلِ غالب! اپنے قافلے کی خبر لو! کہ محمدؐ اور یثرب کے لوگ جو تمہارے دین کے دشمن ہیں مل کر ان سے مال و زر لوٹنا چاہتے ہیں۔ پس تمام اکابر قریش تیار ہوئے اور اعلان کر دیا کہ جو نہ جائے گا اس کا گھر گرا دیا جائے گا چنانچہ بنی ہاشم میں سے حضرت عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب بھی ان کے ہمراہ تھے پس قریش پوری تیاری کر کے گانے والی عورتوں کو ہمراہ لے کر شراب پیتے اور دفیں بجاتے ہوئے مکہ سے روانہ ہوئے۔

ادھر جناب رسالتمآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہمراہ کل تین سو تیرہ آدمی تھے۔ جبریل نے آکر قریش مکہ کی روانگی کی اطلاع بھی دے دی تو حضورؐ نے اپنے صحابہ سے دو میں سے ایک کے اختیار کرنے کا مشورہ طلب کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ۔ ترکیب کے لحاظ سے اَنَّهَا لَكُمْ۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ سے بدل ہے یعنی اِنَّ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ لَكُمْ کہ خدا کا وعدہ ہے کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے۔ ایک گروہ ابوسفیان والا جن کے پاس قیمتی مال و متاع تھا اور دوسرا گروہ مکہ سے آنے والوں کا تاریخوں میں پہلے گروہ کو عیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے گروہ کو نفیر یعنی کوچ کرنے والا کہا گیا ہے۔

رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

اپنے رب سے تو قبول کی ۔ اس نے تمہاری دعا کہ میں مدد کروں گا تمہاری ساتھ ایک ہزار

مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ

فرشتوں کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اور انہیں کیا اس کو مگر خوش خبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس پر تمہارے دل

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰

حالانکہ نہیں ہوتی مدد مگر جانب خدا سے تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے

وَتَوَدُّوْنَ ۱۶۷ : مسلمان پہلے گروہ کو چاہتے تھے یعنی عیر کو کہ وہ آسان تھا اور اس میں غنیمت کی کافی توقع تھی ۔ گویا فائدہ ہی فائدہ تھا کیونکہ وہ تھوڑے تھے اگر لڑنے کی ضرورت ہوتی تو بھی وہ آسان تھا اور دوسرا گروہ تکلیف دہ تھا اور وہ صاحب شوکت تھا اس لئے باعث مشقت تھا ۔ اب مسلمانوں کی مرضی عیر کی طرف تھی اور حضورؐ کی خواہش نفیر کی طرف تھی کیونکہ یہ زرا مشکل تھا اور حضور دو کاموں میں سے مشکل کو ہی اختیار فرماتے تھے ۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ : یعنی، خدا وہ چاہتا ہے جس میں تمہاری بہتری ہو اور وہ چاہتا ہے کہ اسلام کا بول بالا اور اہل اسلام کے پاس شوکت و حشمت ہو ۔ پس حق حق ہو اور باطل باطل ہو ۔

چنانچہ آپ نے جب صحابہ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابوبکر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی حضور! قریش متکبر لوگ ہیں ۔ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یہ کسی کے سامنے مطیع ہونا پسند نہیں کرتے ۔ آپ لڑائی کے لئے تیار ہو کر تو نکلے نہیں ہیں ۔ (تاکہ کفار مکہ کا مقابلہ کر سکیں) میں ابوسفیان کے قافلہ والوں کا راستہ خوب جانتا ہوں ۔ یعنی انہی کا تعاقب کیا جائے ۔ آپ نے فرمایا ۔ بیٹھ جاؤ ۔ چنانچہ وہ بیٹھے تو حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی اسی پہلے کی طرح مشورہ پیش کیا کہ عیر کی طرف ہی جایا جائے اور نفیر یعنی قریش مکہ سے لڑنے کا خیال ترک کر دیں کیونکہ ہماری تیاری نہیں ہے ۔

آپ نے فرمایا ۔ بیٹھ جاؤ چنانچہ وہ بھی بیٹھ گئے ۔ پس مقداد بن اسود کھڑا ہوا اور عرض کی ۔ حضور! ہم سچے دل سے ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہمیں پتہ ہے کہ آپ کی ہر بات حق ہے ۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں غضا کے انگاروں میں اور ببول کے خاروں میں پا برہنہ گھسنے کا حکم دیں تو آپ کے ساتھ گھسنے کو تیار ہیں ۔ ہم آپ کو وہ الفاظ ہرگز کہنے کو تیار نہیں جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے ۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۔ تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو ۔ ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں ۔ اِمْضِ لِاَمْرِ رَبِّكَ اِنَّا مَعَكَ مُقَاتِلُوْنَ ۔ آپ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کریں اور ہم آپ کے ہمراہ جان توڑ کر لڑنے کیلئے تیار ہیں ۔ حضورؐ نے مقداد

کی ایمان افروز تقریر سن کر اس کو جزائے خیر کی دعا دی۔ پھر انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم بھی کچھ کہو کیونکہ انصار
نے بیعت عقبہ کے وقت پہلے سے کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے گھر آئیں گے تو آپ کے ذمہ دار ہم ہوں گے اور
اپنے بچے عورتیں دے کر بھی آپ کی حفاظت کریں گے۔ آپ کی منشا یہ تھی کہ مبادا یہ نہ کہہ دیں کہ ہمارا تو مدینہ شہر کے اندر اندر
آپ کی نصرت کا وعدہ تھا۔ اس لئے ان سے مشورہ طلب کیا تو سعد بن معاذ کھڑا ہوا۔ اور اس نے عرض کی۔ آپ پر
میرے ماں باپ فدا ہوں۔ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ جو کچھ
فرماتے ہیں وہ حق ہوتا ہے۔ آپ کا پہلے ارادہ کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے اگر پہلے سے پتہ ہوتا تو مدینہ میں ہم ایسے
لوگ چھوڑ آئے ہیں جو ہم سے زیادہ جنگجو تھے ہم اس سے پہلے کبھی لڑائی کے لئے میدان میں نہیں اترے اور نہ اس
کا طریقہ جانتے ہیں لیکن اب آپ جو حکم دیں ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔ مالی امداد چاہیں تو ہمیں عذر نہیں اور اگر
حکم دیں کہ سمندر کی موجوں میں اترنا ہے تو انکار نہ کریں گے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے وہ کام سرزد ہو جس سے
حضورؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اللہ کی برکت سے چلئے ہم آپ کے ہمرکاب ہیں۔ پس آپ روانہ ہوئے اور فرمایا۔ کہ
خدا نے ان دو گروہوں میں سے ایک کا ہمیں وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارا ہو گا۔ یعنی تم اس پر غالب ہو گے۔ اور خدا
اپنے کئے ہوئے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ،
شیبہ بن ربیعہ اور فلاں فلاں آدمی مارے جائیں گے۔ پس کوچ کا حکم دیا اور بدر کا رخ کیا اور ابوحمزہ ثمالی کی روایت میں ہے
بدر ایک شخص کا نام تھا اور اس کا وہاں ایک کنواں تھا جو اسی کے نام کے ساتھ مشہور تھا۔

اس طرف قریش بھی قریب آن پہنچے۔ انہوں نے اپنے غلام پانی بھرنے کے لئے بھیجے۔ صحابہ نے ان کو پکڑ لیا اور
پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم قریشیوں کے غلام ہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟
تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں کیا پتہ؟ پھر صحابہ نے ان کو مارنا شروع کیا۔ حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے
تو فرمایا چونکہ یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ اس لئے ان کو مارتے ہو اور اگر جھوٹ کہہ دیں تو ان کو چھوڑ دو گے۔ پس وہ ان
کو حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ ان کی تعداد کس قدر ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں صحیح
معلوم نہیں۔ آپ نے پوچھا ہر روز کتنے اونٹ نحر کئے جاتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا نو یا دس تو آپ نے فرمایا
کہ نو سو سے ایک ہزار تک ان کی تعداد ہے۔ پس آپ کے حکم سے ان کو قید کر لیا گیا۔ قریشیوں کو یہ اطلاع پہنچی تو
گھبرا گئے اور بہت خوفزدہ ہوئے۔

بدر سے ابھی ایک شب کا سفر باقی تھا کہ حضورؐ نے دو آدمی بھیجے تاکہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں تو وہ
دونوں بدر کے پانی پر پہنچے۔ پانی خوب شیریں تھا۔ وہاں دو عورتوں کو دیکھا کہ ایک دوسری کے دامن کو پکڑ کر اس
سے ایک درہم کا مطالبہ کرتی تھی۔ جو اس نے دینا تھا تو اس نے جواب دیا کہ کل قریش کا قافلہ فلاں مقام پر

فروکش تھا اور کل تک یہاں پہنچ جائے گا۔ میں ان کی مزدوری کر کے تجھے اپنا قرضہ چکا دوں گی۔ پس ان دونوں نے یہ بات سن کر واپس حضورؐ کو بیان کی۔

ادھر ابوسفیان جب بدر کے قریب پہنچا تو قافلہ کو روک کر اکیلا خود بدر پر آیا اور وہاں کے مقیم ایک قبیلہ جہینیہ کے آدمی کسب نامی سے محمد مصطفیٰ کی خبر پوچھی۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ ابوسفیان نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر تو نے سچ نہ بتایا تو قریشیوں کی تیرے ساتھ ہمیشہ کی دشمنی ہو جائے گی۔ کیونکہ اس قافلہ میں تمام قریش کا تھوڑا بہت حصہ موجود ہے تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمدؐ کی کوئی خبر نہیں البتہ آج یہاں دو شتر سوار میں نے دیکھے ہیں جو کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے ہیں۔ ابوسفیان نے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ سے مینگنیاں اٹھائیں اور ہاتھ میں ملا تو کھجور کی گٹھلی نکلی کہنے لگا کہ یثرب کے گھاس کی نشانی ہے۔ یہ لوگ محمدؐ کے جاسوس ہی ہوں گے۔ واپس آکر قافلہ کو ساحل سمندر کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا اور یہ راستہ چھوڑ کر تیزی سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر جبریلؑ نے خبر دے دی کہ قافلہ تو ہاتھوں سے نکل گیا ہے اور قریش ابھی پہنچنے والے ہیں۔ آپ جہاد کریں اور خدا کا وعدۂ نصرت ہے۔ پس صحابہ کی آزمائش کے لئے ان کو واقع کی خبر دی۔ اس وقت ماء الصفراء پر آپ کا نزول تھا۔

ادھر قریش میں خوف وہراس طاری ہو گیا تھا۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ ابوالبختری کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ہم نے بڑی زبردست غلطی کی۔ ہم صرف اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے آئے تھے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکل گیا ہے اور ہم ازراہ بغاوت وسرکشی یہاں کو دپڑے ہیں اور خدا کی قسم بغاوت کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ قافلہ میں اولاد عبدالمناف کا جس قدر مال ہے۔ سب کا چلا جانا منظور ہے لیکن یہ اقدام نامنظور ہے۔ ابوالبختری نے جواب دیا۔ تو قریش کے سرداروں میں سے ہے۔ قافلہ کے مال کی ضمانت دے دو۔ عتبہ نے کہا۔ ابوجہل سے جاکر اس کا ذکر کرو۔ چنانچہ ابوالبختری ابوجہل کے پاس آیا اور کہا مجھے عتبہ نے بھیجا ہے۔ ابوجہل نے غصہ سے کہا کہ اس کو تیرے علاوہ کوئی آدمی نہیں ملتا تھا۔ ابوالبختری نے جواب دیا اگر کوئی دوسرا آدمی مجھے بھیجتا تو میں نہ آتا لیکن عتبہ قریش کا سردار ہے۔ اس کا کہنا کس طرح ٹھکراتا؟ ابوجہل کو دوبارہ غصہ آیا۔ کہ ہائیں! وہ قریش کا سردار ہے؟ ابوالبختری نے کہا۔ صرف میں تو نہیں کہتا۔ سارے قریشی اسی کو سردار جانتے ہیں اور وہ قافلے کے مال کی ضمانت دیتا ہے۔ ابوجہل نے جواب دیا عتبہ زبان دراز آدمی ہے اور وہ عبدالمناف کی اولاد سے ہے۔ یہ محمدؐ کی خیرخواہی چاہتا ہے کیونکہ اس کا بیٹا اس کے ہمراہ ہے۔ لات و عزیٰ کی قسم! ہم یثرب میں جاکر ان پر حملہ کریں گے اور ان کو قید کر کے مکہ لے جائیں گے تاکہ تمام عرب میں اس بات کا چرچا ہو۔ عتبہ کا بیٹا ابوحذیفہ جناب رسالتمآب کے ہمراہ تھا اور ابوجہل نے کہا میں اس کے خلاف کوئی دوسرا مشورہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

مسلمانوں کو جب یہ اطلاع پہنچی تو نہایت گھبرائے اور روئے۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ[1]۔ یعنی تم خدا

[1] اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ یہ آیت صفحات ۱۷۱، ۱۷۶ پر لکھی گئی اور یہاں اس کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً

جب غالب کرتا تھا تم پر اونگھ کو آرام کے لئے اور اُتارتا تھا تم پر آسمان سے بارش

لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى

تاکہ تم کو پاک کرے ساتھ اس کے اور دُور کرے تم سے شیطانی وسوسہ اور مضبوط کرے تمہارے

قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

دلوں کو اور ثابت کرے قدموں کو جب کہ وحی کی تھی تیرے رب نے فرشتوں کو

سے فریاد کرتے تھے اور طلب نصرت کرتے تھے تو خدا نے تمہاری دُعا کو مستجاب فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتے سے تمہاری مدد کروں گا کہ ان کے پیچھے ایک ہزار دوسرا ہوگا اور مُرْدِفِيْنَ کا یہی مطلب بتایا گیا ہے اور فرمایا: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ اور فرشتوں کی امداد صرف تمہاری خوشنودی کے لئے تھی اور تمہاری تسکین قلب کی خاطر ہی تھی ورنہ کافروں کی تباہی کے لئے تو صرف ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔ جس طرح پوری قوم لوط کو فرشتہ کا ایک پر ہی الٹنے کے لئے کافی ہوا تھا اور سورۃ آل عمران میں جو تین ہزار یا پانچ ہزار کی تعداد کا بیان ہے۔ اس کی اس جگہ سے کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ یہاں بھی مُرْدِفِيْنَ کا معنی ہے۔ ہزار کے پیچھے ہزار خواہ جتنے ہزار بھی ہوں، تو یہ الفاظ ان پر صادق آسکتے ہیں، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ہزار کا لفظ کثرت مطلقہ کے بیان کے لئے ہو جس طرح کہا جاتا ہے۔ میں نے ہزار بار تمہیں یہ کہا۔ یعنی بہت دفعہ کہا۔

رکوع نمبر ۱۶

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ :- اس کی وضاحت چوتھی جلد میں ہو چکی ہے۔ یہ نیند صرف امن و اطمینان حاصل کرنے کے لئے تھی، کیونکہ خوفزدہ آدمی کو تو نیند آ ہی نہیں سکتی اور نیند نہ آنے سے طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا ہے خدا نے نیند کو غالب کر دیا تاکہ پچھلی سفر کی تکان ختم ہو جائے اور لڑنے کے لئے طبیعتوں پر بوجھ نہ رہے اور دشمنوں پر ایک قسم کا رُعب طاری ہو جائے۔

يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ :- چونکہ کفار لوگ پانی پر پہنچ کر قبضہ جما چکے تھے، مسلمان بعد میں پہنچے تو ان کو پانی سے دُور ریگ کے ٹیلوں پر ٹھیرنا پڑا۔ ان کو دو تکلیفیں درپیش ہوگئیں۔ ایک پانی کی کمی اور دوسری ریگ میں اُن کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور لڑائی کے لئے یہ چیز ان کے لئے بزدلی کا باعث تھی۔ پس خداوند کریم نے بارش نازل فرمائی۔

أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا

کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ پس ثابت کرو ان کو جو ایمان لائے ۔ عنقریب ہم ڈالیں گے ان کے دلوں میں جو کافر

الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ

ہیں رعب کو پس مارو گردنوں پر اور مارو ان کے ہاتھوں اور

بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

پاؤں پر کیونکہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرے اللہ اور رسول کی

جہاں ایک طرف پانی کی کمی کی شکایت رفع ہو گئی ۔ دوسری طرف زمین پیر جمانے کے قابل ہو گئی اور کفار کی طرف دلدل ہو جانے سے ان کی کمزوری میں بارش اضافہ کا باعث ہو گئی ۔

لِيُطَهِّرَكُم ۔ بعض صحابہ کو احتلام ہو گیا تو شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے شروع کر دیئے پس بارش نے جہاں ان کو غسل کرنے کا موقع دے کر پاک و صاف کر دیا ۔ وہاں وساوس شیطانیہ سے بھی نجات دلوا دی اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ۔ بارش کا پانی پیا کرو ۔ بدن کو پاک کرتا ہے اور بیماری کو دور کرتا ہے ۔

إِذْ يُوحِي ۔ یعنی فرشتوں کو حکم خدا ہوا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ اب تم مومنوں کو ثابت کرو یعنی ان کو امداد و نصرت کی خوشخبری دو ۔ تاکہ وہ ثابت قدم رہیں ۔ چنانچہ کہتے ہیں فرشتہ صف کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا تھا اور باآواز بلند مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا ۔

فَاضْرِبُوا ۔ یہ خطاب ممکن ہے فرشتوں سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومنوں کو حکم ہو ۔ یعنی تم کو ان پر پورا غلبہ حاصل ہو گا ۔ چاہے سروں پر مارو ان کو یا ان کے ہاتھ پیر کاٹتے جاؤ ۔ بنان انگلیوں کے پوروں کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں ہاتھوں اور پاؤں سے کنایا کیا گیا ہے ۔

آغاز جنگ

صبح سویرے حضورؐ نے صحابہ کو لڑائی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا ۔ کل تعداد تین سو تیرہ تھی ۔ جن میں صرف دو گھوڑے تھے ایک زبیرؓ کے پاس یا بہ اختلاف روایت مرثد بن ابی مرثد کے پاس دوسرا مقداد کے پاس اور لشکر میں کلیہ ستر اونٹ تھے کہ دو دو یا تین تین آدمی باری باری ان پر سوار ہوتے تھے ۔ ان قریشیوں کے پاس چار سو گھوڑے تھے یا باختلاف روایت ایک سو گھوڑے تھے ۔ جب انہوں نے صحابہ رسولؐ کی قلت دیکھی تو ابوجہل کہنے لگا ۔ یہ تو ایک لقمہ ہے اگر ہم اپنے غلاموں کو حکم دیں تو وہ بھی ان کو زندہ گرفتار کر کے لے آئیں گے ۔ عتبہ نے کہا ممکن ہے انہوں نے کچھ فوج کمین گاہ میں بٹھا رکھی ہو ۔ چنانچہ عمرو بن وہب

جمحی جو بڑا بہادر اور شہ سوار تھا۔ اس نے گھوڑا دوڑا کر فوج اسلام کا جائزہ لیا اور قریش کو آکر اطلاع دی۔ کہ ان کا کمین گاہ میں تو کوئی فوج ووج نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یثرب کے اونٹ ہماری طرف موت تلخ کو اٹھا کر لائے ہیں۔ دیکھو تو سہی کس طرح گونگوں کی طرح خاموش ہونٹوں پر اژدہاؤں کی طرح زبان پھیر رہے ہیں اور تلواروں پر تکیہ جمائے ہوئے ہیں اور یہ بھاگنے والے معلوم نہیں ہوتے۔ اب تم خود ہی سوچ لو۔ ابوجہل نے ڈانٹ کر کہا جھوٹ کہتا ہے اور بزدل ہے۔ ادھر صحابۂ رسولؐ کی دلجوئی کی خاطر خداوند کریم نے آیت بھیجی۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ یعنی اگر صلح کی طرف جھکیں تو تم جھک جاؤ۔ پس حضورؐ نے قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا کروں۔ مجھے باقی عربوں کے حصے میں چھوڑ دو اور واپس چلے جاؤ۔ جس پر عتبہ نے کہا کہ جس قوم نے اس تجویز کو ٹھکرایا۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنے سُرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہوا۔ ادھر حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ یہ سُرخ رنگ کے اونٹ کا سوار اپنی قوم سے اچھی بات ہی کہے گا۔ اگر انہوں نے اس کی بات مان لی تو نفع میں رہیں گے۔ پس عتبہ نے بآواز بلند خطبہ دیا۔ اے گروہ قریش آج میری بات ضرور مان لو چاہے اس کے بعد ہمیشہ میری مخالفت کرتے رہو۔ مکہ واپس چلے جاؤ اور عورتوں سے لذت اٹھاؤ۔ محمد تمہارا اپنا ہی ہے میری رائے کو نہ ٹھکراؤ اور محمدؐ سے جو تم قافلے والوں کے نقصان کا مطالبہ کر رہے ہو اس کا بدلہ میں دوں گا۔ ابوجہل کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ کہنے لگا عتبہ بنی عبدالمطلب کی تلواروں سے ڈرتا ہے۔ عتبہ نے جب سنا تو برداشت نہ کر سکا۔ اونٹ سے چھلانگ لگا کر اترا اور ابوجہل کی ڈاڑھی سے پکڑ کر اس کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ لوگوں نے سمجھا کہ اب ابوجہل کی خیر نہیں۔ عتبہ نے للکار کر کہا کہ ابھی قریش کو پتہ چل جائے گا کہ بزدل کون ہے اور فسادی کون ہے؟ اور پھر خوب اس کی ڈاڑھی کو جھنجھوڑا آخر لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا لیا۔

پس عتبہ نے اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو ساتھ لیا اور خود زرہ پہن کر آگے بڑھا۔ اس کا سر بہت بڑا تھا۔ اس لئے کوئی خود اس کے سر پر فٹ نہ آسکا۔ پس دو عمامے سر پہ باندھ لئے اور میدان میں آکر پکارا۔ اے محمدؐ! ہمارے ہمسر ہمارے مقابلے پر بھیجئے۔ پس ادھر سے عوذ، معوذ اور عون تین انصاری جوان نکلے لیکن عتبہ نے ان کو واپس پلٹا دیا اور کہا ہم اپنے ہم سروں یعنی قریشیوں سے ہی لڑیں گے۔ چنانچہ وہ واپس بلا لئے گئے۔ اور ان کی بجائے آپ نے حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب جس کی عمر ستر سال تھی اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا تم جاؤ۔ کفار نورِ خدا کو بجھانے کے درپے ہیں لیکن خدا اس نور کو پورا کر کے رہے گا اور فرمایا۔ اے عبیدہؓ تو عتبہ سے لڑنا اور حمزہؓ سے فرمایا کہ تو شیبہ سے لڑنا اور حضرت علیؑ کو ولید سے لڑنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ یہ تینوں میدان میں آئے۔ عتبہ نے عبیدہ سے دریافت کیا۔ آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب۔ اس نے کہا تو کفو کریم ہے۔ وہ دو کون

صلح

ہیں ؟ تو کہا ۔ ایک حمزہ بن عبدالمطلب اور دوسرا علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہے ۔ تو کہنے لگا وہ بھی دونو کفو کریم ہیں ۔

پس لڑائی شروع ہوئی ۔ عبیدہ نے عتبہ کے سر پر تلوار ماری کہ وہ شگافتہ ہوگیا اور اس نے عبیدہ کی پنڈلی پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گئی اور دونوں خون میں لت پت ہوکر زمین پر گر پڑے ۔ ادھر حمزہ کے اور شیبہ کے درمیان دوطرفہ تلواریں چلنے لگیں حتیٰ کہ کند ہوگئیں اور دونوں ڈھالوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے حملے کو روکتے رہے اور حضرت علیؑ نے ولید کے شانے پر تلوار ماری کہ اس کا دایاں بازو کٹ گیا ۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس نے بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو اٹھا کر میرے سر پر اس زور سے مارا کہ معلوم ہوا ۔ آسمان زمین پر گرا ہے حمزہؓ اور شیبہ ہاتھا پائی پر اتر آئے اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے اور مسلمانوں نے شور مچایا یا علی ! اپنے چچا حمزہؓ کی خبر لو کہ کتا اس پر حملہ آور ہے ۔ چنانچہ علیؑ نے تلوار تول کر فرمایا ۔ چچا جان ! اپنا سر ذرا نیچے کیجئے تو چونکہ حضرت حمزہ کی قد بڑی تھی ۔ آپ نے شیبہ کے سینے کے ساتھ اپنا سر ملا لیا ۔ پس علیؑ نے شیبہ کا سر تلوار سے قلم کر دیا ۔ پھر عتبہ کی طرف پلٹے کہ اس میں رمقِ جان باقی تھی ۔ پس جنبشِ تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا ۔ اور حضرت علیؑ و حمزہؓ عبیدہ کو اٹھا کر خدمتِ نبوی میں لائے ۔ عبیدہ کو دیکھ کر حضورؐ رو دئے ۔ عبیدہ نے عرض کی حضورؐ میں شہید ہوا ہوں یا نہ ؟ آپ نے فرمایا تو پہلا شہید ہے ۔

ابوجہل نے قریشیوں سے کہا کہ تم جلد بازی سے کام نہ لو جس طرح عتبہ و شیبہ نے کیا حوصلہ سے لڑو ۔ اہلِ یثرب کو مارو اور قریش کو زندہ گرفتار کرو ۔ اسی اثناء میں ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں نمودار ہوا ۔ اور قریش سے کہا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں اور علم فوج مجھے دے دو ۔ چنانچہ علم دے کر قریشی آگے بڑھے ۔ ادھر جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی تو خداوند کریم نے فرشتوں کی جماعت نازل کی ۔ کہتے ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کا بادل تھا ۔ جس میں بجلی کی چمک تھی ۔ اس میں ہتھیاروں کے جھنکار کی آواز سنائی دیتی تھی ۔ ابلیس نے جب جبرئیل کو دیکھا تو علم ڈال کر دوڑ گیا ۔ پس علم فوج منبہ بن حجاج نے اٹھا لیا ۔ اور کہا اے سراقہ تیرے اوپر وائے ہو تو بزدلی کا سبق دے رہا ہے تو اس نے اس کے سینہ پر دھکا دیا اور کہا میں تم لوگوں سے بیزار ہوں ۔ کیونکہ مجھے وہ چیز نظر آرہی ہے جس کو تم لوگ نہیں دیکھتے ۔

ابوامامہ بن سہل روایت کرتا ہے بروز بدر ہم تلوار مارتے تھے تو تلوار پہنچنے سے قبل مشرک کا سر بدن سے جدا ہوکر زمین پر جا پہنچتا تھا ۔ جناب رسالتمآبؐ نے سنگریزوں کی مٹھی اٹھائی اور قریش کی طرف پھینک کر فرمایا ۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ۔ خداوند کریم نے ہوا بھیجی کہ وہ کنکر سے ہر کافر کی آنکھ میں لگے کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئیں ۔ پس کفار کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر آدمی گرفتار ہوئے ۔ عمرو بن جموح اور ابوجہل کا مقابلہ ہوا ۔ عمرو نے ابوجہل کی ران

فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ⑬ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ وَاَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ

تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے چکھو اس کو اور تحقیق کافروں کے لئے ہے۔

عَذَابَ النَّارِ ⑭ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

دوزخ کا عذاب (اس کے علاوہ) اے ایمان والو جب ملو کافروں سے نزدیک (بحالتِ لڑائی) تو نہ بھاگو پیچھے

زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا

اور جو بھاگے گا اس دن پیچھے سوائے لڑائی کے موقعہ تلاش کرنے والے کے یا اپنے

مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ

گروہ سے ملنے والے کے تو تحقیق وہ پلٹا غضبِ خدا میں اور اس کا

پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گئی اور ابوجہل نے عمرو کے بازو پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گیا لیکن تھوڑا سا چمڑا بچ گیا۔ جس سے وہ لٹک رہا تھا تو اس نے لٹکتے ہوئے ہاتھ کی انگلیاں زمین پر رکھ کر اور پاؤں دبایا اور جسم کے اوپر انگڑائی لی۔ پس وہ چمڑا ٹوٹ گیا اور بازو جدا ہو کر زمین پر گر گیا۔ مقتولین میں سے تقریباً نصف آدمیوں کو صرف حضرت علیؑ نے قتل کیا اور باقی کو مسلمانوں نے قتل کیا۔

عبداللہ بن مسعود کہتا ہے کہ میں ابوجہل کے پاس پہنچا وہ خون میں لت پت تھا۔ پس میں نے اس کی گردن پر پیر رکھ کر کہا کہ میں تجھے قتل کرتا ہوں تو اس نے دیکھ کر کہا۔ اے بکریوں کے چرواہے تم نے بڑی بلند جگہ پر قدم رکھا ہے تیرا قتل کرنا میرے اوپر دشوار تر ہے۔ کاش اولاد مطلب میں سے میرا کوئی قاتل ہوتا۔ پس میں نے اس کے سر سے خود کو اتار پھینکا اور سر کو کاٹ کر خدمتِ نبوی میں لایا۔ آپ نے اس بشارت کو سنتے ہی سجدۂ شکر ادا کیا اور بعض روایات میں ہے۔ ابوجہل نے کہا۔ میں قوم کا سردار ہوں۔ اس لئے میرا سر بلند کاٹنا تاکہ میرا سر دوسرے سروں سے بلند رہے۔ عباس بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب من جملہ اسیروں کے گرفتار ہو کر پیش ہوئے۔ حضور نے عباس سے فرمایا کہ اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ دو۔ اس نے عرض کی حضور میں تو پہلے سے مسلمان تھا۔ لیکن کفار کے خوف میں مجبور تھا۔

آپ نے فرمایا۔ خدا ہی خود بہتر جانتا ہے۔ اگر سچ کہتا ہے تو خدا تجھے اس کا اجر دے گا اب ظاہر کے لحاظ سے تو اسلام کا دشمن بن کر آیا ہے اس لئے فدیہ دینا پڑے گا۔ عباس کے مال میں چالیس اوقیہ سونا تھا۔ جو مال غنیمت میں مسلمانوں نے لے لیا تھا۔ کہنے لگا وہی میرا مال فدیہ میں شمار کر لیجیے۔ آپ نے

اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری بازگشت ہے تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے

قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ

ان کو قتل کیا ہے اور تو نے نہیں سنگریزے مارے جب مارے تھے بلکہ اللہ نے مارے تھے تاکہ احسان کرے

بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

مومنوں پر اس کی وجہ سے احسان بڑا بتحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے یہ اور بتحقیق اللہ کمزور کرنے والا ہے کافروں کی

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ

تجویز کو اگر تم نے فتح طلب کی تو آچکی تمہارے پاس فتح ۔ اور اگر باز آجاؤ تو اچھا ہے

فرمایا۔ وہ تو غنیمت ہے جو خدا نے ہمیں مرحمت فرمائی ہے۔ فدیہ اس کے علاوہ دینا پڑے گا۔ وہ عرض کرنے لگا حضور! میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس نے عرض کی۔ حضور! اگر حکم دیں تو گداگری کر کے اپنا فدیہ پورا کروں۔ پس ان کو معاف کر دیا گیا۔ قریش میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی اسیر تھے حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان کا سر قلم کر لو۔ چنانچہ ان کو بدر سے واپسی پر راستہ میں قتل کر دیا گیا۔ باقی اسیروں کے متعلق انصار نے سفارش کی کہ ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ فدیہ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا جتنے لوگوں کا فدیہ لو گے۔ اتنے آدمی تمہارے اگلے سال قتل ہوں گے۔ اب خود چن لو کہ اپنا قتل ہونا منظور ہے یا ان کا قتل کرنا منظور ہے تو انہوں نے کہا۔ حضور ان کو قتل نہ کرو۔ فدیہ لے لو اور ہمیں اپنا قتل منظور ہے۔ چنانچہ فدیہ لیا گیا اور انصار کو جنگِ احد میں بدلہ دینا پڑ گیا۔ چنانچہ دسویں پارہ کے پانچویں رکوع میں اس کا ذکر ہوگا۔ صٓ ۲۵۳ ملاحظہ ہو۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ: مسلمانوں سے قتل کی نفی کر کے اپنی طرف نسبت اس لئے دی کہ درحقیقت فتح کے اسباب بنانے والا تو وہی ہے اور اسی کی مہربانی سے مسلمان باوجود کم تعداد ہونے کے مشرکین کی کافی تعداد پر غالب آگئے تھے۔

وَمَا رَمَيْتَ: حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ایک مٹھی مٹی اٹھا کر دو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ایک مٹھی اٹھا کر دی جس میں مٹی اور سنگریزے ملے جلے تھے پس شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر کفار کی طرف پھینکی تو کوئی مشرک نہ بچا جس کی آنکھ ناک یا منہ میں وہ نہ پڑی ہو۔

لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ

تمہیں اور اگر عود کرو گے اور ہم بھی عود کریں گے اور ہرگز نہ کافی ہوگی تم کو تمہاری جماعت کچھ بھی اگرچہ کتنی زیادہ

وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ

ہو اور تحقیق ساتھ مومنوں کے اللہ ہے اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور

رَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

اس کے رسول کی اور نہ منہ پھیرو اس سے حالانکہ تم سنتے ہو اور نہ ہو جاؤ مثل ان کے جنہوں

قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ

نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ انہوں نے نہیں سنا تحقیق برے حیوان اللہ کے نزدیک وہ بہرے اور

لِيُبْلِيَ ص۱۸۵: بلا سے ہے اس کا معنی مصیبت بھی ہوتا ہے اور احسان بھی اور یہاں اس کا معنے احسان ہے۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا ص۱۸۵: کہتے ہیں یہ اہل مکہ کو خطاب ہے کیونکہ ابوجہل نے دعا مانگی تھی۔ اے اللہ ہمارا دین پرانا اور محمدؐ کا دین نیا ہے۔ پس جو دین ان دونوں میں سے اچھا ہے تو اس کو فتح دے۔ پس ارشاد فرما رہا ہے کہ تم نے اچھے دین کی نصرت مانگی تھی تو خدا نے فتح بھیج دی۔ اب اگر باز آجاؤ تو ٹھیک ورنہ اگر پھر تم شرارت کرو گے تو ہم پھر تمہیں ذلیل کریں گے اور یہاں تمہاری جمعیت کام نہ آئے گی۔

رکوع نمبر ۱۷

وَلَا تَكُونُوا: سماع سے مراد صرف سننا نہیں بلکہ مراد قبول کرنا ہے یعنی وہ ظاہر تو اس بات کو کرتے ہیں کہ ہم نے سنا یعنی قبول کیا اور درحقیقت ان کا سماع ظاہری ہوتا ہے اور قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کا عمل اس کے موافق نہیں ہوتا تو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اے ایمان والو! تم ایسا نہ کرنا بلکہ تم رسول کی جو بات سنو اس کو واجب العمل سمجھو اور اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔

الدَّوَابِّ: دابہ کی جمع ہے اس کا معنی ہوتا ہے زمین پر چلنے والا جانور اور اس جگہ کفار قریش کو سرزنش کی گئی ہے کہ یہ وہ بدترین جانور ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں یعنی حق کی بات سنتے نہیں اور حق کا کلمہ بولتے

اَلْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ

گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور اگر جانتا اللہ اُن میں کوئی بھلائی تو اُن کو سُناتا۔

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اگر ان کو سُنواتا تاہم وہ پھر جاتے اور اعراض کر لیتے اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

قبول کرو اللہ اور اس کے رسول (کی دعوت کو) جب وہ تمہیں بلائیں ایسی چیز کے لئے جو تمہیں زندہ کردے

نہیں ہیں۔ تفسیر "مجمع البیان" میں حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت کا مصداق نضر بن حارث بن کلدہ ہے اور بارہا اس امر کو دہرایا جا چکا ہے کہ آیت مجیدہ کا ظاہری مصداق اگرچہ کوئی خاص بھی ہو تاہم آیت کا مفہوم اس تک محدود نہیں ہوا کرتا بلکہ آیات قیامت تک زندہ ہیں اور ان کے مصداق قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے لہٰذا جو لوگ بھی کفار قریش کی صفات رکھتے ہوں گے تاقیامت انہی آیات کے مصداق ہوں گے۔ فرق یہ ہوگا کہ وہ تنزیلی مصداق تھے اور بعد والے تاویلی مصداق ہوں گے گویا وہ مصداق ظاہری تھے اور بعد والے مصداق باطنی ہوں گے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ: کہتے ہیں کفار نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ اگر قصی بن کلاب کو آپ زندہ کر دیں اور وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی گواہی دے اور ہم سُنیں تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ خداوند کریم ان کی تردید میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر ان کی نیت بخیر ہوتی تو میں ان کو اس کی تصدیق سنوا دیتا لیکن یہ لوگ تو ضدی ہیں۔ ویسے کے ویسے ہی رہیں گے۔

لِمَا يُحْيِيْكُمْ: یعنی وہ چیز جو تمہاری زندگی کا باعث ہو اگر خدا و رسول تم کو اس کی دعوت دیں تو فوراً قبول کرو۔ وہ خواہ جہاد ہو، خواہ قرآن مجید ہو اور خواہ دعوتِ ایمان ہو۔ باختلاف اقوال مفسرین کیونکہ ان سب میں زندگی روحانی ہے اور وہی حقیقی زندگی ہے۔

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ صـ۱۸۸: تہدید ہے کہ رسول کی بات کو تسلیم کرنے میں دیر نہ کیا کرو۔ مبادا موت آ جائے اور بعد میں افسوس کرو۔ چونکہ دل تمام اعضائے بدن میں رئیس ہے اگر وہ رُک جائے تو موت ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ جب تک دل کام کر رہا ہے، وقت کو غنیمت سمجھو۔

وَاتَّقُوْا صـ۱۸۸: یعنی ڈرو، فتنہ سے ورنہ یہ فتنہ انہی لوگوں کو پہنچے گا۔ جو ظالم ہوں گے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ لَا تَقْرَبُوْا فِتْنَةً فَتُصِيْبَنَّكُمْ۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ

اور جانو تحقیق اللہ حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل کے درمیان اور اسی کی طرف ہی تم جمع

تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ

کیے جاؤ گے اور ڈرو فتنہ سے مبادا لپیٹ میں لے لے ان کو جو ظلم کریں تم

خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ

میں سے خاص طور پر اور جانو تحقیق اللہ سخت گرفت والا ہے اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے

علیؑ صراط حق ہے

تفسیر مجمع البیان میں ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ حضور نے عمارؓ سے فرمایا میرے بعد فتنے ہوں گے خون ریزیاں ہوں گی۔ اور تلوار چلے گی۔ پس ایسے حالات میں علیؑ کا دامن تھام لینا۔ اگر تمام لوگ ایک وادی میں جا رہے ہوں اور علیؑ دوسری وادی میں ہو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر اس وادی میں جاؤ جس میں علیؑ ہو۔ اے عمار! علیؑ تجھے ہدایت سے نہ ہٹائے گا اور گمراہی میں نہ ڈالے گا۔ اے عمار! علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

اور حاکم ابو القاسم حسکانی کی کتاب "شواہد التنزیل" میں ہے۔ اسی آیت کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا۔ مَنْ ظَلَمَ عَلِيًّا مَقْعَدِيْ هٰذَا بَعْدَ وَفَاتِيْ فَكَاَنَّمَا جَحَدَ بِنُبُوَّتِيْ وَنُبُوَّةِ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ۔ جس نے میری اس مسند کے متعلق میری وفات کے بعد علی پر ظلم کیا تو گویا اس نے میری نبوت اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کی نبوّت کا انکار کیا۔

تفسیر صافی اور برہان میں آئمہ طاہرینؑ سے بھی اس فتنہ سے مراد حضرت علیؑ کی خلافت کا غصب ہے اور غاصبین کو ہی ظالم کہا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بطریق مخالفین ابن مسعود سے بھی اسی مضمون کی ایک روایت حضرت رسالتمآبؐ سے نقل کی گئی ہے کہ آپ نے ابن مسعود کو فرمایا۔ جس نے میری مسند کے بارے میں علیؑ پر ظلم کیا گویا وہ میری اور تمام انبیاء کی نبوّت کا انکاری ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ ص ۱۸۹۔ تفسیر "مجمع البیان" میں اس کا شانِ نزول یہ مذکور ہے کہ ابو لبابہ انصاری کے بارے میں اتری۔ جب جناب رسالتمآبؐ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا۔ اکیس دن گذر گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ اسی طرح صلح کریں جس طرح بنو نضیر کے ساتھ کی ہے اور ہم یہاں سے کوچ کر کے علاقہ شام میں اذرعات یا اریحا کی طرف اپنے قومی بھائیوں میں جا آباد ہوں گے۔ حضور نے یہ بات نامنظور فرمائی اور ان کو سعد بن

مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ

کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں ڈرتے تھے کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ۔ پس اس نے تم کو ٹھکانا دیا

بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور تائید کی اپنی نصرت سے اور رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے تاکہ تم شکر کرو اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

نہ خیانت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں کی حالانکہ تم جانتے ہو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اور جانو کہ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں اور تحقیق اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

معاذ کے فیصلے کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے کہا ابولبابہ انصاری کو بھیجیے کہ ہم ان سے پوچھیں۔ یہ چونکہ ان کا خیرخواہ تھا اور اس کے بال بچے اور مال و متاع انہی کے ہاں تھا۔ حضور کی اجازت سے جب ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے مشورہ چاہا کہ کیا سعد بن معاذ کا فیصلہ ہم کو منظور کرنا چاہیے۔ تو اس نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے ان کو بتلایا کہ قتل کا ہی فیصلہ ہونا ہے لہذا منظور نہ کرو۔ پس جبرائیلؑ نے جناب رسالتمآبؐ کو اطلاع دے دی ابولبابہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی کہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ خدا اور رسول کی میں نے خیانت کی ہے۔ ادھر آیت بھی نازل ہو گئی تو ابولبابہ نے مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔ یا تو مر جاؤں گا اور یا توبہ قبول ہو گی چنانچہ اس کے اوپر بغیر کھائے پیئے سات دن گزرے تو وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ پس خدا نے اس کی توبہ منظور کی۔ لوگوں نے اس کو اطلاع دی تو کہنے لگا۔ میں خود اپنے آپ کو نہ کھولوں گا۔ جب تک خود جناب رسول خداؐ نہ کھولیں۔ چنانچہ آپ بہ نفس نفیس تشریف لائے اور اس کو کھول دیا۔ پھر اس نے اپنا تمام مال خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ پس ایک تہائی صدقہ کافی ہے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَ

اے ایمان والو اگر تم ڈرو گے اللہ سے تو بنائے گا تمہارے لئے معیار فرق اور

يُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

دور کرے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخشے گا تم کو اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ

اور جب تجویز کرتے تھے تیرے متعلق کافر لوگ کہ قید کرلیں تم کو یا قتل کر ڈالیں تم کو یا نکال دیں تم کو

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿۳۰﴾

اور وہ تجویزیں کرتے ہیں اور اللہ بھی تجویز کرتا ہے اور خدا بہترین تجویز کرنے والا ہے

رکوع نمبر ۱۸

فُرْقَانًا: یعنی اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں خدا ایسی روحانی طاقت اور ایمانی قوت دے گا کہ حق و باطل کے درمیان خود بخود فرق معلوم ہوگا۔ ممکن ہے فرقان کے معنی فتح یا نجات یا تسلی وثواب ہو جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔

واقعۂ ہجرت

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ: تفسیر "مجمع البیان" میں ہے کہ قریش دار الندوۃ میں جمع ہوئے اور حضرت رسالتمآبؐ کے معاملہ میں سوچنے لگے۔ کسی نے کہا جلا وطن کردو۔ کسی نے کہا اس کو ایک مکان میں قید کرلو اور وہاں کھانا لے جاتے رہو۔ ابوجہل نے مشورہ دیا کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی مل کر اس کو قتل کرلیں پس بنو ہاشم کو خون بہا پر راضی ہونا پڑے گا ابلیس جو اہل نجد کے بزرگ کی شکل میں حاضر تھا اس نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور تائید کی ادھر جبرئیل نے اطلاع دے دی اور حضور غار کی طرف ہجرت کرکے چلے گئے اور حضرت علیؑ کو بستر پر سُلا گئے جب کفار پہنچے تو علیؑ کو پایا۔ تعاقب کرکے غار کے قریب گئے تو دیکھا عنکبوت نے جالا تنا ہوا ہے پس مایوس ہو کر واپس گئے اور حضور تین روز ٹھہر کر مدینے کی طرف چلے گئے۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جب حضورؐ نے مکہ میں اعلان رسالت فرمایا تو مدینے سے آکر قبیلہ اوس اور خزرج نے اسلام کو قبول کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تشریق کی راتوں میں سے درمیانی شب ہمارا اور تمہارا مقام عقبہ پر اجتماع

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا

اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری آیات تو کہتے ہیں تحقیق ہم نے سُنی ہیں اگر چاہیں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں اس جیسی

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ

نہیں یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی اور جب کہا انہوں نے اے اللہ اگر یہ ہے

هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ

حق تیری طرف سے تو برسا ہمارے اوپر پتھر آسمان سے

السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

یا دے ہم کو عذاب دردناک اور نہیں اللہ ان کو عذاب دیتا

ہو گا۔ چنانچہ لوگوں نے مناسک حج ادا کئے۔ آپ نے تشریق کے دوسرے روز ان سے فرمایا۔ آج رات کو عقبہ کے اُوپر عبدالمطلب کے گھر میں تم پہنچ جانا لیکن چپکے چپکے آنا کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ اور کوئی سویا ہوا جاگ نہ جائے۔ چنانچہ رات کو وہ ایک ایک ہو کر ستر تک وہاں جمع ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تم سے اللہ کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ اس کے غیر کی عبادت نہ کرنا اور شرک نہ کرنا اور اپنے لئے یہ چاہتا ہوں کہ میری جان مال اور عزت کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح اپنی کرتے ہو۔ انہوں نے پوچھا ہمیں کیا ملے گا تو آپ نے فرمایا۔ آخرت میں جنت اور دنیا میں حکومت۔ انہوں نے کہا ہم راضی ہیں۔ پس بارہ آدمی انہی میں سے اس امر کے گواہ ٹھہرائے گئے۔ نو آدمی قبیلہ خزرج سے اور تین آدمی قبیلہ اوس سے۔ سب نے حضورؐ کی بیعت کر لی اور یہی بیعت عقبہ کہلاتی ہے بالاختصار کسی نے قریش تک ڈائری پہنچا دی۔ چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں اجتماع کیا۔ تو ابلیس ایک بزرگ کی شکل میں آن پہنچا۔ دروازہ پر دربان نے پوچھا تو کون ہے؟ تو جواب دیا۔ میں نجد کے شیوخ میں سے ہوں چنانچہ یہ بھی صلاح و مشورہ میں داخل ہو گیا۔ پہلے پہل ابو جہل نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور دین محمدؐ کی خوب باچھیں کھول کھول کر مذمت کی۔ اور اس کو ختم کرنے کی تجاویز پیش ہوئیں۔ ابو جہل نے سب سے پہلے یہ تجویز بتائی کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور بنی ہاشم کو خون بہا دیا جائے۔ ابلیس شیخ نجدی نے کہا کہ یہ تجویز نامعقول ہے کیونکہ محمدؐ کا قاتل بنی ہاشم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہذا کون ہے؟ جو موت کو منظور کرے۔ کسی نے تجویز پیش کی کہ اس کو کسی مکان میں قید کر لیا جائے اور وہیں اس کا خاتمہ ہو جائے تو ابلیس نے کہا۔ یہ پہلی رائے سے بھی کمزور

ہے کیونکہ بنو ہاشم قید نہ کرنے دیں گے پھر آپس میں لڑائی فساد تک نوبت پہنچے گی۔ ایک نے کہا۔ جلا وطن کر دو۔ ابلیس نے کہا۔ پہلی دونوں تجویزوں سے یہ زیادہ خراب ہے کیونکہ ایک خوبصورت، قادر الکلام فصیح و بلیغ انسان کو جلا وطن کرتے ہو جو قبائل عرب میں تھوڑے عرصہ کے اندر اپنا سکہ جما لے۔ اور تمام عرب قبائل کو جمع کر کے یہیں گھر میں آکر ختم کر دے۔ اب اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ بہتر یہ ہے کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی لے لو۔ تاکہ وہ ایک تیز دھار ہتھیار لے کر ایک ہی مرتبہ اس پر حملہ کریں اور مار ڈالیں تاکہ تمام قبیلے اس کے خون میں شریک ہوں۔ اور بنو ہاشم کو خوں بہا پر مجبور ہونا پڑے۔ انہوں نے یہ تجویز پاس کی۔ پس ہجرت کا حکم ہوا اور حضرت علیؑ کو بستر پر سلا کر کوہ ثور کی طرف راتوں رات روانہ ہو گئے۔ کفار رات کو جمع ہو چکے تھے لیکن ابولہب نے حملہ نہ کرنے دیا کہ رات کا وقت ہے۔ عورتیں اور بچے بے آرام نہ ہوں۔ جب صبح ہوئی تو آپ موجود نہ تھے۔ پس سب نے اس کو ملامت کی۔ قدم کا نشان لے کر غار تک گئے۔ ابوکرز نامی ایک شخص جو نشان قدم کا ماہر تھا۔ اس نے کہا۔ اس مقام سے آگے نہیں گئے یا زمین میں چلے گئے ہیں یا آسمان پر چڑھ گئے ہیں کیونکہ وہاں عنکبوت نے جالا تن دیا تھا۔ پس وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

وَاِذَا تُتْلٰی: یہ نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں اتری کہ کہتا تھا میں بھی اس جیسی کلام کہہ سکتا ہوں۔ جنگ بدر میں اسیر ہوا تھا اور خوبصورت نوجوان تھا۔ حضرت رسالتمآبؐ کے حکم سے حضرت علیؑ نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

وَاِذْ قَالُوْا: نضر بن حارث، یا ابوجہل نے کہا تھا کہ اگر دین اسلام دین حق ہے تو ہم پر اے اللہ پتھر نازل کر یا عذاب دردناک بھیج دے تو یوم بدر ان پر عذاب آگیا اور پھر فتح مکہ کے بعد قریش کا اقتدار سارا ختم ہو گیا۔

تفسیر "برہان" میں ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کئے تو بدوی سیخ پا ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ حارث بن عمرو فہری کہنے لگے اگر محمدؐ کی بات درست ہے۔ تو اے اللہ! مجھ پر پتھر نازل کر یا عذاب بھیج۔ پس آیت نازل ہوئی کہ کافر اس کو کہتے ہیں لیکن میرا قانون ہے۔ جب تک آپ ان میں موجود ہوں یا استغفار کرنے والے موجود ہوں تو میں عذاب نہیں بھیجتا۔ حضورؐ نے حارث کو فرمایا کہ یا توبہ کرو یا چلے جاؤ تو اس نے کہا، توبہ تو نہیں کرتا۔ البتہ چلا جاتا ہوں۔ پس سواری پر سوار ہوا۔ شہر سے باہر پہنچا تو ایک پتھر آسمان سے نازل ہوا اور علیؑ کے دشمن کو اس نے جہنم میں پہنچا دیا۔ پس خداوند کریم نے آیت بھیجی۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۔ الآیۃ

اصول کافی سے بھی منقول ہے کہ اپنے حق میں یہ دعا حارث بن عمرو فہری نے کی تھی اور "مجمع البیان" سے منقول ہے کہ نعمان بن حارث اس کا نام تھا۔

وَاَنۡتَ فِیۡهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمۡ

درحالیکہ تو ان کے درمیان موجود ہے اور نہیں اللہ ان کو عذاب دینے والا جبکہ وہ استغفار کرنے والے ہوں اور کیا

اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَمَا

ہے ان کو کہ نہ عذاب دے ان کو اللہ حالانکہ روکتے ہیں مسجد حرام سے اور نہیں

كَانُوۡۤا اَوۡلِيَآءَهٗ ؕ اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾

وہ اس کے ولی، اس کے ولی تو صرف متقی ہی ہیں لیکن ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ فَذُوۡقُوا

اور نہیں تھی نماز ان کی بیت اللہ کے نزدیک مگر سیٹی بجانا اور تالی بجانا پس چکھو

الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنۡفِقُوۡنَ

عذاب کو بوجہ اس کے کہ تم کفر کرتے تھے تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ خرچ کرتے

"مجمع البیان" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ عذاب خدا سے بچاؤ کے لئے دو امانیں تھیں۔ ایک رسولِ خدا اور دوسرے استغفار۔

اے لوگو! ایک امان چلی گئی ہے۔ اب دوسری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ :۔ یعنی بیت اللہ کے پاس ان کی عبادت سیٹی اور تالی بجانا ہی تھی۔ وہ بیت اللہ کا ننگے ہو کر سیٹیاں تالیاں بجاتے، طواف کرتے تھے اور مروی ہے کہ جب جناب رسالتمآب مسجد الحرام میں نماز پڑھتے تھے تو دو مشرک ایک طرف سیٹی بجاتے تھے اور دو مشرک دوسری طرف تالیاں بجاتے تھے تاکہ آپ نماز سے بھول جائیں اور بدر میں وہ سب کے سب عذاب خدا میں مبتلا ہو گئے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا :۔ اس کے شان نزول کے متعلق تین قول ہیں۔

(۱) ابوسفیان کے متعلق ہے کہ یہ جنگ احد میں دو ہزار آدمی کرایہ پر لایا تھا۔

(۲) سرداران قریش کے متعلق ہے جو جنگِ بدر میں باری باری خرچ کرتے تھے اور وہ بارہ تھے۔ جن میں ایک عباس بھی تھے۔

(۳) جنگ بدر میں قریش کی شکست خوردہ جماعت مکہ میں پہنچی تو جن جن کے رشتہ دار یا اکابر وہاں مارے

أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ

ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کے راستہ سے پس اس کو خرچ کریں گے پھر یہ ہوگا ان پر

حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

حسرت پھر مغلوب ہوں گے اور جو لوگ کافر ہیں جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ

تاکہ نکھیڑے خدا پلید کو پاک سے اور کرے بعض پلید کو پلید پر پس اکٹھا کرے اس کو سب

فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

کو اور بھیجے اس کو جہنم میں یہ لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں

گئے تھے۔ ابوسفیان کے پاس آئے اور جن جن لوگوں کا مال شام سے ابوسفیان لایا تھا ان کو بھی جمع کیا گیا تو بدر کے مقتولین کے وارثوں نے کہا کہ اسی مال کی حفاظت کی خاطر جنگ بدر ہوا ہے اور ہمارے اکابر مارے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ مال ہمیں دے دیا جائے تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اپنے بدر کے مقتولیں کا انتقام لیں۔ چنانچہ وہ سارا مال اس مطلب کے لئے دے دیا گیا اور خدا ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے اور پیش گوئی ہے کہ یہ خرچ اُن کے لئے باعثِ حسرت ہی بنے گا اور قیامت تک... جو لوگ دینِ حق کے خلاف روپیہ پیسہ خرچ کرتے رہیں گے یہ آیت سب کو تنبیہہ کر رہی ہے۔ اور غلط کاموں پر خرچ ہونے والا روپیہ مثلاً زنا کے لئے، شراب کے لئے سینماؤں، کلبوں، ناچ گانوں اور اس قسم کی بے ہودہ مجلسوں پر جس قدر روپیہ اڑایا جاتا ہے وہ سب دینِ حق پر بغاوت کے لئے ہے۔ اسی طرح نکاح و شادیوں کے مواقع پر جو غلط رسوم اور خلافِ شرع رواجات کے لئے رقم خرچ کی جاتی ہے۔ سب اسی عنوان میں داخل ہے اور خداوند کریم انہی کی بازگشت جہنم کو قرار دے رہا ہے خداوند کریم مومنوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

مدارس دینیہ اگر انسان چاہے کہ میں اپنا مال راہ حق میں خرچ کروں تو دورِ حاضر میں سب سے اہم اور ضروری مصرف ہے۔ علوم آل محمد کی ترویج کے لئے قائم کردہ مدارس دینیہ کی امداد۔

کیوں کہ ہر زمانہ میں اگر جاہلی رسوم نے کسی وقت سر اٹھایا تو انہی مدارس کے وجود کی برکت سے ان کا قلع قمع ہوا پس صدقاتِ واجبہ از قبیل خمس و زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ، ہدیہ اور نذر نیاز کی جمیع رقوم مدارس دینیہ پر

قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّنۡتَهُوۡا يُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ‌ۚ وَاِنۡ

کہہ دیجئے ان کو جو کافر ہیں اگر باز آجائیں تو بخشے جائیں گے ان کے (گناہ) جو ہو چکے ہیں اور اگر

يَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا

پھر کریں گے تو طریقہ پہلے لوگوں کا گزر چکا ہے اور ان سے لڑو یہاں تک کہ

تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ‌ۚ فَاِنِ انۡتَهَوۡا

نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین تمام اللہ کے لئے پس اگر باز آجائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ‏ ﴿۳۹﴾ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ

تو تحقیق اللہ ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے ہیں آگاہ ہے اور اگر پلٹ جائیں تو جان لو تحقیق

اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ‌ؕ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ﴿۴۰﴾

اللہ تمہارا مولیٰ ہے وہ بہتر مولیٰ اور بہتر مددگار ہے

خرچ کی جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ علوم آل محمدؐ کی ترویج ہو سکے۔ نیز مدارس دینیہ ہی کی بدولت آپ کو اپنے مذہبی معلومات فراہم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر تفسیر انوار النجف بھی ایک مدرسہ دینیہ کی قابل قدر پیش کش ہے جو صرف قوم کی اعانت سے ہی چل رہا ہے اور جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے نام سے موسوم ہے پس ایسے مدارس کی امداد آپ کی رقوم کا جائز بلکہ ضروری مصرف ہے۔")

رکوع نمبر ۱۹

قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ: کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر کفر سے باز آجائیں تو سابقہ گناہ ان کے معاف ہوں گے اور اگر دوبارہ جنگ و جدال کی طرف آئیں گے تو یہ طریقہ پہلے سے جاری ہے کہ خدا مومنوں کی امداد فرماتا ہے اور کافروں کو ذلیل کرتا ہے۔ پس یہ قید و غلامی اور قتل و غارت کی سزاؤں میں مبتلا رہیں گے۔

وَقَاتِلُوۡهُمۡ: تفسیر "مجمع البیان" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابھی اس آیت مجیدہ کی تاویل کا زمانہ نہیں آیا۔ جب ہمارے قائم کا ظہور ہو گا تو ان کو پانے والے دیکھیں گے کہ آیت کی تاویل کس طرح ہے اور دین محمدؐ کہاں تک پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی مشرک باقی نہ رہے گا۔

حضرت قائم آل محمدؐ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت قائم آل محمدؐ سے متعلق تھوڑا سا بیان ہو جائے تاکہ قارئین کرام کے دلوں میں شمع ایمان فروزاں رہے۔

تفسیر "برہان" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ حضرت قائم آل محمدؐ جب تشریف لائیں گے تو حجر اسود سے تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اور لوگوں پر اپنی حجت تمام کریں گے پھر مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کر کے اپنی حجیت کو دہرائیں گے۔ آپ نے قسمیہ بیان فرمایا کہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ ...... الخ میں لفظ مضطر کے مصداق حضرت قائم علیہ السلام ہی ہیں۔ اس اثناء میں حضرت جبریل میزاب بیت اللہ پر ہوں گے۔ اور پہلے پہل وہ ہی ان کی بیعت کریں گے پھر تین سو تیرہ آدمی آپ کی بیعت کریں گے۔

پس جو شخص چل رہا ہو گا فوراً وہیں جا موجود ہو گا اور جو سویا ہوا ہو گا وہ بھی اپنے مولا کی بارگاہ میں اپنے آپ کو حاضر پائے گا اور اس کا بستر خالی پڑا رہے گا۔ حضور قائم آل محمدؐ لوگوں کو توحید نبوت اور ولایت کی دعوت عام دیں گے اور دشمنان دین سے بیزاری کی طرف بلائیں گے۔ پس تین سو تیرہ افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوں گے تو جبریل دائیں طرف، میکائیل بائیں طرف اور رعب و ہیبت سامنے اور پیچھے۔ نیز پانچ ہزار ملائکہ ارد گرد احاطہ کئے ہوں گے۔

زمین خدا نور ایمان سے منور ہو گی اور خلق خدا چین و اطمینان کا سانس لے گی۔ حتیٰ کہ روئے زمین پر کوئی بستی نہ ہو گی جس میں توحید و رسالت کی شہادت کی آوازیں بلند نہ ہوں اور امن عالم کی یہ شان ہو گی کہ اگر مشرق سے تا مغرب کوئی عورت تنہا سفر کرنا چاہے گی تو اس کو کوئی ڈر محسوس نہ ہو گا۔ سرسبزی اور شادابی کی یہ حالت ہو گی کہ زمین اپنی پوری قوائے نامیہ کو بروئے کار لا کر انگوریاں اگائے گی۔ پس ہر طرف لہلہاتے ہوئے سبزے قسم قسم کے پودے، رنگ برنگے پھول نظر آئیں گے گویا کہ زمین خدا پر ہر موسم میں بہار کا سماں ہو گا پس آسمان سے باران رحمت نازل ہو گی۔ لوگوں میں یکساں طور پر خوش حالی ہو گی اور لوگ اپنے خراج اپنی گردنوں پر اٹھا کر حضرت قائم علیہ السلام کی بارگاہ تک لے جائیں گے۔

قصہ جزیرۂ خضراء

اس قصہ کو علامہ مجلسی اعلی اللہ مقامہ نے کتاب "بحار الانوار" جلد ۲ میں بعنوان باب نادر نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو علیحدہ باب کر کے اس لئے ذکر کیا ہے کہ اصول معتبرہ میں مجھے اس کا ذکر کہیں نہیں ملا اور چونکہ عجیب و غریب معلومات پر مشتمل ہے اس لئے اس کو بیان کرنا ضروری سمجھا۔ فرماتے ہیں۔ مجھے ایک رسالہ ہاتھ لگا جس کا نام تھا "قصۃ الجزیرۃ الخضراء فی البحر الابیض" یعنی بحر ابیض میں واقع ہونے والے جزیرۂ خضراء کا قصہ۔ یہ رسالہ مجھے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خزانہ میں ملا جو جناب عالم و فاضل فضل بن یحیٰی کوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا چنانچہ وہ اس رسالہ میں مختصر خطبہ کے بعد لکھتے ہیں

کہ میں نے دو عالم و فاضل بزرگوں سے بروز ۱۵ ماہ شعبان ۶۹۹ھ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے روضہ مقدسہ کے اندر شیخ علی بن فاضل مازندرانی کی حکایت سُنی تھی جو ایک نہایت فاضل اور متقی انسان تھے اور مجاور نجف تھے۔ وہ دو عالم۔ ایک شمس الدین حلّی اور دوسرے جلال الدین حلّی تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے شیخ علی بن فاضل سے یہ حکایت سرمن رای میں سنی تھی۔ جبکہ زیارت کے لئے وہ اتفاق سے وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہاں اس نے ان دونوں عالموں کے سامنے اپنا بحر ابیض میں جا کر جزیرہ خضراء کی سیر کرنا تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا۔

فضل بن یحییٰ بیان کرتا ہے کہ جزیرۂ خضراء کا قصہ دو بزرگ عالموں سے سننے کے بعد مجھے شوق پیدا ہوا کہ خود علی بن فاضل مازندرانی کی زبان سے ہی سُن لوں تاکہ درمیان میں روایت غیر کا واسطہ نہ رہے۔

چنانچہ اسی ارادے سے میں نے رختِ سفر باندھا اور چل کھڑا ہوا۔ حسن اتفاق سے مجھے معلوم ہوا کہ شیخ مذکور اوائل ماہِ شوال سامرا سے حلّہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اور وہ عازم نجف ہیں۔ پس جس وقت وہ حلّہ میں پہنچے تو میں پہلے سے وہیں مقیم تھا اور انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا۔ پس وہ اپنی سواری پر حلّہ میں داخل ہوئے اور سید فخر الدین حسن بن علی موسوی مازندرانی کے مکان کی طرف روانہ ہوئے جو ان دنوں حلّہ میں قیام پذیر تھے۔ میں اگرچہ اس سے قبل شیخ مذکور کو پہچانتا نہ تھا لیکن میں نے دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ آپ ہی ہوں گے چنانچہ جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو میں ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ دیکھا تو سید فخر الدین اپنے گھر کے دروازہ پر بڑے خوش خوش نظر آئے۔ مجھے آتے دیکھا تو ہنس کر فرمایا کہ شیخ مذکور تشریف لا چکے ہیں۔ بس اب تو میری خوشی کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ چنانچہ سید کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ شیخ کو سلام کہا اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ شیخ نے سید فخر الدین سے میرے متعلق دریافت کیا تو سید نے جواب دیا کہ آپ کے دوست شیخ یحییٰ کے لڑکے ہیں ان کا نام فضل ہے پس شیخ اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ مجھے ملا۔ پھر اپنے قریب بٹھایا اور مجھ سے میرے والد اور میرے بھائی شیخ صلاح الدین کے متعلق حالات پوچھے کیونکہ وہ ان دونوں کو خوب جانتا تھا اور میری واقفیت نہ تھی کیونکہ میں اس زمانہ میں شیخ ابراہیم بن محمد واسطی کے ہاں شہر واسط میں مشغول تعلیم تھا۔

اب شیخ سے باتیں ہونے لگیں تو میں نے شیخ کو علوم عربیہ میں اور فقہ حدیث میں صاحب فضل و کمال پایا جس سے مجھے یقین پیدا ہوا کہ انہوں نے جزیرہ خضراء کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہو گا وہ سچا ہو گا۔ پس میں نے اپنی غرض ظاہر کی کہ شیخ شمس الدین اور جلال الدین سے تو سُن چکا ہوں۔ لیکن شوق کا تقاضا ہے کہ آپ کی زبانی آپ کا چشم دید واقعہ جزیرہ خضراء سن لوں تو شیخ نے سید فخر الدین اور دیگر علمائے حلّہ جو ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے سب کے سامنے قصہ دہرایا اور یہ ۱۱ شوال ۶۹۹ھ کا دن تھا۔

شیخ صاحب رسالہ لکھتے ہیں۔ یہ میرے اپنے کانوں کا سنا واقعہ ہے کہ شیخ علی بن فاضل مازندرانی نے فرمایا
میں زمانہ طالب علمی میں دمشق میں مقیم تھا۔ شیخ عبدالرحیم حنفی کے ہاں علوم عربیہ اور شیخ علی مغربی اندلسی مالکی
کے ہاں علم قرأت پڑھتا تھا۔ شیخ علی مغربی اگرچہ باقی علوم میں بھی کافی دسترس رکھتا تھا۔ لیکن علم قرأت میں وہ
بڑا ماہر تھا۔ ان کی طبیعت نہایت نرم تھی اور خوش بخت تھے۔ مذہبی عناد بھی ان میں بہت کم تھا۔ چنانچہ جب
شیعہ کا ذکر آجاتا تھا تو اتنا کہہ دیتے تھے کہ علمائے شیعہ کا یہ مسلک ہے۔ ورنہ بعض باقی مدرسین تو ذکر شیعہ
آجانے پر علمائے رافضہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ بس میں نے باقی مدرسین کو چھوڑ کر مالکی استاد کے ساتھ
رابطہ قائم کر لیا اور اس سے ہی باقی علوم حاصل کرتا رہا۔ ان کو جب دمشق سے مصر کا سفر درپیش آیا تو باہمی محبت
کی وجہ سے مجھے استاد کی جدائی شاق معلوم ہوئی اور ان کو بھی میرا فراق گوارا نہ تھا۔ آخر کار مجھے انہوں نے
لے کر چلنے کا عزم کر لیا اور دیگر چند مساکین مسافر طلبہ نے بھی مصر جانے کا پروگرام بنایا۔ جب ہم طے منازل کے
بعد قاہرہ میں پہنچے تو استاد نے وہاں قیام کیا اور مسجد ازہر میں مشغول درس و تدریس ہو گئے۔ علماء و فضلاء
مصر ان کا نام سن کر ملاقات کے لئے آتے اور مختلف علوم و فنون کا ان سے استفادہ کرتے رہتے ہم نو مہینے
وہاں نہایت بخیر و خوبی سے رہے کہ اچانک اندلس سے ایک قافلہ پہنچا ان میں سے ایک شخص کے پاس ایک
چٹھی تھی جس میں استاد کے والد نے اپنی بیماری کی اطلاع دی تھی اور ملاقات کے لئے جلد پہنچنے کی فرمائش کی تھی۔
استاد اپنے باپ کا خط پڑھ کر بہت روئے اور اندلس کی طرف عازم ہوئے۔ چنانچہ بعض طلبہ بھی ہمراہ تیار ہوئے۔
جن میں ایک میں بھی تھا جب جزیرۂ اندلس کی پہلی بستی میں پہنچے تو مجھے بخار آگیا۔ استاد غم زدہ ہوا۔ مجھے چھوڑنا
بھی نہ چاہتا تھا لیکن باپ کی نازک حالت کے تحت ٹھہرنا بھی ان کے لئے دشوار تھا۔ آخر اس بستی کے خطیب مسجد
کو میرے اخراجات کے لئے انہوں نے دس درہم دیئے اور مجھے ان کے سپرد کیا۔ اور اس کو میری خدمت کی تاکید
کی اور یہ بھی کہا کہ اگر یہ تندرست ہو جائے تو اس کو میرے پاس پہنچا دینا اور ساحل بحر سے ان کا گھر پانچ دن کی
مسافت پر تھا۔ مجھے تین دن تک تو بخار کی شدت رہی پھر بخار ہلکا ہو گیا اور رفتہ رفتہ چلا گیا۔ میں چلنے پھرنے
کے قابل ہوا تو شہر کے گلی کوچوں کا چکر لگایا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ کئی قافلے بحر عربی کے ساحلی پہاڑوں سے آئے
ہوئے تھے جو اُون، گھی اور دیگر سامان کی خرید کر رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ بربر کے قریب سے
آئے ہیں اور رافضیوں کا علاقہ ان سے ملتا جلتا ہے۔ میں یہ لفظ سنتے ہی ان کی طرف مائل ہو گیا اور دل میں ان کے
علاقہ کے دیکھنے کی امنگ پیدا ہوئی اور مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے وہاں تک کل پچیس ۲۵ دن کی مسافت ہے۔ جن میں دو
دن کا سفر نہایت مشکل ہے کیونکہ نہ کوئی آبادی ہے اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ملنے کا امکان ہے۔ اس کے بعد
آبادیاں متصل ہیں، پھر سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی بہرکیف میں اس قافلہ کے ہمراہ تیار ہوا اور انہی لوگوں میں

سے ایک شخص کو تین درہم دے کر اس سے گدھا کرایہ پر لیا تاکہ وہ غیر آباد مسافت آسانی سے کر سکوں۔
خدا خدا کر کے دشتِ ویران کا سفر ختم ہوا تو میں نے پیدل چلنا شروع کیا اور اپنی مرضی سے تھوڑا تھوڑا سفر کرتے ہوئے ان کے ملک میں جا داخل ہوا۔ وہاں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رافضیوں کا شہر یہاں سے تین روز کی مسافت ہے تو میں نے بلا تاخیر اپنا سفر جاری رکھا اور آخر ایک شہر تک پہنچا جس کے چاروں طرف فصیل محکم تھی اور اس میں بلند قلعے موجود تھے اور ساحلِ سمندر پر واقع تھا۔ میں ایک بڑے دروازے سے داخل ہوا جس کو باب البربر کہتے تھے میں نے گلی کوچوں میں پھرتے پھراتے مسجد کا پتہ کیا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ بڑی عظیم الشان مسجد تھی اور بالکل لب بحر شہر کے مغرب میں واقع تھی۔ میں تکان وکوفت کو دُور کرنے کے لئے ایک جانب بیٹھ گیا۔ اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی اور مؤذن نے حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلْ کی صدا بلند کی اور اس کے بعد ظہورِ امام کی دعا مانگی۔ میرے اوپر گریہ طاری ہُوا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مسجد میں آنے شروع ہو گئے اور مسجد کے مشرقی حصہ میں ایک درخت کے نیچے پانی کا حوض تھا جس سے وہ وضو کرتے تھے۔ میں نے ان کو امامیہ طریقے سے وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہُوا۔ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص جو نہایت نورانی اور باوجاہت چہرے والا تھا۔ وہ آگے کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے باقی نمازی صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ نماز باجماعت شیعہ طریق پر ادا ہوئی۔ نوافل بھی پڑھے گئے۔ میں چونکہ زیادہ تھکا ہوا تھا اس لئے شرکتِ جماعت کی سعادت سے محروم رہا۔ وہ لوگ جماعت سے فارغ ہوئے تو مجھے دیکھ کر دل میں خفا ہوئے۔ آخر مجھ سے پوچھا کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور آخر میں پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ میں نے اپنے حالات بتائے کہ عراقی ہوں اور مسلمان ہوں۔ توحید ورسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہ دو شہادتیں تو صرف دنیا میں تیرے خون کی حفاظت کے لئے ہیں ورنہ آخرت میں جب تک تیسری شہادت نہ دو گے تم کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ میں نے پوچھا۔ وہ کون سی؟ تو انہوں نے شہادتِ ولایتِ آئمہ بیان کی۔ میں یہ سن کر نہایت خوش ہوا۔ حتیٰ کہ تکان سفر بھی ختم ہو گئی اور میں نے ان کو بتایا کہ میں آئمہ کے دین پر ہوں اور یہی میرا مذہب ہے۔ وہ لوگ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور مسجد کے ایک گوشہ میں انہوں نے میرے لئے جگہ تجویز کی۔ پس امام مسجد صبح وشام میرے پاس آیا کرتا تھا اور خبر گیری کیا کرتا تھا۔
میں نے ایک دن اس سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کے اخراجات کہاں سے آتے ہیں۔ حالانکہ اس علاقہ میں قابل کاشت زمین تو کوئی موجود نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بحر ابیض کے جزیرۂ خضراء سے سب کچھ آتا ہے جہاں امام صاحب الامر کی اولاد آباد ہے۔ میں نے پوچھا کہ سال میں کتنی مرتبہ؟ تو جواب دیا کہ دو مرتبہ۔ چنانچہ اس سال ایک مرتبہ آچکا ہے اور دوسری مرتبہ بعد میں آئے گا۔ میں نے پوچھا کہ اس کے آنے سے کتنی مدت باقی ہے؟ جواب دیا کہ چار ماہ۔ مجھے یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی کہ یہ تو بہت لمبی مدت ہے۔ آخر میں نے چالیس دن تو گذارے

دل بہت خفا تھا، تنگدل ہو کر عصر کے وقت باہر نکلا، ساحل سمندر پر پہنچ کر جانب مغرب دیکھنا شروع کیا۔ میں وہاں عزت و آبرو سے وقت گزار رہا تھا وہ لوگ بڑی تواضع کرتے تھے اور میں شب و روز اللہ سے دعا کرتا تھا کہ چار ماہ کی بجائے اس دفعہ جلدی آجائے پھر چالیسویں روز گھبرا کر جب میں لب بحر پہنچا اور مغرب کی طرف دیکھنا شروع کیا تو دور سے دھند لکے میں ایک نشان سا معلوم ہوا۔ میں نے پوچھا کہ یہ نشان کیا ہے؟ کیا کوئی سفید قسم کے پرندے تو اس جانب نہیں رہتے؟ انہوں نے جواب میں پوچھا کہ کیا کوئی چیز تم کو نظر آرہی ہے؟ تو میں نے کہا۔ ہاں! پس وہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ وہی جہاز ہیں جو امام کے جزائر سے ہمارے اخراجات لایا کرتے تھے تھوڑی ہی دیر گزری کہ جہاز پہنچ گئے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس دفعہ وقت سے پہلے پہنچے ہیں۔ ان میں بڑا جہاز پہلے کنارے پر لگا۔ پھر یکے بعد دیگرے حتیٰ کہ کل سات جہاز تھے۔ بڑے جہاز سے ایک تنومند خوبرو جوان باہر آیا اور مسجد میں داخل ہو کر وضو کیا اور نماز ظہرین ادا کی۔ پھر میری طرف دیکھ کر سلام کیا۔ میں نے جواب سلام کہا تو کہنے لگا۔ تیرا نام کیا ہے؟ میرے خیال میں تیرا نام علی ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں! پھر اس نے میرے ساتھ باتیں کیں۔ جس طرح پرانی جان پہچان والے ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا۔ تیرے باپ کا نام کیا ہے؟ اور میرے خیال میں ان کا نام فاضل ہے۔ میں نے کہا اب مجھے شک ہی نہیں رہا کہ یہ شخص میرے ساتھ کہیں شریک سفر رہا ہے اور وہ دمشق کا سفر ہوگا۔ تو اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر میں نے کہا۔ شاید مصر سے اندلس کا سفر ہوگا تو اس نے حضرت صاحب الامر کی قسم کھا کر کہا کہ نہیں۔ تو میں نے کہا کہ میرا اور میرے باپ کا نام تم کو کیسے معلوم ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ تیری وصف تیری اصل، تیرا نام، تیری ذات، تیری شکل اور تیرے باپ کا نام مجھے بتایا جا چکا تھا اور اب میں جزیرۂ خضراء میں تجھے اپنے ہمراہ لے چلوں گا۔ جب میں نے سنا کہ وہاں میرا نام بھی ہے تو نہایت خوش ہوا۔

اس کی عادت تھی کہ وہاں ہمیشہ تین دن ٹھہرتا تھا۔ لیکن اب کی مرتبہ اس نے ہفتہ قیام کیا۔ تمام لوگوں کا راشن تقسیم کیا اور ان سے وصولی کی رسیدیں حاصل کیں اور واپس روانہ ہوا اور مجھے بھی اپنے ساتھ لیا۔ سمندر میں سولہ دن کے سفر کے بعد میں نے سفید رنگ کا پانی دیکھا اور نگاہ تعجب سے اسے دیکھا۔ مجھے شیخ نے کہا جس کا نام محمد تھا کہ کیوں بار بار پانی کو دیکھتا ہے۔ میں نے کہا۔ اس لئے کہ اس پانی کا رنگ عام پانی کے رنگ سے جدا ہے۔ اس نے کہا کہ یہی تو بحر ابیض ہے اور وہ سامنے جزیرۂ خضراء ہے۔ یہ بحر اس جزیرہ کے اردگرد قلعہ کی حیثیت سے ہے اور اللہ کی حکمت ہے کہ ہمارے کسی بھی دشمن کا جہاز جب یہاں پہنچتا ہے تو غرق ہو جاتا ہے خواہ کتنا ہی مضبوط و محکم کیوں نہ ہو اور یہ حضرت صاحب الامر کی برکت ہے۔

پس میں نے اس کو استعمال کیا اور پیا تو دریائے فرات کی طرح میٹھا تھا۔ پس تھوڑے وقت میں ہم وہ پانی

عبور کر کے ساحل جزیرہ پر پہنچے اور جہاز سے اُتر کر ایک شہر میں داخل ہوئے جس کے بلند بلند قلعے، مضبوط فصیلیں تھیں اور اس کے ارد گرد سات کوٹ تھے۔ بالکل وہ شہر ساحل سمندر پر تھا۔ نہریں جاری تھیں۔ جن کے کناروں پر میوہ دار درخت موجود تھے اور قسم قسم کے پھل اور میوہ جات فراواں تھے۔ شہر میں بارونق بازار بکثرت اور حمام متعدد موجود تھے۔ اکثر عمارتیں صاف و شفاف سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں۔ لوگ نہایت خوبرو اور خوش منظر تھے۔ یہ دیکھ کر تو میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

پس وہ ساتھی محمد مجھے اپنے گھر میں تھوڑا آرام کرنے کے بعد مسجد جامع میں لے گیا۔ وہاں لوگوں کا انبوہ تھا۔ میں نے دیکھا ان کے درمیان ایک شخص نہایت باوقار اور وجیہہ تشریف فرما ہے۔ لوگ اس کو سید شمس الدین کے نام سے پکارتے تھے اور اس سے قرآن و فقہ و اصول کا علم حاصل کرتے تھے۔ جس کو وہ تفصیل وار صاحب الامر سے حاصل کیا کرتا تھا۔ جب میں حاضر خدمت ہُوا تو انہوں نے نہایت مہربانی سے میرے ساتھ بات چیت کی۔ احوال سفر پوچھے اور مجھے بتایا کہ تیرے تمام کوائف و حالات مجھے معلوم ہیں اور شیخ محمد میرے کہنے پر تم کو اپنے ہمراہ یہاں لایا ہے۔ پھر مسجد کے ایک گوشہ میں مجھے ایک جگہ دی گئی تاکہ خلوت و راحت کے وقت وہاں آرام کروں۔ چنانچہ میں عصر تک وہاں سویا رہا۔ جب اٹھا تو ایک قاصد نے اطلاع دی کہ آپ کہیں نہ جائیں کیونکہ سید مع مخصوص دوستوں کے رات کے کھانے کے لئے یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر میں تشریف لائے۔ دسترخوان بچھایا گیا اور کھانا کھا کر نماز مغربین کے لئے ہم سب کھڑے ہوئے۔ پھر نماز کے بعد ہر ایک اپنی قیام گاہ کی طرف چلا گیا۔

اسی حالت میں اٹھارہ روز گزرے جب پہلا جمعہ میں نے پڑھا تو دیکھا سید نے دو رکعت نماز جمعہ وجوب کی نیت سے پڑھا۔ میرے سوال پر سید نے جواب دیا کہ چونکہ وجوب جمعہ کی شرائط موجود ہیں۔ پھر بوقت خلوت میں نے دریافت کیا کہ امام حاضر ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں ان کی جانب سے نائب خاص ہوں۔ میں نے عرض کی۔ کیا آپ ان کی زیارت کر چکے ہیں؟ تو فرمایا نہیں۔ بلکہ میرے والد فرماتے تھے۔ میں نے ان کے فرامین کانوں سے سُنے ہیں لیکن زیارت نہیں کی اور میرے دادا نے ان کی احادیث بھی سُنی تھیں اور دیکھا بھی تھا۔ میں نے عرض کی حضور! یہ تخصیص کیوں ہے کہ بعض فیض حاصل کریں اور بعض محروم رہیں؟ تو انہوں نے فرمایا۔ خدا جسے چاہتا ہے اپنا فضل عنایت فرماتا ہے اور یہ اس کی اپنی حکمت ہے۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے اور ہر حجت خدا کے لئے ایک سفیر ہوتا ہے جو ان کی جانب سے لوگوں تک احکام پہنچاتا ہے۔

سید نے میرا ہاتھ پکڑا اور شہر سے باہر سیر و تفریح کیلئے مجھے لے گیا۔ میں نے نہریں، باغات اور قسم قسم کے میوہ جات سے لدے ہوئے درخت دیکھے جو نہایت خوش شکل اور خوش ذائقہ تھے۔ انگور، انار، ناشپاتی وغیرہ

جو میں نے عراق میں نہ دیکھے تھے اور نہ شام میں ان کا وجود تھا وہاں بکثرت موجود تھے۔ ہم ایک باغ سے دوسرے باغ کی طرف سیر کرتے جا رہے تھے کہ ہمارے پاس سے ایک نہایت وجیہہ انسان گزرا جس نے ایک سفید اونی چادر کندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔ ہمارے قریب آکر سلام دیا اور چلا گیا۔ میں نے اس کی ہیئت سے متاثر ہوکر سید سے دریافت کیا کہ کون ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ پہاڑ کی چوٹی نظر آ رہی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں پس فرمایا اس کے وسط میں ایک عالیشان مکان ہے اور وہاں ایک سرسبز و شاداب درخت کے نیچے ایک آب جاری کا چشمہ ہے اور اینٹوں سے بنا ہوا ایک گنبد ہے یہ شخص اور ایک دوسرا ساتھی اس گنبد کے دربان ہیں اور میں جمعہ کی صبح کو وہاں جاتا ہوں، زیارت امام پڑھتا ہوں اور دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں۔ پس مجھے وہاں ایک رقعہ ملتا ہے جس میں میرے ضروری مسائل کا حل ہوتا ہے اور مجھے ان پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے تم بھی وہاں جاؤ اور قبہ امام کی زیارت کرو۔

میں وہاں گیا سب کچھ ویسا پایا جیسا کہ سید نے بیان کیا تھا۔ دو خادم دیکھے جس نے مجھے سید کے ہمراہ دیکھا تھا۔ وہ میرے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آیا اور دوسرے نے ناپسندیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تو پہلے خادم نے کہا ایسا مت کرو کیونکہ میں نے اس کو سید شمس الدین کے ہمراہ دیکھا تھا۔ چنانچہ پھر وہ بھی میرے ساتھ اچھا پیش آیا۔ دونوں کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں۔ وہ کھانا لائے انگور پیش کئے۔ میں نے جی بھر کے کھایا اور اس چشمۂ شیریں سے پانی بھی پیا اور وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کی۔ ان دونوں خادموں سے زیارت امام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ناممکن ہے اور ہمیں اجازت نہیں کہ اس بارے میں کسی کو کچھ بتائیں۔ پس میں نے ان سے التماس دعا کی اور انہوں نے میرے حق میں دعا کی پھر میں رخصت ہوکر واپس آیا اور سید کے مکان پر پہنچا تو جواب ملا کہ وہ باہر کسی کام کے لئے تشریف لے گئے ہیں چنانچہ میں شیخ محمد کے گھر چلا گیا جس کے ہمراہ آیا تھا اور اس کو سب ماجرا سنا دیا۔ اس نے کہا کہ وہاں جانے کے لئے سوائے سید شمس الدین کے یا ان جیسے لوگوں کے اور کسی کو اجازت نہیں ہے۔ اسی لئے تو دوسرا خادم تمہارے جانے کو ناپسند کر رہا تھا۔ پھر میں نے اس سے سید شمس الدین کے حالات پوچھے تو اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت صاحب الامر کی پانچویں پشت میں ان کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی جانب سے نائب خاص ہیں۔

علی بن فاضل مازندرانی کہتا ہے کہ میں نے سید سے قرأت قرآن، علوم دینیہ کے مشکل مقامات اور دیگر مسائل ضروریہ کے دریافت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا سب سے پہلے قرأت قرآن ضروری ہے چنانچہ جب میں ایسی جگہ پر پہنچا جہاں قاریوں میں اختلاف تھا اور اختلاف قرأت بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ ہجرت سے سات قرأتیں تھیں لیکن جب حضور آخری حج پر تشریف لے گئے تو حضرت علی، حسنین ابی بن کعب عبداللہ بن مسعود

حذیفہ یمانی ، جابر بن عبداللہ انصاری ، ابوسعید خدری ، حسان بن ثابت اور دیگر مخصوص صحابہ کی موجودگی میں حضورؐ نے پورا قرآن سنایا اور اختلافِ قرأت کے مقام پر جبریلؑ نے صرف ایک قرأت کی نشاندہی کر دی جس کو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے تحریر کر لیا۔ پس اس کے بعد ایک ہی قرأت ہے۔ جو حضرت امیر علیہ السلام کی ہے پھر میں نے ترتیب آیات کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد دو شخصوں نے جب غصبِ خلافت کیا تو حضرت امیر علیہ السلام قرآن کو اٹھا کر ان کے پاس لے گئے جب کہ وہ مسجد میں جمع تھے اور فرمایا کہ بفرمانِ پیغمبرؐ میں اللہ کی کتاب کو تمہارے پاس لایا ہوں تاکہ حجت قائم ہو جائے تو امت کے فرعون و نمرود نے جواب دیا کہ ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے حبیب خدا نے بھی تمہارے متعلق یہ خبر سنائی تھی لیکن میں نے اتمامِ حجت کرنی تھی۔ پس واپس تشریف لائے اور اللہ کو اس امر پر گواہ بنایا۔

ابن ابی قحافہ نے لوگوں میں منادی کرائی کہ جس کے پاس کوئی سورہ یا آیت ہو وہ لے آئے چنانچہ ابوعبیدہ، عثمان، سعد بن ابی وقاص، معاویہ، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، ابوسعید خدری، حسان بن ثابت اور دیگر مسلمانوں نے جمع قرآن کی ایک کمیٹی بنائی اور یہ قرآن جمع کیا اور آیاتِ قرآن کے غیر مرتبط ہونے کی یہی وجہ ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے جو قرآن جمع فرمایا تھا وہ حضرت صاحب الامر کے پاس محفوظ ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے حتیٰ کہ خراش کے تاوان کا بھی اس میں ذکر ہے اور یہ موجودہ قرآن اس کی صحت اور کلام خدا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور حضرت صاحب الامر علیہ السلام سے یہی فیصلہ صادر ہوا ہے۔

شیخ کہتا ہے۔ میں نے سید شمس الدین سے کافی مسائل دریافت کئے جو نوّے سے زیادہ ہیں اور وہ میں نے ایک رسالہ میں جمع کئے ہیں جس کا نام میں نے "فوائدِ شمسیہ" رکھا ہے۔ صرف مخلص مومنین کو ان سے مطلع کیا کرتا ہوں۔

جب دوسرا جمعہ آیا تو نماز کے بعد سید نے مومنین کے سامنے مسائل بیان کئے۔ اچانک میں نے مسجد کے باہر شور و غل سنا تو دریافت پر معلوم ہوا کہ ہماری فوج کے افسر ہر ماہ کے درمیانی جمعہ میں ظہورِ حجت کی انتظار کرتے ہیں۔ میں اجازت لے کر ان کو دیکھنے کے لئے گیا تو ایک بڑی جماعت دیکھی جو تسبیح و تحمید و تہلیل پروردگار میں مشغول تھے اور ظہور امام کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ میں واپس مسجد میں آیا تو سید نے پوچھا۔ فوج دیکھی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا فوجی افسر شمار کئے تھے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ تو فرمانے لگے۔ ان کی تعداد (۳۰۰) تین سو ہے۔ تیرہ کم ہیں۔

میں نے پوچھا۔ ظہور کب ہوگا؟ تو فرمایا۔ یہ اللہ کو معلوم ہے اور اس کا تعلق اللہ کی مشیت پر ہے اور بعض اوقات خود امام کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اس کی علامات ہیں اور ان میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ ذوالفقار بول اٹھے گی اور اپنے نیام سے نکل کر عربی فصیح میں کہے گی۔ قُمْ یَا وَلِیَّ اللّٰهِ عَلٰی اسْمِ اللّٰهِ فَاقْتُلْ بِیْ اَعْدَاءَ

اللہ۔ (اے اللہ کے ولی! اٹھو، باذن خدا اور میرے ساتھ دشمنانِ خدا کو قتل کرو) اور ان علامات میں سے یہ بھی ہے کہ تین آواز بلند ہوں گے جن کو ہر شخص سُنے گا۔

پہلی آواز ——— اَزِفَتِ الْاٰزِفَة۔

دوسری آواز ——— اَلَا لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ لِاٰلِ مُحَمَّد

تیسری آواز ——— قرن شمس میں ایک بدن ظاہر ہوگا جو حضرت قائم کے ظہور کا اعلان کرے گا۔

میں نے عرض کی ہم نے اپنے مشائخ سے بعض روایات سنی ہیں جو حضرت صاحب الامر کی طرف منسوب ہیں کہ جب غیبت کبریٰ ہوئی تو آپ نے فرمایا تھا، میری غیبت کے بعد جو شخص میرے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے آپ نے فرمایا۔ یہ درست ہے اور یہ اس زمانہ کے لئے آپ نے فرمایا تھا۔ جب کہ دشمنانِ اہل بیت، کی کثرت تھی اور فراعنہ بنی عباس کا زور تھا۔ اسی لئے شیعہ ایک دوسرے کو آپ کے ذکر سے روکا کرتے تھے۔ لیکن اب زمانہ کافی گزر چکا ہے۔ دشمن مایوس ہو گئے ہیں اور ہمارا ملک ان کے مظالم بلکہ اُن کی دسترس سے بعید ہے حضور کی برکت سے یہاں کوئی دشمن پہنچنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔

میں نے دریافت کیا کہ علمائے شیعہ نے حضرت صاحب الامر سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے خمس اپنے شیعوں پر مباح کیا ہے کیا آپ نے بھی حضور سے یہ روایت حاصل کی ہے۔ تو فرمایا۔ ہاں! انہوں نے رخصت دی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں سے اپنے شیعوں کے لئے اس کو مباح قرار دیا ہے پھر میں نے دریافت کیا کہ عامۃ المسلمین کے قید کردہ غلام و کنیزوں کی خرید کے لئے حضور نے شیعوں کو اجازت دی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! اور یہ مسائل ان کے علاوہ ہیں۔ جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور سید نے فرمایا کہ سال وتر میں رکن اور مقام کے درمیان حضور کا ظہور ہوگا۔

میں نے عرض کی تا وقتِ ظہور میں اسی جگہ پر رہنے کا خواہش مند ہوں تو سید نے جواب دیا کہ تیری واپسی کا حکم پہنچ چکا ہے۔ جس کی میں یا تو مخالفت نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ تم عیال دار ہو اور کافی عرصہ سے ان سے دور ہو۔ اب اس سے زیادہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے اور تمہیں ضرور وہاں پہنچ جانا چاہیئے۔ یہ سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہوا اور بہت رویا اور عرض کی۔ آقا کیا میرے معاملہ میں نظر ثانی نہیں ہو سکتی؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں پھر میں نے پوچھا کہ میں نے جو کچھ دیکھا یا سُنا ہے کیا یہ لوگوں کے سامنے بیان کر سکتا ہوں؟ تو فرمایا۔ بے شک بیان کرو تاکہ مومنوں کے دل مطمئن ہوں مگر فلاں فلاں بات بیان نہ کرنا۔ (یعنی بعض باتوں کو بیان کرنے سے روک دیا)

میں نے پوچھا کیا ان کے جمال کی زیارت نہیں ہو سکتی؟ تو جواب دیا نہیں۔ لیکن اے برادر! یہ یقین جانو کہ ہر مخلص مومن امام کو دیکھ سکتا ہے لیکن پہچانتا نہیں۔ میں نے عرض کی۔ مخلص تو میں بھی ہوں۔ لیکن ابھی تک ———

زیارت سے محروم ہوں ۔ سید نے جواب دیا کہ تم دو دفعہ زیارت کر چکے ہو ۔ ایک دفعہ جب کہ تم پہلی بار سرمن رای کی طرف آئے اور تمہارے ساتھی تم سے آگے نکل گئے پھر تنہا تم ایک نہر کے کنارے پہنچے جس میں پانی موجود نہ تھا پس تمہارے پاس ایک گھوڑے سوار پہنچا جس کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا ۔ جس پر دمشقی سنان جڑی ہوئی تھی تم دیکھ کر خوف زدہ ہوئے لیکن انہوں نے فرمایا ۔ خوف نہ کرو اور ساتھیوں سے مل جاؤ کہ وہ فلاں درخت کے نیچے تمہاری انتظار میں ہیں ۔ فوراً وہ واقعہ ذہن میں آگیا اور میں نے کہا ۔ آپ سچ فرماتے ہیں ۔ دوسری مرتبہ جب دمشق سے تم اپنے اندلسی استاد کے ہمراہ عازم سفر مصر تھے اور قافلے سے رہ گئے تھے اور تمہیں سخت خطرہ لاحق ہوا تھا ۔ پس ایک گھوڑے سوار پہنچا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور فرمایا ۔ بلا خوف اس بستی میں چلے جاؤ جو دائیں طرف واقع ہے وہاں رات گذارو اور ان کو اپنے مذہب سے بھی مطلع کرو اور ان سے تقیہ نہ کرو کیونکہ وہ لوگ مع اردگرد کی بستیوں کے سب مخلص مومن ہیں ۔ علی اور اولاد علی کی امامت کے قائل ہیں ۔ اے ابن فاضل ! کیا یہ بات درست ہے ؟ میں نے کہا ۔ ہاں میں ان کے پاس گیا تھا ۔ رات گذاری تھی انہوں نے میری بڑی عزت کی تھی ۔ میں نے ان سے اپنا مذہب پوچھا تو انہوں نے مجھ سے تقیہ کئے بغیر صاف صاف کہہ دیا کہ امیر المومنین (علیہ السلام) اور ان کی ذریت طاہرہ کے مذہب پر ہیں ۔ میں نے پوچھا تھا کہ مذہب تم کو کیسے ملا ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابوذر غفاری کو جب عثمان نے شام بھیجا تھا اور معاویہ نے ان کو ہمارے علاقہ کی طرف نکال دیا تھا تو یہ سب ان کے وجود مسعود کی برکت سے ہے کہ ہم لوگ شیعہ ہیں ۔

جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے قافلہ سے ملنے کی خواہش کی تو انہوں نے میرے ساتھ دو آدمی روانہ کئے جنہوں نے مجھے قافلے سے ملا دیا ۔ میں نے بھی ان کو اپنا مذہب بتایا تھا ۔ پھر میں نے پوچھا ۔ اے سید ! کیا امام حج کو بھی جایا کرتے ہیں ؟ تو فرمایا ۔ اے ابن فاضل ! تمام دنیا مومن کے لئے ایک قدم ہے ۔ تو جس کے وجود کے ساتھ پوری دنیا قائم ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے ؟ ہاں وہ ہر سال حج کو بھی جاتے ہیں ۔

نیز مدینہ ، عراق اور طوس میں اپنے آباء طاہرین کی زیارت بھی کرتے ہیں اور پھر واپس تشریف لے آتے ہیں ۔

پھر سید شمس الدین نے تاکیداً کہا کہ عراق واپس جاؤ اور بلاد مغرب میں نہ ٹھیرو اور انہوں نے فرمایا کہ ہمارے درہموں پر توحید و رسالت و ولایت کے علاوہ حضرت قائم علیہ السلام کی مہر ہوتی ہے ۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اسی سکہ کے پانچ درہم عنایت کئے ۔ جو برکت کے لئے میرے پاس محفوظ ہیں ۔ پھر مجھے انہی جہازوں کے ساتھ روانہ کیا ۔ جن کے ساتھ میں یہاں پہنچا تھا ۔ پس میں اسی شہر میں پہنچا ۔ جہاں زمین بربر کے شہر

میں پہلی مرتبہ آیا تھا۔ انہوں نے مجھے گندم اور جو بھی دیئے کہ جو وہاں ایک سو چالیس دینار طلائی پر میں نے فروخت کر دیئے اور سید شمس الدین کی فرمائش کے ماتحت میں نے اندلس جانا ملتوی کر دیا اور وہاں سے قافلہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے قصد سے مکہ پہنچا اور حج سے فارغ ہو کر عراق آیا اور یہاں تا زیست مجاورت کا قصد کر لیا۔

شیخ زین الدین علی بن فاضل مازندرانی فرماتے ہیں کہ وہاں (جزیرہ خضراء میں) سوائے پانچ علماء امامیہ کے اور کسی کا ذکر میں نے نہیں سنا۔

۱۔ سید مرتضیٰ موسوی۔
۲۔ شیخ ابو جعفر طوسی۔
۳۔ محمد بن یعقوب کلینی۔
۴۔ ابن بابویہ
۵۔ شیخ ابوالقاسم جعفر بن سعید حلی۔

نوٹ:۔ یہ روایت سند کے لحاظ سے انتہائی کمزور ہے اس کا مقطوع و مرسل ہونا اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کو استنباط احکام کا ماخذ قرار دیا جائے۔ بنابریں اباحت خمس کیلئے اس روایت کو سہارا بنانا جائز نہیں ہے۔ نیز ممکن ہے اباحت خمس سے مراد یہ ہو کہ غیبت کے زمانہ میں مستحقین خمس کا کھانا ہم نے مباح کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن لوگوں پر حسب شرائط خمس عائد ہوتا ہے۔ ان پہ مباح ہے یعنی وجوب خمس ساقط ہے۔ حاشا وکلاّ۔

(مترجم)

ربطِ آیات

چونکہ قرآن مجید کی آیات میں ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اس لئے جنگ بدر کی کوئی آیت کہیں اور کوئی کہیں ہے اور ہجرت کے متعلق کچھ آیات گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ مذکور ہوں گی اور تمام واقعات بلکہ احکام کی یہی صورت ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری جمع کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے ایسی صورت میں آیاتِ مجیدہ کا آپس میں ربط تلاش کرنا محض بے سود و بے معنی تکلف ہے۔

پارہ نمبر ۱۰

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جانو تحقیق جو فائدہ حاصل کرو شے کا تو تحقیق اللہ کے لئے اس کا خمس اور رسول

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ کُنْتُمْ

اور ذوالقربیٰ اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ

رکھتے ہو اللہ پر اور جو اتارا ہم نے اوپر اپنے بندے کے فیصلے

یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

کے دن جس دن فریقین لڑے اور اللہ ہر شے کے اوپر قادر ہے

رکوع نمبر ۱

خمس کا بیان

وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ: سب سے پہلے غنیمت کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے تاکہ مطالب کی پوری وضاحت ہو سکے۔ لغت کے اعتبار سے غنیمت کا اطلاق ہر اس فائدہ پر ہوتا ہے جو انسان کو حاصل ہو جیسا کہ "مجمع البحرین" سے منقول ہے۔ الغنیمة فی الاصل ھی الفائدة المکتسبة یعنی غنیمت لغت میں ہر اس فائدہ کو کہتے ہیں جو کمایا جائے۔ مقنعہ میں شیخ مفید سے منقول ہے۔ الغنائم کلما استفید بالحرب من الاموال وما استفید من المعادن والغوص والکنوز والعنبر وکلما فضل عن ارباح التجارات والزراعات والصناعات من المؤنة والکفایة طول السنة علی الاقتصاد۔ یعنی غنائم ہر وہ مال جو لڑائی سے حاصل ہو اور ہر وہ چیز جو کانوں، خزانوں اور غوطہ زنی سے حاصل ہو اور عنبر اور ہر وہ چیز جو تجارت، کھیتی باڑی اور کاریگری کے منافع سے سال بھر کے متوسط طور پر اخراجاتِ خانگی سے بچ جائے۔ علامہ طبرسی نے "مجمع البیان" میں فرمایا ہے کہ علمائے امامیہ کے نزدیک خمس ہر فائدہ پر واجب ہے جو کسی کاریگری کے ذریعے سے حاصل ہو یا تجارت سے اور خزانوں، کانوں اور غوص یعنی غوطہ سے حاصل شدہ اشیاء پر بھی خمس واجب ہے اور اسی آیت مجیدہ سے اس مطلب پر استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ عرف لغت میں ان تمام چیزوں کو غنیمت کہا جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ ھی واللّٰہ الافادة یوم بیوم یعنی

غنیمت خدا کی قسم روزمرہ کے کسب کا نام ہے۔ بروایت سماعہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا لوگ جو کچھ بھی کمائیں خواہ کم ہو یا زیادہ سب پر خمس واجب ہے۔

چونکہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو انسان کو حاصل ہوتی ہیں اور ان پر غنیمت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً وراثت لہٰذا وہ اطلاق آیت اور عموم روایت سے خارج ہیں۔

وجوب خمس احادیث کی رو سے

(۱) بروایت شیخ ایک شخص نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ کیا خمس انسان کی تمام کمائی پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور جائیداد پر بھی واجب ہے؟ تو آپ نے اپنی تحریر مبارک سے جواب دیا کہ خمس اخراجات کے بعد واجب ہے۔

(۲) بروایت شیخ ایک شخص نے امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ایک شخص کو اپنی جائیداد سے ایک سو کر گندم وصول ہوئی۔ پس اس کا دسواں حصہ دس کر تو زکوٰۃ میں چلے گئے اور زمین کی آبادی اور کاشت کے اخراجات میں تیس کر خرچ ہوئے باقی ساٹھ کر اس کے پاس موجود ہیں تو اب اس پر کیا واجب ہے؟ تو فرمایا۔ اس کے اخراجات ضروریہ سے جو زائد ہو اس میں سے ہمارا خمس (پانچواں حصہ) ہے۔

(۳) علی بن مہریار سے روایت ہے کہ مجھے ابو علی بن ارشد نے بیان کیا کہ میں نے بیان کیا کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی۔ حضور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کے حکم کی ترویج کروں اور آپ کے حقوق وکالتاً وصول کروں۔ جب میں نے آپ کے شیعوں کو بتایا تو ان میں سے بعض نے دریافت کیا کہ امام کا حق کیا ہے؟ تو مجھے اس کا جواب معلوم نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ان پر خمس واجب ہے تو میں نے پوچھا کس چیز میں؟ تو آپ نے فرمایا۔ ان کے سامان میں اور ان کے منافع میں۔ میں نے عرض کی۔ کیا تاجر پر بھی ہے؟ اور اپنے ہاتھ سے کمانے والے پر بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ان کے اخراجات سے زائد ہو تو واجب ہے۔

(۴) ایران کے ایک تاجر نے امام رضا علیہ السلام سے خمس کی معافی چاہی تو آپ نے اس کو جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ خدا واسع کریم ہے۔ عمل کی جزا دیتا ہے اور مخالفت پر سزا دیتا ہے۔ مال اسی طریقہ سے حلال ہوتا ہے جس طرح اللہ حلال کرے۔ تحقیق خمس کا ادا کرنا دینی، خانگی اور جملہ ضروریات خرید و فروخت کے لئے ہماری اعانت ہے۔ اس سے جی نہ چراؤ اور تاحدِ امکان اپنے نفسوں کو ہماری دعاؤں سے محروم نہ کرو کیونکہ خمس کا ادا کرنا تمہارے رزق کی کنجی ہے۔ گناہوں سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے اور تمہارا وہ عمل صالح ہے جو ضرورت کے دن (بروز قیامت) تمہیں کام آئے گا۔ مسلمان وہی ہے جو اپنے عہد کی وفا کرے اور وہ مسلمان نہیں جو زبان سے جی ہاں کہے اور دل سے اس کے خلاف ہو۔ والسلام

(۵) خراسان کی ایک جماعت نے امام رضا علیہ السلام سے خمس کی معافی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا یہ کس قدر حیلہ سازی اور مکاری ہے کہ زبان سے تو تم لوگ خالص محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور ہمارے اس حق سے جی چراتے ہو جو مخصوص ہمارا ہے اور ہم اس کے لئے ہیں اور وہ خمس ہی ہے ہم یہ معاف نہ کریں گے

(۶) عبداللہ بن سنان سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کوئی فائدہ حاصل کرے یا کمائے تو حاصل شدہ چیز پر جناب فاطمہ اور ان کی ذریت آئمہ کا حق خمس واجب ہے ۔ پس خمس انہی کا حق ہے وہ جہاں چاہیں اس کو خرچ کریں اور خدا نے ان پر صدقہ حرام کیا ہے ۔ یہاں تک کہ اگر درزی کپڑے کی سلائی پانچ دانق وصول کرے تو اس میں سے ایک دانق ہمارا حق ہے مگر سوائے اس کے جو ہم اپنے شیعوں کو معاف کر دیں تاکہ ان کی نسلیں حلال سے ہوں ۔ (شاید اسی استثنا سے مراد اخراجات ضروریہ ہوں کہ ان سے زائد پر خمس واجب ہوتا ہے ورنہ آیت کے عموم کی رُو سے تمام حاصل کردہ منافع پر خمس آنا چاہیئے تھا) کیونکہ قیامت کے دن زنا کی بازپرس سب گناہوں سے سخت تر ہو گی اور صاحب خمس کھڑے ہو کر دعوے دائر کرے گا کہ اے پروردگار ان لوگوں سے پوچھ کہ انہوں نے کس مال سے نکاح کیا تھا ۔

اب ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خمس کے وجوب میں شک و شبہ کی ذرا بھر گنجائش نہیں اور یہ خمس ہر حاصل شدہ منفعت میں اخراجات ضروریہ کے نکال لینے کے بعد واجب ہے خواہ تھوڑا بچے یا زیادہ ۔

بحثِ لطیف

جو لوگ دورِ حاضر میں خمس کے وجوب سے انکار کرتے ہیں ان کا سہارا چند احادیث ہیں جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں ۔ ان احادیث کے نقل سے پہلے ایک تمہیدی وضاحت ضروری ہے تاکہ فرمان معصوم کی حقیقت معلوم ہو سکے ۔ وہ یہ کہ آیت مجیدہ وَاعْلَمُوٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ ...... الخ میں اصطلاح لغت اور فرمان معصوم سے واضح کیا جا چکا ہے کہ غنیمت سے مراد یہاں ہر فائدہ ہے اور اس کا مفہوم اور حکم تا قیامت زندہ ہے اگر اس کو غنائم دار الحرب تک ہی محدود کر دیا جائے تو آیت مجیدہ کی زندگی جہاد کے زمانہ تک ہی محدود ہو جائے گی ۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے ۔

چونکہ آیت منسوخ نہیں لہذا خمس کا وجوب ہر زمانہ کے لئے یکساں ہے اور آئمہ طاہرین احکام شرعیہ کے مروج ہیں وہ کسی حکم شرعی کو منسوخ نہیں کر سکتے یعنی جس چیز کو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے واجب فرمایا ہے آئمہ اس کا وجود ختم نہیں کر سکتے بلکہ اس کی ترویج کرتے ہیں ۔ اسی طرح جس کو زبانِ رسالت نے حرام کہا ہے ۔ آئمہؑ اس کی حرمت کے ناشر ہیں ۔ اس کو جائز نہیں بنا سکتے کیونکہ حدیث مشہور ہے ۔ محمدؐ کا حلال قیامت تک حلال ہو گا اور محمدؐ کا حرام قیامت تک حرام ہو گا ۔ البتہ کسی خارجی رکاوٹ کی بنا پر کسی واجب پر عمل نہ کر سکنا اس کے وجوب کے منافی نہیں ہے ۔ جس طرح نماز جمعہ کا وجوب ثابت ہے اور آیت مجیدہ اس پہ نص صریح ہے لیکن آئمہ اس سے

معذور تھے۔ اس لئے آئمہ نے کبھی جمعہ کے وجوب کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ معذوری کی بنا پر خود قائم نہ کر سکے۔ اس لئے کہ جمعہ کا قائم کرنا خلافت کا عہدہ تھا اور آئمہ کا جمعہ کو قائم کرنا ادعائے خلافت یا حکومت وقت سے بغاوت کے مترادف تھا اور آئمہ کے پاس چونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے ظاہری اسباب موجود نہ تھے اس لئے گوشہ تنہائی میں صبر و سکون سے تبلیغ مذہب حقہ کرنا ان کا شعار رہا اور یہی ان کا فرض منصبی تھا۔

اسی طرح خمس کی وصولی کا حق بھی چونکہ حکومت الٰہیہ کے عہدہ داروں کو ہی پہنچتا ہے اور دور تقیہ میں اپنے شیعوں کو ادائیگی خمس پر مامور کرنا یا خمس کے وجوب پر زور دینا حکومت وقت کی آواز کے بالمقابل آواز بلند کرنے کے مترادف تھا کیونکہ یہ بھی ایک خراج ہے جس کی ادائیگی لازم ہے اور حکومت وقت خراج کی وصولی کا ٹھیکیدار اپنے آپ کو سمجھا کرتی ہے پس اس وضاحت سے چند امور منکشف ہوئے۔

(۱) آیت کا فرمان تا قیامت زندہ ہے اور غنیمت سے مراد ہر حاصل شدہ فائدہ ہے۔

(۲) آیت مجیدہ کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

(۳) آئمہ طاہرین علیہم السّلام قرآنی احکام کو بدلا نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے مروّج و مبلّغ ہوتے ہیں۔

(۴) آئمہ طاہرین علیہم السّلام کا کسی حکم سے تسامح وقتی معذوری کے پیش نظر ہوتا ہے اس کا مطلب حکم کی نوعیّت کو بدلنا نہیں ہوتا۔

اب ذرا احادیث کا جائزہ لیجئے تو حقیقت صاف آشکار ہو جائے گی۔

۱۔ صحیحہ حارث بن مغیرہ کہتا ہے۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے پاس از قسم غلات و تجارت وغیرہ کچھ مال ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ اس میں آپ کا حق ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہم نے اپنے شیعوں کو حلال نہیں کیا مگر اس لئے کہ ان کی نسلیں پاکیزہ ہوں اور جو شخص بھی میرے آباء طاہرینؑ کی ولا رکھتا ہے تو اس کے پاس جو ہمارا حق ہے۔ ہم نے اسے حلال کیا ہے پس جو حاضر ہیں وہ یہ بات غائب تک پہنچا دیں۔ اس حدیث میں چند باتوں کی پوری وضاحت موجود ہے۔

اس زمانہ کے شیعوں کو پوری طرح یقین تھا کہ تمام فوائد میں خمس واجب ہوا کرتا ہے اور یہ چیز ان کے مسلمات میں سے تھی۔ اسی لئے تو اس نے حکم دریافت نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اوپر وجوب خمس کا عائد ہونا بیان کیا اور دبی زبان میں اپنی معذرت بیان کی۔

چونکہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کا دور تقیّہ کا دور تھا حکومتی نمائندے ایسی باتوں پر کڑی نظر رکھتے تھے اور معمولی شکوک و شبہات سے انسانوں کی زندگیاں ختم کر دی جاتی تھیں۔ ایسی صورت میں ان کا مال خمس خدمت امام میں پیش کرنا جہاں ان کی جان و مال و عزت کے لئے باعث خطرہ تھا۔ وہ امام عالی مقام کے وجود

ذمی وجود کے لئے بھی منافی امن تھا۔ پس سائل دبی زبان میں وجوب کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے عملی اقدام کی معذرت کو پیش کر رہا ہے جس کو معصوم سمجھتے ہیں۔

- معصوم نے اپنے جواب میں وجوب خمس کا انکار نہیں فرمایا۔
- چونکہ خمس کی عدم ادائیگی کی صورت میں مال میں حرام کی ملاوٹ ہو جائے گی اور خون گوشت پوست میں حرام مل جائے گا۔ لہٰذا نطفہ کا انعقاد بھی حرام ہو جائے گا۔ عورتوں کے حق مہر بھی مال حرام سے ہوں گے۔ پس معصوم نے ان کو اپنا حق مہر معاف کر دیا اور یہی وجہ بتلائی کہ تم لوگوں کی نسلیں خراب نہ ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اپنے دور میں مقتضائے تقیہ یا کسی دوسری مصلحت کے ماتحت اپنا حق معاف کر دینے سے ضروری نہیں کہ اب ان کا حق نہیں رہا بلکہ ایک امام کا اپنے دور والوں کو معاف کر دینے سے ضروری نہیں کہ ان کے بعد والے آئمہ بھی معاف کر دیں۔ اسی لئے تو سابقہ روایات میں امام محمد تقی علیہ السلام اور امام علی نقی علیہ السلام نے لوگوں کو خمس کی ادائیگی کی تاکید فرمائی اور امام رضا علیہ السلام نے خمس کی معافی چاہنے والوں کو سخت الفاظ سے خطاب فرمایا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ان کے زمانے والے شیعوں کو بھی خمس کے وجوب کا یقین تھا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی اپنے زمانے کے شیعوں کو معافی دینے سے ان لوگوں نے یہ نتیجہ نہیں نکالا تھا کہ بس خمس معاف ہو گیا ہے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ معافی خاص مصلحت کے ماتحت تھی اور اب چونکہ وہ مصلحت موجود نہیں۔ اس لئے امام سے معافی کی درخواست کی جو مسترد کر دی گئی اور معصوم کا معاف کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لیکن امام سمجھتے تھے کہ اس معافی سے لوگ ایک اہم فریضہ شرعیہ سے رفتہ رفتہ گریز کرتے کرتے انکار پر آجائیں گے لہٰذا امام نے پہلے سے ڈانٹ دیا۔ تاکہ انکار وجوب تک نوبت ہی نہ آئے اور لوگوں کے دلوں میں فریضہ شرعیہ کی اہمیت باقی رہے۔

۲۔ خبر یونس بن یعقوب کہتا ہے میری موجودگی میں ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمارے پاس تجارت کے یا دوسری قسم کے اموال و منافع موجود ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا اس میں حق ہے اور ہم ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ما انصفناکم ان کلفناکم ذلک الیوم (ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا اگر اس زمانے میں بھی تمہیں تکلیف دیں۔

اس روایت میں بھی سائل کو وجوب کا اعتراف ہے لیکن اس کی ادائیگی سے اپنی تقصیر کو ظاہر کرتا ہے اور امام کے جواب سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ کی روش نہایت خطرناک تھی اور یہ معافی صرف اسی زمانہ کی موجودہ پالیسی کے ماتحت تھی۔

۳۔ صحیحہ فضلاء حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

ہَلَكَ النَّاسُ فِى بُطُونِهِمْ وَ فُرُوجِهِمْ لِاَنَّهُمْ لَمْ يُؤَدُّوا اِلَيْنَا حَقَّنَا۔ (لوگ اپنے شکموں اور فروج کے بارے میں ہلاک ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمیں اپنا حق نہیں دیا) اس کے بعد روایت کے لفظ ہیں اِلَّا وَ اِنَّ شِيعَتَنَا مِنْ ذٰلِكَ وَ آبَاءَهُمْ فِى حِلٍّ۔ (لیکن ہمارے شیعہ اور ان کے آباء کو ہم نے معاف کر دیا ہے) ظاہراً یہ آخری جملہ حضرت امیر علیہ السلام کے کلام سے نہیں ہے کیونکہ اس دور کے شیعہ لوگوں کے آباء کا زمانہ حضرت رسالتمآبؐ کا زمانہ تھا جس میں حقوق کے غصب کا سوال ہی نہیں تھا بلکہ یہ جملہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا کلام معلوم ہوتا ہے اور ظاہراً ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ ہم نے اپنے شیعوں اور ان کے آباء کو معاف کر دیا ہے اور وجہ یہی ہے جس طرح کہ مضمون روایت خود شاہد ہے تاکہ ان کے نطفے حلال ہوں اور یہ معافی بھی پرآشوب دور کے تقاضوں کے ماتحت ہی ہے۔

اسی مضمون کی اور روایات بھی صادقین علیہما السلام سے منقول ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہے کہ وجوب خمس شیعیانِ آلِ محمد کے نزدیک مسلّم تھا اور آئمہ کی معافی ایک خاص وقت کے تقاضے کے ماتحت تھی اور نیز یہ بات بھی اظہر من الشمس ہو گئی کہ خمس کا حق دار صرف امام معصوم ہی ہے اور اس کو اختیار حاصل ہے کہ کسی کو کسی وقت معاف کر دے یا معاف نہ کرے۔

البتہ اس مقام پر ایک روایت حضرت حجۃ العصر عجل اللہ فرجہ علیہ السلام سے بروایت اکمال الدین منقول ہے کہ خمس ہمارے شیعوں پر مباح ہے اور وہ ان کو معاف کیا گیا ہے۔ تاوقتیکہ ہمارا امر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ اس لئے کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں۔

روایت کا ظاہر بھی صاف بتلاتا ہے کہ یہ معافی معذوری کے ماتحت واقع ہوئی ہے کیونکہ ابتدائی زمانہ غیبت میں دشمنانِ آلِ محمد خاندان عصمت کے آخری تاجدار امامت کو قتل کرنے کے درپے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طریقے سے اس فانوس امامت کو گل کر دیا جائے۔ کیونکہ فرمان قدرت اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں انہیں معلوم تھا کہ بارھواں تاجدارِ امامت غلبہ لے کر آئے گا اور دنیا والوں کا اقتدار ان کے ہاتھوں بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ پس اپنے اقتدار کے بچاؤ اور سلطنت ملک کی بحالی کی خاطر امام غائب کی تلاش میں ہمہ تن کوشاں تھے جس طرح کہ ہر زمانے کے فرعون کا دستور ہے کہ جس کے متعلق اس کو اپنے اقتدار کے زوال کا خطرہ ہو اس کو ملیا میٹ کرنے پر تل جایا کرتے ہیں خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو تو حالاتِ حاضرہ کی بناء پر غیبت کی اس قدر اہمیت تھی کہ ان کے نام لینے کو بھی غیبت کے حکم میں رکھ دیا تھا کہ ان کا نام کھلے لفظوں سے نہ لیا جائے اور ان کی رویت کے متعلق بھی صاف حکم صادر ہوا کہ جو بھی رویت امام کا دعویٰ کرے۔ اس کو جھوٹا سمجھو۔ مقصد یہ تھا کہ دشمنانِ دین امام غائب کا سراغ نہ پا سکیں۔ لہٰذا بعید نہیں بلکہ قرینِ عقل ہے کہ معصوم نے خمس کی ادائیگی کا حکم بھی اسی وقتی تقاضے کے ماتحت برطرف

کردیا ہو اور اپنا حق معاف کردیا ہو تاکہ خمس ادا کرنے والوں کی آمد ورفت کہیں حکومت وقت کے جاسوسوں کے لئے باعث شبہ نہ بن جائے اسی بناء پر تو ارشاد فرمایا کہ شیعوں کو معاف کیا گیا ہے تاوقتیکہ ہمارا امر ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ لفظ صاف بتلاتے ہیں کہ معافی معذوری کے ماتحت تھی اور اس لئے کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں۔

اور جب کسی حد تک لوگ وجود امام سے مایوس ہو گئے اور انہیں کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو ادائیگی خمس کا حکم بھی سرکار حجۃ العصر علیہ السلام نے صادر فرمایا۔ چنانچہ ہبتہ اللہ راوندی سے "خرائج" میں منقول ہے کہ حسین نامی ایک شخص نے حضورؑ کی زیارت کی جبکہ آپ خچر پر سوار تھے۔ سبز عمامہ باندھا ہوا تھا اور پاؤں میں سُرخ رنگ کے موزے تھے۔ فرمایا اے حسین! تم کیوں میرے اصحاب کو اپنے مال کا خمس نہیں دیتے؟ اچھا تم فلاں مقام پر پُرامن پہنچ گے اور وہاں کچھ کماؤ گے تو خمس اپنے مستحق کو بھیج دینا۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی حضور سمعاً وطاعتاً اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ عمری آیا اور وہ خمس وصول کرکے لے گیا ______ الخبر

اب اس روایت سے صاف معلوم ہے کہ خمس کا وجوب کسی زمانہ میں برطرف نہیں ہوا۔ پس یہ حکم شرعی تاقیامت باقی ہے۔

البتہ اس مقام پر بعض روایات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خمس تمام مال سے نکالنا واجب ہے حتیٰ کہ وراثت ہبہ، عطیہ اور حق مہر وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

(۱) بروایت "تحف العقول" امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کو ایک خط لکھا کہ خمس تمام مال سے ایک دفعہ ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) بروایت بصائر الدرجات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ جو حق اللہ کے لئے ہے وہ اس کے رسولؐ کے لئے ہے اور جو رسول کے لئے ہے وہ ہمارے لئے ہے اور مومنوں پر خدا کی جانب سے یہ آسانی ہے کہ اپنے رزق کے پانچ درہموں میں سے ایک خدا کیلئے مقرر کریں اور چار خود استعمال کریں اور پھر فرمایا کہ یہ ہماری حدیث میں سے صعب مستصعب ہے اس پر عمل نہ کرے گا اور نہ صبر کرے گا مگر وہ مومن جو امتحان سے پاس ہو۔

(۳) ابن طاؤس سے منقول ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے باپ سے نقل فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے ابوذر، سلمان اور مقداد سے شہادت توحید و رسالت و وصایت علیؑ کا اقرار لیا اور یہ کہ اللہ و رسول و آئمہ کی اطاعت اور اہل بیت کی مودت فریضہ واجبہ ہے۔ ہر مومن مرد و عورت پر اور یہ کہ نماز بروقت قائم کریں۔ اپنے مال حلال سے زکوٰۃ دیں اور مستحقین پر خرچ کریں اور اپنی تمام ملکیت سے خمس نکال کر مومنوں کے ولی و امیر کو دیں اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے آئمہ کو دیں۔ پس جو شخص عاجز ہو اور تھوڑا سا مال ہی دے سکتا ہو تو اولاد آئمہ میں سے ان کو دے جن کی حالت کمزور ہو اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو کمزور شیعوں کی امداد کرے اور اس میں

تقرب خدا کی نیت کرے۔

(۴) امام علی نقی علیہ السلام سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا خمس ہر اس چیز پر واجب ہے جو انسان کو حاصل ہو خواہ کم ہو زیادہ اور ہر قسم کی آمدنی پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اپنے ضروری اخراجات کے بعد خمس واجب ہے اور یہ روایت پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے۔

(۵) بروایت کافی سماعہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے خمس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ خمس ہر اس چیز میں واجب ہے جو حاصل ہو خواہ کم ہو یا زیادہ۔

تحقیق و تدقیق

لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت مجیدہ اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ (اس بنا پر کہ غنیمت کا معنی مطلق استفادہ قرار دیا جائے) اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کی جو بھی آمدنی ہو خواہ وہ کسی طریق حلال سے ہو اس سے خمس واجب ہے جب کہ اس آمدنی کو اس کی کمائی کہا جا سکے خواہ کاشت کاری سے ہو، باغات کے ذریعے سے ہو، تجارت ہو، صنعت و حرفت ہو، ٹھیکہ و اجارہ ہو یا وصولی کرایہ ہو یا مثلاً موجودہ زمانہ کی ذاکری و واعظی ہو یا بذریعہ ملازمت ہو، بہرکیف یہ صادق آسکے کہ اس نے مثلاً اتنا کمایا، تھوڑا کمایا، بہت کمایا اور جب آیت مجیدہ کا معنی صریح یہی ہے اور بعض سابق روایات بھی اس معنی کی تائید کرتی ہیں تو جن روایات میں تمام ملکیت سے خمس نکالنے کا حکم ہے ان کے اطلاقات کو مفہوم آیت اور مضمون سابقہ روایات سے تقیید دی جائے گی بلکہ بعید نہیں کہ کہا جائے کہ قرائن حالیہ، داخلیہ و خارجیہ کی بنا پر احادیث مطلقہ کا منصرف ہی وہی معنی مقید ہے پس روایات میں تمام مال اور تمام ملکیت سے مراد تمام کمائی ہے اور اکثر علمائے اعلام رضوان اللہ علیہم اللہ کا مسلک یہی ہے اور تمام ملکیت سے خمس کے وجوب کا قول بالکل شاذ ہے۔ بنا بریں وراثت، ہبہ، عطیہ، ہدیہ اور حق مہر وغیرہ پر خمس کا وجوب عائد نہ ہوگا اور جس آمدنی پر خمس کا وجوب عائد ہوگا۔ اس سے اس کے ضروری اخراجات مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اکثر روایات میں اس کی صراحت موجود ہے پس مطلقات کو مقیدات پر حمل کیا جائے گا۔

صاحب "مصباح الفقیہ" فرماتے ہیں کہ اگر ان روایات کی رُو سے تمام مال میں سے خمس کا وجوب ثابت کیا جائے تو یہ اشکال وارد ہوگا کہ زمانۂ رسالت کے مسلمان اس معنی سے متعارف نہ تھے اور نہ زمانہ آئمہ کے شیعوں کو یہ بات معلوم تھی ورنہ تمام مال و ترکہ حتیٰ کہ میراث و ہبہ و حق مہر وغیرہ سے خمس کا وجوب ایک مسلمہ مسئلہ ہوتا اور ہر کہ و مہ کے کانوں تک پہنچ جاتا اور عورتیں اور بچے بھی اس کو جانتے ہوتے۔ پھر اس میں تو عوام الناس کے لئے بھی چوں و چرا یا اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی۔ چہ جائیکہ فحول علماء اور اجلہ فضلا کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الآرا قرار پائے اور مجمع علیہ ہونا تو درکنار یہ تو قول بھی شاذ ہے اور اس کے مقابلہ کا قول مشہور بین الفقہا ہے اور یہ قرینہ قطعیہ ہے کہ زمان آئمہ میں یہ مسئلہ معروف نہ تھا اور نہ زمان غیبت صغریٰ میں اس کا ذکر تھا کیونکہ زمان رسالت میں

اگر ہوتا تو یہ ضروریاتِ دین میں سے ہوتا اور اگر دَور ائمہ میں اس کا وجود ہوتا تو ضروریات مذہب سے یہ مسئلہ قرار پاتا۔

بے شک یہی وجہ ہے کہ آئمہ طاہرین سے خمس کے مسائل دریافت کرنے والوں نے اپنی تجارت وصنعت اور حرفت اور دیگر ذرائع آمدنی کا تذکرہ کیا اور خمس کے متعلق دریافت کیا کیونکہ ان آمدنیوں سے خمس کا تعلق ان کے نزدیک مسلمات میں سے تھا اور کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ میرے پاس اتنی جائیداد ہے اتنے باغات ہیں یا اتنی دکانیں ہیں یا مجھے اتنی وراثت پہنچی ہے یا ہدیہ ملا ہے یا جاگیر ملی ہے یا فلاں عورت کو اتنا مہر ملا ہے وغیرہ وغیرہ لہذا ان کے خمس کے متعلق فرمایئے اور یہ ظاہراً اسی لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ چیزیں خمس کا متعلق نہیں ہیں اور نہ آئمہ نے ان کو اس شق کی طرف متوجہ فرمایا اور اگر آمدنیوں کا تذکرہ بھی ہوا تو معصوم نے پوری آمدنی سے خمس کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا اس سے اپنے اخراجات متوسط نکال کر باقی سے خمس ادا کر دیا جائے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ خمس ہر کمائی سے واجب ہے خواہ کاشتکاری یا زمینداری یا صنعت کاری یا دکانداری یا بہرکیف کوئی ذریعہ آمدنی بھی ہو اس میں سے اپنے اور بال بچوں مہمانوں وغیرہ کے اخراجات پورا کرنے کے بعد خمس کا ادا کرنا واجب ہے۔

خمس ارباح مکاسب

مسئلہ:۔ اصل جائیداد پر خمس نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی آمدنی پر ہوگا۔ جو اس کے ضروری اخراجات سے زائد ہو۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اپنی آمدنی میں سے ضروری مصارف کے علاوہ کوئی ایسی چیز خرید کرے جو اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے اخراجات پر پیسہ خرچ کرے جو شرعاً ناجائز ہوں تو ان ناجائز اخراجات کا خمس بھی اس کے ذمہ واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اولاد کی کفالت والد کے ذمہ ہے لہذا اولاد کے جائز تعلیمی اخراجات خمس سے مستثنیٰ ہوں گے لیکن ایسے اخراجات جو غیر ضروری ہوں یا ایسی تعلیم جو شرعاً ناجائز ہے۔ مثلاً برطانیہ یا امریکہ یا دیگر ممالک میں اپنی اولاد کو تعلیم غیر شرعی کے لئے بھیجے تو اس کے اخراجاتِ سفر پر بھی خمس واجب ہوگا اور وہاں قیام کی صورت میں خانگی متوسط اخراجات سے جس قدر زائد مقدار اس کو دی جائے گی۔ اس پر بھی خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ بعض ایسی چیزیں جو آجکل ضروریاتِ زندگی میں سمجھی گئی ہیں اور جو شرعاً محل اشکال ہیں۔ مثلاً ریڈیو وغیرہ تو اس کو مصارف ضروریہ میں قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس پر خمس واجب ہوگا (ان کی قیمت پر) اسی طرح ہر ناجائز خرچ پر خمس عائد ہوگا۔

Imp

مسئلہ:۔ اگر موجودہ آمدنی بڑھانے کے لئے زمین خریدی جائے یا تجارت میں پیسہ لگالیا جائے یا کرایہ کے وصول کرنے کے لئے مکانات یا کوارٹر یا دکانیں بنوائی جائیں یا ٹیوب ویل لگائیں یا کسی صنعت وحرفت کے کارخانہ

میں شمولیت کی جائے یا کوئی بس یا ٹرک خریدا جائے یا باغ لگوایا جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس تو ایسی چیزوں کو مصارف ضروریہ میں نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ اس رقم پر خمس واجب ہوگا جو اس قسم کے کاموں پر خرچ کی جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر خانگی و ذاتی طور پر اخراجات میں اضافہ ہو جائے۔ مثلاً پہلے ایک مکان تھا لیکن اب افرادِ خانہ کی کثرت کے پیش نظر دوسرے مکان کی ضرورت لاحق ہو گئی۔ یا پہلے کچا مکان تھا اور اب اپنی پوزیشن کے مطابق پختہ مکان کی ضرورت ہو گئی۔ اسی طرح مہمان خانہ تعمیر کرنے کی ضرورت یا ایک نوکر کی بجائے دو تین کی ضرورت یا گھوڑے کی سواری کی بجائے رفتارِ زمانہ کے پیش نظر کار کی ضرورت اسی طرح لیمپ کی بجائے بجلی وغیرہ کی ضرورت لاحق ہو گئی تو اس قسم کے اخراجات ضروریاتِ زندگی سمجھے جائیں گے اور خمس سے مستثنےٰ ہوں گے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص دیہات کا باشندہ ہے اور یہاں کی اس کی ضرورت کے مطابق مکان موجود ہیں لیکن اکثر اوقات کاروبار یا لین دین کی خاطر اس کو بڑے شہر میں جانا پڑتا ہے اور یہاں اپنے ذاتی مکان کے بغیر اسے دقت پیش آتی ہے تو آمدنی سے رقم بچا کر اگر شہر میں حسبِ ضرورت مکان تعمیر کرے تو وہ خمس سے مستثنےٰ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک مکان موجود ہو اور خواہ مخواہ اپنی امیری شان دکھانے کے لئے دوسرا بنائے تو زائد پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر اپنی شان کے لئے اچھا خاصا مکان پاس موجود ہو لیکن نئے نمونہ کا مکان بنانے کا شوق دامن گیر ہو جائے تو زائد خرچ پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ گھر میں ضروریاتِ زندگی کے لئے جو سامان خرید کر رکھا ہے۔ اس میں خمس نہیں ہوگا لیکن جو سامان زائد از ضرورت صرف کمروں کی زینت کے لئے ہوگا اس سب پر خمس واجب ہوگا۔ صندوقیں، برتن، بسترے، چارپائیاں، زیورات، غرضیکہ گھریلو چھوٹے بڑے سامان پر خمس کے وجوب کا یہی دستور ہوگا۔ بس جو بھی زائد از ضرورت خرید کر کے رکھے گا اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ ہر طبقہ کی ضرورت اپنی حیثیت کے مطابق ہوگی۔ اگر اپنی حیثیت کے مطابق اس کے پاس سامان اپنے متوسط گزارہ کے لئے کافی ہے جو اس کے شایان شان بھی ہے تو قیمتی سامان گھر میں لا رکھنا جو اونچے طبقے کے لوگوں سے مناسبت رکھتا ہو۔ مثلاً عام بستروں میں وہ زندگی بسر کر سکتا ہے اور وہ اس کے خلاف شان بھی نہیں تو دریں صورت ریشمی لحاف بنوا کر رکھنا اس کے مصرف سے زائد ہوگا۔ لہٰذا اس پر خمس واجب ہوگا۔ اسی طرح تمام خانگی اخراجات میں اپنی حیثیت کے ماتحت متوسط رفتار سے زائد مقدار پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ خمس صرف ایک دفعہ ہی نکالنا واجب ہے۔ جس چیز کا ایک دفعہ خمس ادا ہو جائے۔ اس پر دوبارہ خمس واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص پہلی دفعہ خمس نکالنا چاہے وہ اپنے تمام مال واسباب کا خمس ادا کرے اور آئندہ کے لئے سالانہ بچت کا حساب لگائے حالانکہ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے بلکہ خمس نکالنے والا اپنی ضروریات کی تمام اشیاء کا خود جائزہ لے کہ اپنی آمدنی میں سے کون کون سی چیزیں ضرورت کے ماتحت خریدی ہوئی ہیں اور کون کون سی زائد از ضرورت ہیں۔ پس زائد از ضرورت کا خمس نکال دے۔ خواہ وہ زائد از ضرورت چیز از قسم سامان خانگی ہو۔

مسئلہ:۔ اگر سمجھتا ہو کہ میں کئی سالوں سے زیر بار خمس ہوں لیکن صحیح مقدار معلوم نہ ہو سکے تو اندازہ کر کے خمس گزشتہ نکال دے اور کچھ زیادہ مقدار دینے کی کوشش کرے تاکہ یقینی طور پر بری الذمہ ہو سکے۔

مسئلہ:۔ زائد از ضرورت اشیاء اپنی خرید کردہ ہوں تو اپنی طرف سے خمس ادا کرے گا۔ اگر باپ کے متروکات میں سے ہوں تو ان کی طرف سے خمس ادا کرے گا۔ بشرطیکہ وہ ادا نہ کر گئے ہوں اگر وہ مذہب شیعہ نہ رکھتے ہوں تو ان کی خرید کردہ اشیاء کا خمس ان پر واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر آمدنی سے پیسہ بچا کر زمین خرید کی ہو تو اس کا خمس خود ادا کرے گا اور اگر باپ کی خرید کردہ ہو اور وہ خمس ادا نہ کر گئے ہوں تو ان کا خمس اس کی طرف سے یہ ادا کرے گا لیکن وہ اگر شیعہ نہ ہوں تو اس پر اُن کا خمس عائد نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ خانگی حیوانات کے متعلق بھی یہی دستور ہے کہ جن کے بغیر گزارہ اپنی متوسط حیثیت کے ماتحت نہیں ہو سکتا ان پر خمس نہ ہوگا لیکن جن کو زائد از ضرورت گھر میں رکھا ہوا ہے ان پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ گھر میں اگر ایک دودھ دینے والی گائے یا بھینس یا بکری مثلاً کافی ہوتی ہے لیکن بیک وقت دو گائے رکھے ایک دودھ دینے والی اور دوسری خشک تاکہ جب دودھ والی کی دودھ کی مدت ختم ہو تو دوسری دودھ دینے کے قابل ہو جائے تو اس صورت میں وہ خشک گائے زائد از ضرورت نہ ہوگی۔ پس اس پر خمس واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دو گائے کی ضرورت ہو لیکن حسب سابق دو دودھ والی اور دو خشک رکھے تو وہ چار گائیں خمس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

مسئلہ:۔ گائے، بھینس، بکری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سال کے بعد ان پر خمس واجب ہے لیکن مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں مل سکی۔ غالباً ان بچوں کو زائد از ضرورت یا بچت تصور کیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بچے عام مالدار لوگوں کے نزدیک آمدنی شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی قیمت کو جب بھی وہ فروخت ہوں آمدنی میں شمار کیا جائے گا اور پھر خمس کا تعلق حسب قاعدہ ہوگا اور تمام حیوانات کے بچوں کی یہی صورت ہے۔

مسئلہ:۔ اگر دو چار بیل ہل جوتنے یا کنواں چلانے یا دیگر ضروریات کے پیش نظر رکھے جائیں تو ان پر

خمس نہیں ہوگا۔ لیکن اگر زائد از ضرورت صرف مال بڑھانے کے لئے خرید کر لئے جائیں یا یہ کہ ان کو موٹا کر کے بیچا جائے گا تو اصل زر خرید پر خمس ہوگا اور زائد منفعت آمدنی میں شمار ہوگی۔ اونٹ، گھوڑا، گدھا اور خچر وغیرہ پر خمس کا وجوب اسی طریقہ پر ہوگا (بہر کیف بچت مال پر خمس کا وجوب ہوگا۔)

مسئلہ:۔ زمینوں میں زائد از ضرورت درخت ذریعہ آمدنی ہوا کرتے ہیں۔ ان کی فروخت زر آمدنی شمار ہوگی اور پھر حسبِ قاعدہ اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اسی طرح درختوں کے پودے جات جو بطور ذخیرہ لگوائے جائیں۔ ان کو بچت نہیں کہا جا سکتا بلکہ ذریعہ آمدنی ہوتے ہیں۔

مسئلہ:۔ ہر قسم کی آمدنی میں سے اخراجاتِ ضروریہ متوسط طور پر حسبِ حیثیت نکال لینے کے بعد خمس واجب ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ عورت کو جو چیز حق مہر میں حاصل ہو یا اپنے میکے کی طرف سے بطور عطیہ کے پہنچے اس پر خمس واجب نہ ہوگا لیکن اس کی منفعت پر خمس واجب ہوگا اور عورت کے مصارف چونکہ مرد کے ذمہ ہوتے ہیں لہٰذا عورت کی تمام منفعت پر خمس ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر مرد کی آمدنی خانگی اخراجات کی کفالت کے لئے ناکافی ہو تو عورت کے منافع سے اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ عورت رضامند ہو لہٰذا مصرف سے جو کچھ زائد ہوگا اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ عورت کی گھریلو صنعت اگر مرد کی امداد کے لئے خانگی اخراجات کے پورا کرنے کے لئے ہو تو اس پر خمس نہ ہوگا اور زائد پر خمس کا وجوب ہوگا۔

مسئلہ:۔ عورت کو اگر جائیداد وغیرہ وراثت میں پہنچے تو اس کی پوری آمدنی پر خمس واجب ہوگا اگر مرد کی آمدنی ضروریات خانگی کی کفیل ہو سکتی ہو ورنہ بچت پر خمس واجب ہوگا اسی طرح اگر عورت اپنی کفیل خود ہو تو خمس بچت اور زائد از ضرورت اشیاء پر ہوگا۔

مسئلہ:۔ عورت کو جو چیزیں جہیز میں دی جاتی ہیں خواہ از قسم پارچات و زیورات ہوں یا دیگر اشیاء ہوں اگرچہ زائد از ضرورت ہوں ان پر خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ اسی طرح مرد کو بموقعہ شادی دی جانے والی چیزوں پر خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ جو کپڑے گھر میں صرف عید و شادی کی تقریبات کے لئے مخصوص طور پر بنائے جاتے ہیں۔ وہ بھی ظاہراً داخل مصرف ہیں۔ لہٰذا ان پر بھی خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ لوگ گھروں میں لڑکیوں کیلئے جو رفتہ رفتہ جہیز تیار کرتے ہیں۔ اس تمام پر خمس واجب ہوگا۔

Imp

Imp

Imp

صرف وہ سامان خمس سے مستثنیٰ ہوگا جو شادی کے موقعہ پر حسب حیثیت متوسط طریقے سے لڑکی کو دیا جائے۔

مسئلہ:- اگر رہائشی مکان کے لئے تھوڑا تھوڑا سامان چند سالوں میں پورا کرے جب کہ اکٹھا خریدنے کی استطاعت نہ ہو اور مکان کا ضرورت مند بھی ہو تو دریں صورت اس کے علی الترتیب حسب حیثیت خرید کردہ سامان پر خمس واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ:- ضروریات زندگی حسب حیثیت مصارف میں داخل ہیں۔ بنابریں مستحبات و مباحات کے لئے تھوڑی تھوڑی بچت پر خمس ہوگا۔ پس اگر زیارت کے قصد سے تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کرتا رہے تو آمدنی کی جملہ بچتوں پر خمس واجب ہوگا سوائے اس بچت کے جس کے بعد وہ فوراً عازم سفر زیارت ہو جائے۔

مسئلہ:- اپنے مصارف کے علاوہ جو مال نقد یا غیر نقد کسی کے پاس امانت رکھے خواہ کسی فرد کے پاس رکھے یا بنک میں رکھے دونوں میں اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:- بنک سے جو منافع حاصل ہوں گے اصل زر کے علاوہ ان پر بھی خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:- وراثت، عطیہ، ہبہ، ہدیہ اور حق مہر وغیرہ پر خمس واجب نہیں ہوا کرتا۔

مسئلہ:- ہبہ، ہدیہ وغیرہ سے اگر خانگی ضروری اخراجات پورے ہو جائیں تو پھر باقی آمدنی سے مقدار اخراجات نہ نکالی جائے بلکہ سب پر خمس واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر اس سے نصف یا چوتھائی وغیرہ مصارف کا بوجھ ہلکا ہو جائے تو باقی آمدنی سے اس کے علاوہ صرف باقی ماندہ مصارف نکال کر خمس نکالا جائے گا۔ پس قاعدہ یہ ہے کہ جس مال پر خمس واجب نہیں یا واجب تھا اور اس سے خمس ادا کیا جا چکا ہے تو مصارف ضروریہ کی جو مقدار اس سے پوری ہوگی وہ واجب الخمس مال سے محسوب نہ ہوگی۔

مسئلہ:- غیر مخمس رقم سے خرید کردہ ہر چیز سے خمس ادا کرنا واجب ہوگا۔ خواہ زائد از ضرورت ہو یا نہ ہو۔

خمس میں سال کی قید

روایات کا جہاں تک تعلق ہے کسی روایت میں یہ نہیں کہ سال کے اخراجات نکالے جائیں یا چھ ماہ کے یا ایک ماہ دو ماہ کے بلکہ صرف یہ ہے کہ بعد مؤنت کے خمس ادا کرے اور مؤنت سے مراد ہے۔ اپنے حسب حیثیت اور موافق شان ضروریات زندگی کا متوسط طریقہ سے پورا کرنا اور چونکہ عرف عام میں کسی شخص کی گذران کی خوش حالی یا بدحالی کو سال کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ مثلاً فلاں شخص کا سال اچھا گزر جاتا ہے یا فلاں کا سال تکلیف سے گزرتا ہے۔ فلاں کا کاروبار اس کی سالانہ گزراوقات کے لئے کافی ہے۔ اور فلاں کا کافی نہیں ہے۔ اسی بناء پر علمائے کرام نے احادیث سے مؤنت کی لفظ کو سالانہ خانگی و ضروری اخراجات پر محمول کیا ہے لیکن وجوب خمس کے لئے سال کے گزرنے کی کوئی پابندی نہیں بلکہ اس صورت میں بھی آمدنی سے سالانہ اخراجات کو علیحدہ کرنے کے بعد خمس ادا کیا جا

سکتا ہے جیسا کہ ابتدائے بیان میں امام علی نقی علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہو چکی ہے کہ ایک شخص کو سو کُر آمدنی ہوئی جس میں سے چالیس کُر آبادی زمین اور زکوٰۃ میں چلے گئے اور ۶۰ کُر باقی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اخراجات نکال کر باقی سے خمس ادا کرے۔

غالباً عرف میں سال کی قید اس لئے ہے کہ پہلے زمانہ میں زمینوں کی آبادی کے ذرائع بالکل محدود تھے۔ اور آباد زمینیں بھی زیادہ بارش یا سیلاب سے فصل دیا کرتی تھیں اور سال میں صرف ایک دفعہ ہی ان سے فصل کی برداشت کی جا سکتی تھی اور پھر سال تک اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ آمد زمیندار طبقہ کے پاس نہ تھا۔ پس عرف نے آمد و خرچ کی حد بندی سال سے کر دی کہ فلاں کی آمدنی سال بھر کے لئے کافی ہے اور فلاں کی ناکافی ہے۔

اور چونکہ انسانی معیشت و بود و باش کی اصل زمین ہی ہے۔ لہٰذا زمیندارہ آمد و خرچ کی تحدید کو اصل قرار دیا گیا اور باقی صنعت و حرفت و تجارت و ملازمت و مزدوری وغیرہ جملہ ذرائع آمدنی کو اس کا تابع قرار دے کر مقولۂ عرفی کو ملحوظ رکھا گیا کہ فلاں کاروبار مثلاً اس کی سالانہ گذران کے لئے کافی ہے یا ناکافی ہے۔

پس یہ عرف عام کی حد بندی تحدید مؤنت میں حکم شرعی کی حیثیت نہیں رکھتی اور خصوصاً آج کل جبکہ زمینوں کی آبادکاری اور آمدنی کے بڑھانے کے اسباب و ذرائع میں کافی سہولتیں بہم پہنچائی جا چکی ہے۔ اور انسان بھی دورِ سابق کے انسانوں سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ نہروں کے جال بچھ چکے ہیں۔ ٹیوب ویل عام سے عام تر ہوتے جا رہے ہیں۔ زمینیں سونا اگل رہی ہیں۔ ایک ایک سال میں محنت کرنے والے کئی کئی فصلیں برداشت کر رہے ہیں اور پھر صنعت کاری حد سے زیادہ فروغ حاصل کر چکی ہے اور ابھی دن دگنی رات چوگنی ترقی کے منازل میں ہے۔ پیسہ کمانے کے ذرائع میں کافی وسعت آ چکی ہے۔ بنا بریں رفتہ رفتہ وہ سابق مقولہ عرفی مدھم پڑ رہا ہے اور یہ آواز بہت کم سنائی دیتی ہے کہ فلاں کا سال اچھا گزرتا ہے بلکہ اب تو جس سے پوچھا جائے کہ گزران کیسی ہے تو جواب عمومی یہی ہے کہ وقت اچھا گزرتا ہے گویا مقولہ مشہور میں سال کی جگہ وقت نے لی ہے۔

مزدور جو کام سالوں میں کرتے تھے آج مشینری کے ذریعے سے وہ کام گھنٹوں میں انجام پا رہے ہیں۔ بنا بریں جو رقم ایک مزدور یا صنعت کار سالوں میں وصول کر سکتا تھا۔ آج وہ گھنٹوں کی آمدنی شمار ہوتی ہے۔ پس آمد و خرچ میں سال کی تحدید نہ روایات میں ہے اور نہ آجکل کے عرف میں ہے اور چونکہ شریعت غراء کی بقاء قیامت تک کے لئے ہے لہٰذا معصومین علیہم السلام نے بلا تحدید سال یا مہینہ کلی طور پر ارشاد فرمایا کہ آمدنی سے اخراجات ضروریہ نکال لینے کے بعد خمس واجب ہے پس ہر زمانہ کے عرف کے ماتحت اس کا اندازہ صحیح ہو سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ جن بارانی ملکوں میں زمین کی آبادی کا دارومدار موسم مناسب کی بارشوں پر ہوتا ہے۔ وہاں بعض اوقات چند سال متواتر زمینیں فصل دیتی ہیں اور بعض اوقات ایک سال فصل دینے کے بعد دو دو سال تین تین سال بھی فصل نہیں ہوتے تو ایسے مقامات پر سال کی تحدید بالکل بے معنی ہے پس وہاں مؤنت اور اخراجاتِ ضروریہ کی تحدید ایک آمدنی سے دوسری آمدنی تک ہوگی۔ خواہ دوسری آمدنی دوسرے سال ہو یا تیسرے یا چوتھے سال۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص زمیندارہ بھی کرتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے تو اگر زمیندارہ اس کے ضروری اخراجات کا کفیل ہو سکتا ہے تو کاروبار کی جملہ آمدنی سے اس پر خمس واجب ہوگا اور اگر کاروبار کی آمدنی سے اس کے اخراجات پورے ہو سکتے ہوں تو زمیندارہ کی تمام آمدنی پر خمس واجب ہوگا لیکن اگر دونوں آمدنیاں تنہا تنہا کافی نہ ہوں تو ان دونوں سے اخراجات نکال کر مشترکہ بچت سے خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص کے ذرائع آمد متعدد ہوں۔ مثلاً زمیندار بھی ہو، ملازم بھی ہو، تاجر بھی ہو تو اگر ایک ذریعہ آمدنی اس کے اخراجات کا کفیل ہے تو باقی تمام آمدنیوں سے خمس اس پر واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر زمیندار کے پاس فصلات متعدد ہوں تو اگر ایک فصل اس کے اخراجاتِ ضروریہ کا کفیل ہو سکتا ہو تو باقی تمام فصلات سے خمس اس پر واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ چونکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ آمدنی یا مصرف کے لئے سال بھر کی کوئی قید نہیں ہے لہٰذا اگر ایک شخص کی آمدنی سال میں ایک دفعہ ہوتی ہے تو اس کو اس آمدنی سے سال بھر کے اخراجات نکال کر خمس دینا ہوگا۔ اگر آمدنی چھٹے مہینے ہو تو ایک آمدنی سے چھ ماہ کا خرچ نکالنے کے بعد خمس ہوگا اگر آمدنی ماہ بماہ ہو تو ہر آمدنی سے ماہواری خرچ نکال کر خمس دے گا اور اگر آمدنی ہفتہ وار یا یومیہ ہو تو ہفتہ یا روزمرہ کے مصارف کے بعد خمس ادا کرے گا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی شخص پر قرضہ واجب الادا ہے تو آمدنی سے مصارف ضروریہ کے علاوہ قرضہ کی مقدار نکال کر اگر بچے تو خمس واجب ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

مسئلہ:۔ اولاد کی شادی کا جائز خرچ، حج و زیارات کے اخراجات اسی طرح قربانی و عقیقہ و عزاداری کے جائز اخراجات وغیرہ سب مؤنت میں داخل ہیں لہٰذا آمدنی سے ان کو نکال کر باقی کا خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ مؤنت کی کوئی تحدید نہیں بلکہ اپنا اپنی زوجہ کا بال بچوں کا اور غلاموں، کنیزوں کا کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کا اپنی حیثیت کے مطابق متوسط خرچ، اسی طرح شادی کا خرچ، اثاثہ بیت، اور کتب دینیہ اور بقدر ضرورت حیوانات کے اخراجات اور مہمان نوازی کے مصارف یا ہبہ کرنا، صلہ رحمی کرنا صدقہ دینا، نذر و نیاز دینا یا کوئی دیگر خیراتی کام کرنا، نیز حج و زیارت کو جانا بلکہ حسب ضرورت کچھ ظالم کو دفع ظلم کے لئے دینا وغیرہ۔ یہ تمام اخراجات مؤنتہ میں داخل ہیں جن کے ساتھ دینی و دنیاوی جائز اغراض وابستہ ہوں۔

مسئلہ :- اگر حج کے لئے پیسہ جمع کرے جو اس کی مؤنتہ سے زائد ہو لیکن قرعہ اندازی میں اس کا نام نہ نکلے یا ویسے کوئی دوسری رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ تو اس پیسے پر خمس واجب ہو جائے گا۔ پھر دوسرے سال اگر اخراجات کے لئے رقم پوری ہو گی تو حج کو جائے گا۔ ورنہ استطاعت کی انتظار کرے گا۔

مسئلہ :- غیر مخمس پیسہ کا حج وزیارت پر صرف کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ :- غیر مخمس پیسہ سے اگر لباس بنایا جائے گا۔ تو اس میں نماز صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ اس میں پانچواں حصہ صاحب خمس کا ہے جس کا یہ غاصب ہے۔

مسئلہ :- غیر مخمس مال سے خیرات وصدقات دینا باعثِ ثواب تو درکنار ناجائز ہے۔ نیز عزاداریٔ سید الشہداء میں بھی اس کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ :- جو لوگ خمس ادا نہیں کرتے ان کے ہاں کھانا جب کہ معلوم ہو کہ اسی عین کے ساتھ بھی خمس متعلق ہے ناجائز ہے اور اگر کھالے تو اسی مقدار کا خمس کھانے والے پر واجب ہو گا۔ لیکن اس مقدار کے خمس سے میزبان کا بری الذمہ ہونا بھی مشکل ہے۔

مسئلہ :- جن لوگوں کے متعلق معلوم ہو کہ خمس ادا نہیں کرتے ان کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ جائز ہے لیکن اگر ایسی شے خرید کرے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے عین سے خمس متعلق ہے تو اس پر اس کا خمس واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ مقدار خمس درحقیقت اس کی ملکیت میں داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ مقدار بائع کے پاس غصبی تھی اور بائع کا ذمہ بھی بری نہ ہو گا۔ کیونکہ پانچویں حصے کی قیمت اس نے غیر کے مال کی قیمت وصول کی ہے۔

مسئلہ :- غیر شیعہ حضرات جو خمس کے قائل ہی نہیں ان سے خرید وفروخت کے معاملات جائز ہیں

مسئلہ :- جن شیعہ حضرات کے متعلق خمس ادا کرنے یا نہ کرنے کا علم نہ ہو۔ ان کے ہاں کھانے پینے میں حرج نہیں اور کسی کے متعلق یہ تحقیق کرنا بھی ضروری نہیں بلکہ حسن ظن پر محمول کرنا چاہیے۔

مواردِ خمس

خمس کل سات قسموں سے واجب ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) **غنائم دار الحرب** :- آیت مجیدہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں غنیمت کا یہ فرد تمام مسلمانوں میں مسلم طور پر مورد خمس ہے۔ یعنی کفار ومشرکین سے اسلامی لشکر جہاد کر کے جو مال حاصل کرے خواہ نقدی ہو یا دیگر سامان یا جائیداد منقول وغیر منقول ہو سب پر خمس واجب ہے۔

مسئلہ :- غنیمت کے جمع کرنے اور اسی طرح نقل وحمل وحفاظت وغیرہ پر جو خرچ ہو گا۔ وہ مجموعہ سے

نکال کر بعد میں خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: غنیمت میں سے بعض اشیاء جن کو احادیث میں بعض مخصوص اشخاص کی ملکیت کہا گیا ہے۔ وہ خمس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ مثلاً سامان شاہی یا مختصات سلطان صرف امام کے لئے ہوں گی۔ اسی طرح مقتول سے چھینی ہوئی اشیاء صرف قاتل کی ہوں گی اور اسی طرح جنگ چھڑنے سے قبل جو انعام مخصوص کسی خاص شخص کے لئے امام معین کرے گا، وہ غنیمت سے نکال کر اس کو دیا جائے گا پھر خمس نکالا جائے گا۔

مسئلہ: کافر حربی کا جو مال بھی کسی طریقہ سے مسلمان کے ہاتھ میں آجائے۔ اس پر خمس واجب ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیلات کا ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ محل ابتلا نہیں ہے۔

(۲) معادن (کان) ظرف مکان کا صیغہ ہے جو ہری سے منقول ہے عدنت البلد (میں نے شہر میں قیام کیا) عدنت الابل بمکانٍ کذا۔ اونٹ فلاں مکان پر بیٹھے۔ جَنّٰتُ عَدۡنٍ۔ ٹھیرنے کے باغات پس اس لحاظ سے معدن کا معنی ہے قرارگاہ۔ معدن ذھب یعنی سونے کی قرارگاہ۔ معدن ملح۔ یعنی نمک کی قرارگاہ وعلیٰ ھذا القیاس۔ لیکن بعض اوقات محل کی بجائے حال کو معدن کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً سونا، چاندی، نمک وغیرہ کو بھی معدن کہہ دیتے ہیں۔

معدنیات پر خمس کا وجوب: اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ :۔ کے عموم سے بھی ثابت ہے جبکہ اس کا معنی مطلق استفادہ کیا جائے اور احادیث صریحہ بھی اس پر بکثرت دال ہیں۔ چنانچہ بروایت کافی صحیح محمد بن مسلم میں ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے معدنیات سونا، چاندی، پیتل، لوہا اور سکہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ان سب پر خمس واجب ہے اور صحیح حلبی میں ہے۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ خزانہ میں کس قدر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا خمس ہے۔ پھر میں نے معدن کے متعلق پوچھا تو فرمایا خمس واجب ہے اور سکہ، پیتل، لوہا اور جملہ معدنیات کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ ان میں سے بھی اتنی مقدار واجب ہے جو سونے اور چاندی میں واجب ہے نیز صحیح محمد بن مسلم میں ہے۔ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نمکین زمین کے متعلق پوچھا کہ جس میں پانی اکٹھا ہو جائے اور پھر نمک بن جائے تو آپ نے فرمایا۔ یہ معدن ہے۔ اس میں خمس واجب ہے۔ پھر میں نے گندھک اور مٹی کے تیل کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ یہ اور اس قسم کی جملہ اشیاء پر خمس واجب ہے۔ بہرکیف اس بارے میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔ لہذا معدنیات میں وجوب خمس کے متعلق کوئی اشکال نہیں ہے۔ پس کان سے برآمد شدہ اشیاء سونا، چاندی، سکہ، پیتل، لوہا، نمک، یاقوت، زبرجد، سُرما، عقیق، فیروزہ، ہڑتال، تارکول، مٹی کا تیل، پٹرول، اور گندھک وغیرہ اس قسم کی تمام چیزوں پر خمس واجب ہوگا۔ پس ان اشیاء کے حاصل کرنے کے اور صاف کرنے کے اخراجات خمس سے پہلے نکال لئے جائیں

گے اور بعد میں اگر نصاب زکوٰۃ کی مقدار ہوگی تو خمس واجب ورنہ کم پر واجب نہ ہوگا چنانچہ بروایت تہذیب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ کیا معدنیات تھوڑے یا بہت سب پر خمس واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کچھ واجب نہ ہوگا۔ جبتک کہ نصاب زکوٰۃ کی مقدار یعنی بیس دینار کی قیمت کو نہ پہنچ جائے۔

مسئلہ: اگر معدنیات نصاب سے کم حاصل ہوں تو ارباح مکاسب میں یعنی مطلق آمدنی میں داخل ہوں گے لہذا اخراجات ضروریہ سے بچت کے بعد ان پر خمس واجب ہوگا۔

(۳) **خزانہ**: یعنی ہر وہ مال جو زمین کے نیچے بطور ذخیرہ کے دفن کیا گیا ہو۔ عموم آیتہ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے علاوہ احادیث اس سے وجوب خمس پر دلالت کرتی ہیں۔

مسئلہ: خزانہ کا نصاب بھی وہی ہے جو معدن کا ہے یعنی اگر نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو خمس واجب ہے پس اگر خزانہ میں چاندی ہے تو چاندی کا نصاب دوسو درہم ملحوظ ہوگا اور اگر سونا ہے تو سونے کا نصاب بیس دینار ملحوظ ہوگا۔ لیکن اگر ان دونوں کے ماسوا ہو تو نقدین میں سے ایک نصاب کی قیمت نصاب ہوگی۔

مسئلہ: اگر خزانہ دارالحرب یعنی کفار کے علاقہ سے دستیاب ہو تو جس کو ملے اس کا ہوگا اور اس پر خمس کا اخراج واجب ہوگا لیکن اگر دارالاسلام سے ملے اور کسی مسلمان کی ملکیت معلوم ہوجائے تو اس کو یا اس کے ورثا کو رد کرنا واجب ہوگا اور اگر زمین مباح میں سے ملے اور اس پر کوئی نشان موجود نہ ہو تو جس کو ملے گا اسی کا ہوگا لیکن خمس کی ادائیگی واجب ہوگی۔

مسئلہ: اگر خزانہ اپنی زمین سے دستیاب ہو تو جس سے زمین خریدی تھی۔ ان سے دریافت کرے اگر ان کا نہ ہو تو جس سے انہوں نے خریدی تھی ان سے پوچھا جائے۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس اگر مالک مل جائے تو ان کو دے دے ورنہ خمس کی ادائیگی کے بعد اس پر حلال ہوگا۔

مسئلہ: اگر انسان کوئی حیوان وغیرہ خرید کرے اور اس کے اندر سے کوئی قیمتی چیز نکل آئے تو بیچنے والے سے دریافت کرے اگر کسی کی ملکیت معلوم ہوجائے تو اس کو لوٹا دے۔ ورنہ خمس کے بعد اس پر حلال ہوگی اور اگر مچھلی کے پیٹ سے کوئی چیز نکل آئے تو بیچنے والے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خمس کے بعد اس کے اوپر حلال ہوگی۔

مسئلہ: اگر خزانہ کی مقدار نصاب سے کم ہو تو اس کا شمار عام آمدنیوں میں ہوگا اور ارباح مکاسب کی شرائط کے ماتحت اخراجات کے بعد اس پر خمس واجب ہوگا۔

(۴) **غوص**: یعنی دریا، سمندر میں غوطہ لگانے سے جو قیمتی چیز موتی وغیرہ نکالے، اخراجات غوص کے بعد اگر اس کی قیمت ایک دینار تک پہنچ جائے تو اس میں خمس واجب ہوگا اور اگر دینار سے کم ہو تو ارباح مکاسب میں

داخل ہوگا۔

مسئلہ:۔ عنبر پر بھی خمس واجب ہے پس اگر غوطہ سے حاصل ہو تو ایک دینار نصاب ہوگا اور اگر ساحل سے حاصل ہو تو چونکہ اس کے لئے روایت میں نصاب کا تعین نہیں لہٰذا مطلقاً اس پر خمس واجب ہوگا خواہ کم ہو یا زیادہ۔

(۵) کافر ذمی:۔ اگر مسلمان سے زمین خرید کرے تو اس پر زمین کا خمس واجب ہوگا یعنی فروخت کنندہ کو پوری زمین کی قیمت ادا کرنے کے بعد اس پر خمس بھی واجب ہوگا جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے چنانچہ صحیحہ ابوعبیدہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو ذمی مسلمان سے کوئی زمین خریدے اس پر اس کا خمس واجب ہے یعنی خواہ وہ کاشت کے لئے ہو یا مکانات وغیرہ کے لئے ہو اور صاحب خمس کی مرضی خواہ زمین سے پانچواں حصہ لے لے یا اس کی قیمت سے پانچواں حصہ وصول کرے۔

(۶) حلال جو حرام سے مل جائے:۔ اس کا خمس ادا کرنا واجب ہے یعنی اگر ایک شخص کے مال میں کسی دوسرے کا مال مل گیا ہو اور مالک بھی معلوم نہ ہو۔ نیز حرام کے متعلق یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس قدر ہے تو اس صورت میں اس سے خمس کی ادائیگی اس مال کو حلال کر دے گی۔

اگر غیر شخص جس کا مال اس کے مال میں مل گیا ہے معلوم ہو جائے یا اس کے ورثہ کا سراغ مل جائے تو پس اگر ان کے مال کی مقدار معلوم ہے تو وہ واپس کر دے اور اگر معلوم نہ ہو تو ان سے مصالحت کر لے اس صورت میں خمس کا ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔

جس شخص کا مال اس کے مال میں مل چکا ہے اگر وہ نہ معلوم ہو اور نہ اس کے ورثہ کا پتہ ہو تو دریں صورت اگر مال کی مقدار معلوم ہو تو اسی قدر اصل مالک کی طرف سے تصدق کر دے لیکن بعد میں اگر مالک مل گیا اور اس تصدق پر راضی ہوا تو ٹھیک ورنہ اس کو راضی کرنا ضروری ہوگا اور اگر مال کی مقدار معلوم نہ ہو یا اس قدر معلوم ہو کہ وہ پانچویں حصہ سے کم ہوگی یا پانچواں حصہ ہوگی تو ان صورتوں میں خمس کا ادا کرنا کافی ہے لیکن اگر جانتا ہو کہ پانچویں حصہ سے بہر صورت مال مخلوط کی مقدار زیادہ تھی اگرچہ صحیح نسبت معلوم نہیں تو اس صورت میں پانچواں حصہ خمس نکالے اور باقی زائد مقدار کا اصل مالک کی طرف سے صدقہ دے۔

(۷) ارباح مکاسب:۔ یعنی ذرائع کسب کے منافع جن کی تفصیل گزر چکی ہے یعنی زمینداری یا تجارت، کاشت، صنعت و حرفت، اجارہ، ملازمت اور مزدوری وغیرہ جو بھی ذرائع آمدنی ہو سکتے ہیں۔ حسب تفصیل مذکورہ پر خمس واجب ہے۔

تقسیم خمس

موثقہ ابن بکیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام یا امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت مجیدہ:۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ۔ الخ کی تفسیر میں منقول ہے کہ خمس میں اللہ کا حق بھی امام کے

لئے ہے اور رسولؐ کا حق بھی امام کے لئے ہے اور ذوالقربیٰ سے مراد قرابتِ رسول ہے اور وہ بھی امام ہے اس کے بعد یتیم و مسکین اور مسافر بھی آلِ رسولؐ سے مراد ہیں۔

مرفوعہ احمد بن محمد میں معصوم نے فرمایا کہ خمس چھ حصوں میں تقسیم ہوگا۔

(۱) ایک سہم اللہ کا

(۲) ایک سہم رسولؐ کا

(۳) ایک سہم ذوالقربیٰ کا

(۴) ایک سہم یتیموں کا

(۵) ایک سہم مسکینوں کا

(۶) ایک سہم مسافروں کا۔

پس جو سہم اللہ کا ہے اس کا حقدار رسول ہے اور جو رسول کے لئے ہے وہ ذوی القربیٰ اور حجّت زمانہ کے لئے ہے پس آدھا خمس تو حجّت زمانہ کے لئے ہے اور باقی آدھا آلِ محمد کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے جن کے لئے صدقہ، زکوٰۃ حلال نہیں ان کو خدا نے ان کے بدلے میں خمس دیا ہے پس خود امام ہی ان کو بقدر کفایت عطا کرے گا اگر ان سے بچ جائے گا تو وہ امام کا ہوگا اور اگر کم ہوگا تو امام اس کو اپنی گرہ سے پورا کرے گا۔ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

خمس ارباحِ مکاسب کی اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے اور بعضوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ خمس صرف امام کا حق ہے اور بعض مقامات پر امام کا اپنے شیعوں کو مقتضائے حالاتِ زمانہ کے پیشِ نظر معاف کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ خمس صرف امام کا حق ہی تھا۔ ورنہ وہ تنہا معاف کیوں کرتے؟ علمائے اعلام نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ امام ولی امر ہے۔ اس لئے روایات میں خمس کی نسبت ان کی طرف ہے اور اس اعتبار سے وہ معاف بھی کر سکتے ہیں کیونکہ باقی مستحقین خمس کی کمی کو پورا کرنے والے بھی آپ ہیں

بہرکیف مقتضائے احتیاط یہی ہے کہ خمس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ صرف امام کے لئے اور دوسرا حصہ سادات کے لئے۔ کیونکہ اگر امام زمانہ ظاہر ہوتے۔ تب بھی نصف حصہ بلکہ بعض اوقات نصف سے زیادہ بھی سادات مستحقین پر تقسیم فرماتے اور یہاں سادات سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جن کا سلسلۂ نصب حضرت عبدالمطلب تک پہنچے اور اس زمانہ میں چونکہ سادات علویین کے علاوہ کسی کے متعلق صحیح یقین پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا نسب حضرت عبدالمطلب تک پہنچتا ہے۔ اس لئے خمس سادات علویین تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے شجرۂ نسب کی نقل میں ہر دور میں اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ پس ہر وہ شخص

جو اپنے مقام پر سید کہلاتا ہو اور اس کا کذب معلوم نہ ہو اور علاقہ بھر میں ان کا خاندان سید ہی مشہور ہو تو اس کو خمس دیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ دور حاضر میں جھوٹے مدعی سیادت بھی بکثرت پیدا ہو چکے ہیں۔ لہذا اگر کوئی غیر معروف آدمی اپنے تئیں سید کہلائے اور خمس کی خواہش کرے تو دینے والے کو احتیاط سے کام لینا چاہیئے ورنہ اگر وہ جھوٹا ثابت ہو گیا تو خمس دوبارہ دینا ہی لازم ہو گا۔

مسئلہ:۔ تقسیم خمس میں تمام سادات کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں بلکہ ان میں سے بعض مستحقین تک پہنچا دینا کافی ہے اور نصف حصہ مال سادات کو تین حصوں پر تقسیم کرکے ایک حصہ یتیموں کا اور ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا مقرر کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مال سادات کو خواہ سادات یتیموں پر تقسیم کرے خواہ مسکینوں پر تقسیم کرے خواہ مسافروں پر تقسیم کرے اور اگر ممکن ہو تو ہر صنف تک پہنچا دے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ وہ مستحق ہو۔ یعنی وہ اپنے اخراجات کا خود کفیل نہ ہو سکتا ہو اور اگر مسافر ہے تو ادائے خمس کے موقع پر وہ صاحب احتیاج ہو۔

مسئلہ:۔ عام گداگر لوگ جو چل پھر کر بھیک مانگتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہم سید ہیں جب تک ان کے سید ہونے کی پوری تصدیق نہ ہو جائے۔ ان کو خمس نہیں دیا جا سکتا اور سید ہونے کے علاوہ اس کا مستحق ہونا بھی معلوم کرے۔

مسئلہ:۔ اچھے خاصے لوگ جو گداگری کو پیشہ بنالیں ان کو سائل کی حیثیت سے کچھ دے دینا چاہیئے لیکن خمس سے صرف اس سید کی امداد کی جائے جو بغیر مجبوری کے دست سوال دراز نہ کرتا ہو (یعنی اس کا مستحق خمس ہونا معلوم ہو۔

مسئلہ:۔ مستحق خمس میں اوصاف حسنہ و خصال حمیدہ کا خیال بھی رکھنا چاہیئے۔ نمازی و روزہ دار اور خوف خدا رکھنے والا اور شریعت کا پابند ہو۔ پس جو شخص اعلانیہ شریعت سے باغی اور حدود اسلامی کے توڑنے والا ہو ایسے شخص کو خمس دینے سے گریز کیا جائے کیونکہ ایسوں کو خمس دینا دشمنی دین میں اس کی ہمت افزائی کے مترادف ہے لہذا وہ سادات طلبہ جو علوم دینیہ میں اپنی عمر عزیز خرچ کرتے ہیں۔ خمس سادات سے ان کی امداد کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

مسئلہ:۔ مستحق خمس میں شرط ایمان کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے لہذا غیر شیعہ سید کو خمس نہیں دیا جا سکتا۔

مسئلہ:۔ اگر امام ظاہر موجود ہو تو سارا خمس ان کے حوالے کر دینا ضروری ہے۔ پس وہ جس طرح مناسب سمجھیں گے تقسیم فرمائیں گے اور زمان رسالت سے لے کر آخر زمان آئمہ تک یہی دستور رہا ہے کہ خمس ادا کرنے والے نبی تک پہنچایا کرتے تھے اور وہ حسب مصلحت و ضرورت اولاد عبدالمطلب میں تقسیم فرماتے

رہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خمس ادا کرنے والوں نے نصف کو نبی یا امام تک پہنچایا ہو اور باقی نصف کو خود تقسیم کیا ہو اور آئمہ نے بھی کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نصف کو ہم تک پہنچا دو اور باقی نصف کو قریبی سادات تک پہنچا دو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا دور چونکہ سخت تقیہ کا زمانہ تھا تو انہوں نے شیعوں کی معذوری کے پیش نظر اور اپنی جانی و مالی حفاظت کی خاطر خمس کی ادائیگی سے شیعوں کو بری کر دیا اور یہ نہیں کہا کہ ہم تک نہیں پہنچا سکتے تو باقی سادات کو سارا یا کم از کم آدھا دے دیا کرو۔

اسی طرح ان کے بعد جب امام علی رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام اور بعد کے آئمہ علیہم السلام نے خمس کا پر زور مطالبہ فرمایا تو یہی حکم دیا کہ ہم تک پہنچاؤ۔ حالانکہ اس زمانے میں سادات اطراف عالم میں پھیل چکے تھے۔ یہ کبھی نہیں فرمایا کہ نصف ہم تک پہنچایا کرو اور باقی نصف اپنے قریبی سادات کو دے دیا کرو۔ امام رضا علیہ السلام خراسان میں تھے اور اکثر سادات عراق و حجاز میں تھے۔ تاہم امامؑ نے خمس سارے کا سارا اپنی طرف ہی طلب فرمایا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خمس سارے کا سارا امام کی خدمت میں پیش کیا جانا ضروری ہے۔ اور پھر اس کی تقسیم ان کی اپنی صواب دید پر موقوف ہے۔

سہم امام علیہ السلام

مسئلہ:۔ انفال کے بیان میں گزر چکا ہے کہ مال انفال سب کا سب امام کے لئے ہوا کرتا ہے اور وہ گیارہ چیزیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) وہ زمین جس کو دشمنانِ اسلام چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔
(۲) بغیر لڑائی کے جو زمین کفار نے صلح کے طور پر اہل اسلام کے سپرد کر دی ہو۔
(۳) بنجر زمین
(۴) شاہی مختصات بشرطیکہ کسی مسلمان سے غصب شدہ نہ ہوں۔
(۵) غنیمت دار الحرب میں سے جو کچھ امامؑ اپنی ذات کے لئے پسند کرے۔
(۶) بغیر اذن امامؑ کے جو لڑنے والے غنیمت حاصل کریں۔
(۷) وہ میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو۔
(۸) پہاڑوں کی چوٹیاں۔
(۹) وادیاں
(۱۰) جنگلات

(۱۱) معدنیات

مسئلہ: اس مطلب پر احادیث بکثرت موجود ہیں کہ معدنیات مال انفال میں سے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات انفال کے بیان میں گزر بھی چکی ہیں اور بعض احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اگر کسی کو معدن مل جائے تو بعد از نصاب اس سے خمس نکالے۔ پھر باقی اسی پر حلال ہو گی۔ یہ اجازت آئمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف سے احسان ہے جو صرف ان کے موالیوں پر ہے ورنہ ان کے دشمن اس سلسلہ میں ان کے حقوق کے غاصب ہیں۔

مسئلہ: خمس کا نصف حصہ اور مال انفال سارا جس کو فئے بھی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کو سہم امام یا مال امام کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جو زمینیں کفار سے بصورت فتح کے زبردستی لی جائیں وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ اول سے آخر تک مسلمان اس میں برابر کے شریک ہیں۔

شیعوں کے لئے اباحت

۱۔ صحیحہ عمر بن یزید۔ ابو سیار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ میں غوص پر تعینات تھا جس سے مجھے چار لاکھ درہم کی آمدنی ہوئی۔ پس میں اس میں سے اسی ہزار خمس لایا ہوں اور میں نے اس کا رکھنا مناسب نہیں سمجھا کہ یہ آپ کا وہ حق ہے جس کو خدا نے ہمارے اموال میں فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ زمین اور زمین سے جو چیز برآمد ہو۔ بس اس میں سے ہمارا صرف خمس ہے۔ اے ابو سیار! زمین صرف ہماری ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے سب ہمارا ہے ابو سیار کہتا ہے میں نے عرض کی تو میں سارا مال اٹھا لاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو سیار! وہ ہم نے تیرے لئے طیب و حلال کیا ہے۔ پس اپنا مال اپنے پاس رکھ اور ہمارے شیعوں کے پاس جو کچھ زمینیں ہیں وہ ان میں بری ہیں اور ان پر حلال ہیں۔ تاوقتیکہ حضرت قائم تشریف نہیں لاتے اور جب وہ آئیں گے تو زمین ان کے پاس رہنے دیں گے لیکن اس کا ٹیکس وصول فرمائیں گے لیکن جو زمینیں غیروں کے پاس ہیں۔ ان کا زمین سے کھانا حرام ہے حتیٰ کہ جب حضرت قائم تشریف لائیں گے تو زمینیں ان سے چھین لیں گے اور ان کو ذلیل کر کے نکال دیں گے۔

۲۔ خبر یونس بن ظبیان یا معلی بن خنیس۔ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے پوچھا۔ زمین میں سے آپ کا کس قدر حق ہے؟ تو ہنس کر فرمایا۔ جبرئیل نے بحکم پروردگار زمین پر آٹھ بڑے دریا بنائے پس وہ جہاں تک سیراب کریں ہمارا ہے اور جو ہمارا ہے وہ ہمارے شیعوں کا ہے اور اس میں سے ہمارے دشمن کے لئے کچھ بھی نہیں ہے مگر بطور غصب اور ہمارا موالی زمین و آسمان سے زیادہ وسعت

میں ہے

۴۔ خبر حارث بن مغیرہ کہتا ہے ۔ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ میں موجود تھا کہ نجیہ نے اذن چاہا ۔ آپ نے اذن دیا اور وہ داخل ہوا گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور عرض کی میں آپ پر فدا ہوں ۔ ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں اور اس سے میری غرض صرف آتش جہنم سے اپنی گردن آزاد کرنا ہے بس آپ درست بیٹھ گئے اور فرمایا پوچھو ۔ اے نجیہ ! اور تم جو بھی پوچھو گے ۔ آج میں بتاؤں گا ۔ اس نے عرض کی میں آپ پہ فدا ہوں ۔ آپ فلاں و فلاں کے متعلق کیا فرماتے ہیں ؟ تو فرمایا اے نجیہ! تحقیق خمس کتاب خدا میں ہمارا ہے ۔ انفال ہمارا ہے ۔ صفوالمال یعنی شاہی مخصوص مال ہمارا ہے ۔ خدا کی قسم ! ان دونوں نے پہلے پہل ہم اہل بیت کے حق پر زیادتی کی اور پہلے پہل لوگوں کو ہماری گردنوں پر سوار کیا اور ہم اہل بیت پر ظلم کی وجہ سے قیامت تک کے ہمارے خون ان دونوں کی گردنوں پر ہیں اور ہم اہل بیت پر ظلم کی وجہ سے لوگ قیامت تک حرام میں زندگی بسر کر رہے ہیں یہ سن کر نجیہ نے تین مرتبہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا اور کہا رب کعبہ کی قسم ! ہم لوگ تو ہلاک ہو گئے ۔ پس آپ نے اپنے جسد مبارک کو تکیہ سے الگ کر کے منہ مبارک قبلہ رُخ پھیر لیا اور ایک دُعا پڑھی ۔ جس کو میں نہ سمجھ سکا البتہ آخر دعا میں اتنا ہی سُنا کہ فرما رہے تھے ۔ اے اللہ ! ہم نے اپنے شیعوں پر حلال کیا ہے پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا ۔ اے نجیہ ! ملت ابراہیم پر سوائے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے اور کوئی بھی نہیں ہے ۔

اقول :۔ ان روایات سے اور اس قسم کی دیگر روایات کثیرہ سے جہاں ایک طرف یہ استفادہ ہوتا ہے کہ وقتی مصلحت اور خوفِ دشمنانِ دین کے پیش نظر صادقین علیہما السلام نے اپنے شیعوں کو معذور سمجھتے ہوئے اپنے حقوق معاف فرما دیئے تھے وہاں ساتھ ساتھ اس کا بھی کھلے لفظوں میں اعلان ہے کہ زمین کی ہر چیز پر دشمنانِ اہل بیتؑ کا تصرف غاصبانہ ہے اور ان کی جانب سے بصورت لین دین جو کچھ شیعوں کی طرف وقتاً فوقتاً منتقل ہوتا ہے ہم نے ان کو معاف کر دیا ہے ۔

پس مالِ انفال زمین اور اس کے تابع جملہ معدنیات میں تصرف انہوں نے اپنے شیعوں کے لئے حلال و مباح کیا ہے اسی طرح جو غنیمتیں وہ لوگ حاصل کرتے تھے وہ بھی چونکہ بغیر اذن امام ہونے کی حیثیت سے سب کی سب مالِ امام تھیں ۔ ان کو بھی شیعوں پر حلال کیا ہے ۔ اسی طرح کنیزوں پر تصرفات اور سلطانی جوائز وغیرہ سب اسی قبیل میں داخل ہیں ۔

چنانچہ بروایت غوالی اللئالی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا ۔ اے فرزند رسولؐ ! وہ چیزیں جو آپ کے ساتھ خدا نے مختص فرمائی ہیں ۔ جب امام غائب پوشیدہ ہو گا تو شیعہ لوگ کیسے تصرفات

کریں گے ؟ فرمایا ۔ ہمارا انصاف تو نہ ہوا اگر ہم ان سے مؤاخذہ کریں اور ہماری محبت نہ ہوئی اگر ہم ان کو گرفت کریں ۔ ہم نے ان کے لئے مساکن کو مباح کیا ہے تاکہ ان کی عبادتیں درست ہوں اور ان کے نکاح مباح کئے ۔ تاکہ اُن کی ولادتیں ٹھیک ہوں اور خرید و فروخت کو ان پر حلال کیا ۔ تاکہ ان کے مال پاکیزہ ہوں ۔

اسی طرح حدیث فضیل میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ جو شخص اپنے جگر میں ہماری محبت کی ٹھنڈک محسوس کرے ۔ اس کو پہلی نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے ۔ راوی نے پوچھا کہ پہلی نعمت سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا ۔ ولادت کی پاکیزگی ۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام نے مناکح ، متاجر اور مساکین کو شیعوں کے لئے مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور یہ چیزیں ان کے لئے خمس سے مستثنیٰ ہیں ۔

مناکح سے مراد وہ کنیزیں جو بلا اذن امام جہاد کے ذریعہ حاصل کی جائیں ۔ وہ چونکہ ملک امام ہیں اور عام لوگوں کا تصرف ان میں ناجائز ہے پس زمان غیبت میں شیعوں کے لئے ان کو حلال کیا گیا ہے ۔ تاکہ ان کی ولادت پاکیزہ رہے ۔

متاجر سے مراد عام خرید و فروخت چونکہ لوگوں نے آئمہ کے حقوق پر زبردستی قبضہ کیا اور ان کے حقوق غصب کئے لہٰذا ان کا تصرف خمس کی نہ ادائیگی کی وجہ سے غاصبانہ ہے ۔ پس ان سے خرید و فروخت ولین دین کی صورت میں ان سے حاصل ہونے والی اشیاء کو شیعوں پر مباح قرار دیا گیا ہے اور چونکہ متاجر کا استثناء عام ہے لہٰذا ہر خمس نہ ادا کرنے والے سے کوئی چیز خرید کرنے والے پر وہ چیز حلال و مباح ہوگی ۔

مساکن سے مراد یہ ہے کہ چونکہ ایسی زمین کے تصرفات کا حق صرف امام کو تھا اور مال انفال میں داخل تھی اور وہ منتقل ہو کر شیعوں تک پہنچے یا پہاڑ وغیرہ تو وہ شیعوں کے لئے مباح کر دیئے گئے اور زمین سے خارج ہونے والی جملہ معدنیات بھی جو اسباب لین دین سے شیعوں کی طرف منتقل ہوتی ہیں ان پر مباح ہیں ۔

زمانِ غیبت میں خمس

بعید نہیں کہ آئمہ نے جن جن مقامات پر شیعوں پر خمس کو معاف کیا ہے ان کے فرامین کا منصرف یہی تین چیزیں ہوں کیونکہ اکثر معافی کی احادیث میں یہ ذکر ساتھ موجود ہے کہ ہم نے معاف اس لئے کیا ہے تاکہ ان کی ولادت پاکیزہ ہو اور وہ معافی بھی اس بناء پر کہ پر آشوب دور میں شیعوں کا آئمہ تک پہنچنا آسان نہیں تھا کہ بالمشافہ فرداً فرداً اجازت حاصل کر لیں کیونکہ آئمہ سے اعلانیہ ملاقات تقیہ کے منافی تھی اور حضرت قائم آل محمد کی غیبت صغریٰ کے دَور میں تقیہ کی اہمیت اور زیادہ سخت تھی جس کی بناء پر آپ نے اپنے حقوق سے دست برداری کا اعلان فرمایا تھا ۔ ورنہ آپ سے ایک دوسری توقیع مروی ہے جس میں خمس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ نقل کی جا چکی ہے ۔

بہرکیف مالِ انفال زمانِ غیبت میں شیعوں پر معاف اور مباح ہے۔ جیسے کہ احادیث اس امر پر ناطق ہیں اور بنابریں مناکح، مساکن اور متاجر بھی حلال و مباح ہیں۔ باقی رہا ارباحِ مکاسب یعنی عمومی آمدنیوں کا معاملہ خواہ اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو تو اس کا خمس اصل شریعت میں ثابت ہے اور اس کی معافی کا کوئی یقین نہیں جس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) زمانِ صادقین علیہما السلام میں لوگ خمس کا وجوب مسلم طور پر سمجھتے تھے چنانچہ گزشتہ احادیث اس امر پر شاہد ہیں۔

(۲) آئمہ نے وجوبِ خمس کا بھی انکار نہیں فرمایا بلکہ بعض اوقات مصلحتوں کے ماتحت معافی ان کی تطہیرِ مالی اور تزکیہ نسل کے پیش نظر تھی کیونکہ وہ زمانہ کی نزاکت کے ماتحت ادائیگی خمس سے قاصر تھے۔

(۳) حضرت امام رضا علیہ السلام اور بعد کے آئمہ کے دور کے مومنین کے سامنے صادقین علیہما السلام کی معافی والی حدیثیں موجود تھیں لیکن پھر ان کا اپنے آئمہ وقت سے معافی چاہنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سابقہ معافی کو وقتی مصلحت سمجھتے تھے اور خمس کی ادائیگی کا وجوب ان کے نزدیک مسلم تھا۔

(۴) امام رضا علیہ السلام اور بعد کے آئمہ نے شیعوں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ خمس کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کریں اور ان کی جانب سے وکلاء بھی معین تھے۔

(۵) غیبتِ صغریٰ و کبریٰ کے زمانہ میں حضرت قائم علیہ السلام کے نواب خمس کی وصولی کیا کرتے تھے چنانچہ اس سے قبل ایک روایت میں اس امر کا اشارہ ہو چکا ہے۔

(۶) خمس کی معافی والی حدیثیں حضرت امیر علیہ السلام بلکہ جناب رسالتمآب سے لے کر حضرت قائم علیہ السلام تک معصومین سے مروی ہیں لیکن بایں ہمہ کسی زمانہ کے شیعوں نے اس کو معاف نہیں سمجھا بلکہ ہر زمانہ کے شیعہ اپنے دور کے امام سے بطور تشفی یا بالغرض گلو خلاصی پوچھتے رہے اور مناسب جوابات حاصل کرتے رہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس معافی کو معافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ معذوری سمجھتے تھے یا یہ کہ اس معافی کو صرف مالِ انفال کی حلیت و اباحت تک محدود سمجھتے تھے یا مناکح و مساکن و متاجر وغیرہ پر محمول کرتے تھے پس دورِ اوّل سے لے کر تا دورِ غیبت اور دورِ غیبتِ صغریٰ سے لے کر اس زمانہ تک کے تمام شیعہ وجوبِ خمس پر نسلاً بعد نسلٍ قائم ہیں اور تمام مسلمانوں سے یہ مسئلہ شیعہ قوم میں امتیازی اہمیت کا حامل ہے اگر ان کو یقین ہوتا کہ ادائیگی خمس کا وجوب برطرف کیا گیا تو اس مالی معافی کو کون نہیں قبول کرتا۔ لوگ تو بہانہ تلاش کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں ایک پیسہ دینے سے بھی گلو خلاصی کی صورت نکل آئے۔ پس اگر معاف ہوتا تو اوّل سے لے کر آج تک مسئلہ تمام شیعوں میں عام ہوتا اور

مسلمات میں سے ہوتا۔ اس میں ذرہ بھر کسی کو اختلاف کی گنجائش تک نہ مل سکتی بلکہ خمس کا نام تک کوئی نہ لیتا۔ جس طرح عام مسلمانوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا کرتا۔ فروع دین میں خمس کا نام گنوا کر دورِ اوّل سے شیعہ بچوں کے اذہان میں یہ امر راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس مسئلہ میں کسی وقت شک کرنے کی گنجائش نہ رہے۔

زمانِ غیبت میں خمس کا تصرّف

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر امام تک رسائی کا امکان ہوتا تو سارا خمس ان کے حوالہ کیا جاتا اور وہ اس کو اپنی صوابدید پر خرچ فرماتے لیکن اب جبکہ وہ پردۂ غیبت میں ہے تو چونکہ امام زمانہ نصف حصہ کو سادات پر خرچ فرمایا کرتے تھے لہٰذا ان کی نیابت میں نصف حصہ کو سادات، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ جن میں ایسے صفات موجود ہوں کہ امام علیہم السلام ان کی امداد سے خورسند ہوں۔ پس مستحقین سادات میں افضل فالافضل افراد کی تلاش ضروری ہے اور سب سے بہتر اس دور میں وہ سادات ہیں جو اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کی شریعت کے احیاء کی خاطر علوم دینیہ میں مشغول تحصیل ہیں۔ وہ مسافروں میں سے افضل مسافر ہوں۔ مسکینوں میں افضل مسکین ہیں اور اگر یتیم ہوں تو یتامیٰ میں سے افضل یتیم ہیں۔ لہٰذا ان کو خمس سادات میں سے حصہ دینا سب سے زیادہ باعثِ ثواب اور ذریعہ خوشنودئ امام ہوگا۔ باقی رہا نصف حصہ جو مخصوص امام کے ساتھ ہے تو غائب کے مال کے متعلق جو احکام موجود ہیں۔ وہ یہاں بھی جاری کئے جا سکتے ہیں اور ان کا حصہ ایسے امور پر صرف کیا جائیگا جہاں امام کی رضا حتمی ہو اور دورِ حاضر میں چونکہ خوشنودی امام کے لئے نشر و اشاعت دین اور خدمت علوم شرعیہ سے بڑھ کر اور دوسری کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور حجت خدا کا مطمح نظر ہی ترویج دین اور اشاعت مذہب ہوتا ہے۔ پس دورِ حاضر میں لادینی کے ہمہ گیر اور بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ کے لئے جس قدر طاقت نشر و اشاعت دین پر صرف کی جائے کم ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ہر چہار سو شیطان کے جال بچھے ہوئے ہیں اور ان میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اس طرف دین و مذہب سے بغاوت عام سے عام تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پس دشمن اسلام کے مقابلے کے لئے مدارس دینیہ کی کثرت اور علوم دینیہ کی اشاعت کے مراکز کی بہتات ایک ایسا پکا مورچہ ہے جو کبھی دشمنان دین سے مفتوح نہیں ہو سکتا۔ پس اس زمانہ میں سہم امام علیہ السلام کا مصرف اہم مدارس دینیہ کی امداد اور علماء و طلباء کی اعانت ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ سہم امام کے مصرف کی اہمیت کے پیش نظر اس کا تصرف بھی امر اہم ہے۔ لہٰذا ہر شخص اس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی اہمیت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ پس سہم امام علیہ السلام ایسے شخص کے حوالہ کرنا ضروری ہے جو آئمہ کی طرف سے دین میں امین ہو اور جس کے متعلق یقین ہو کہ سہم امام کو اپنی اغراض کا

نشانہ نہ بنائے گا۔ بلکہ اہم فالاہم امور پر اس کو خرچ کرنے کی کوشش کرے گا اور امام علیہ السلام کی رضامندی کا احراز اس کا مطمح نظر ہو گا۔

بنابریں اکثر مجتہدین عظام کا مسلک یہی ہے کہ زمان غیبت میں سہم امام علیہ السلام مجتہد جامع الشرائط کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ اس کو اپنی صواب دید سے ایسے مقام پر خرچ کرے جہاں رضامندی امام کا یقین ہو۔ پس مجتہد جامع الشرائط تک پہنچا دینے سے خمس دینے والے کا ذمہ بری ہو جائے گا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس تک خمس پہنچایا جائے وہ اعلم دوران ہو، بلکہ جس مجتہد جامع الشرائط تک پہنچائے گا۔ اس کا ذمہ بری ہو گا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کو دے جس کی تقلید کرتا ہے اور نیز جس کی تقلید کر رہا ہے اس سے اذن حاصل کرنا سب بلا دلیل ہیں اس بارے میں حضرت حجت علیہ السلام سے جو روایت منقول ہے وہ یہ ہے کہ بروایت وسائل اکمال الدین سے مروی ہے۔ اسحٰق بن یعقوب کہتا ہے۔ میں نے محمد بن عثمان عمری سے خواہش کی کہ سرکار کی بارگاہ میں میرا عریضہ پہنچا دے جس میں میں نے چند مشکل مسائل دریافت کئے تھے پس حضرت صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ السلام کی جانب سے حضور کے اپنے خط شریف سے توقیع وارد ہوئی جس میں یہ تھا۔ اما الحوادث الواقعه فارجعوا فیها الی رواة احادیثنا فانهم حجتی علیکم و انا حجة الله واما محمد بن عثمان العمری فرضی الله عنه وعن ابیه فانه ثقتی وکتابه کتابی۔ یعنی واقع ہونے والے امور میں ہمارے احادیث کے روایت کرنے والوں کی طرف رجوع کیا کرو۔ کیونکہ وہ میری طرف سے تم لوگوں پر حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں، لیکن محمد بن عثمان عمری پس خدا اس سے اور اس کے باپ سے راضی ہو وہ میرا موثق آدمی ہے اور اس کا مکتوب میرا مکتوب ہے۔

اس روایت میں اگرچہ یہ مناقشہ کیا جاتا ہے کہ یہاں حضورؑ نے نقل روایت و فتویٰ اور دیگر شرعی فیصلوں میں رواۃ حدیث کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے نہ کہ ان کے اموال میں تصرف کی بھی اجازت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فانهم حجتی علیکم کے الفاظ صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ زمانہ غیبت کے لوگوں پر حضورؑ نے حجت تمام کی کہ کسی معاملہ میں وہ عذر خواہی نہ کر سکیں اور مقصد یہ ہے کہ بالعموم جن جن چیزوں میں تم میری جانب رجوع کرتے ہو۔ میں نے تم پر اپنی جانب سے اپنے رواۃ حدیث کو حجت مقرر کیا ہے۔ گویا وہ مقام رجوع پر میرے قائم مقام ہیں۔ پس اس کا عموم صاف دلالت کرتا ہے کہ امام غائب کے اموال کا تصرف بھی انہی کے سپرد کیا گیا ہے اور رواۃ حدیث سے مراد فقہاء و مجتہدین ہیں۔ جو فرمان معصوم کو سمجھ سکتے ہیں۔ پس جس طرح وہ مقام فتوے اور دیگر مسائل و معاملات شرعیہ میں معصوم کے نائب ہیں۔ اسی طرح اموال امام میں بھی ان کے زمان غیبت میں ان کی نیابت کا فریضہ انجام دیں گے اور عقلاً بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ موارد رضائے معصوم

کا اعزاز انہی کی شان ہے پس وہ وہاں خرچ کریں گے جہاں خوشنودی امام حتمی ہو گی اور آج کل کے پُرفتن دَور میں مال امام کا مصرف مدارس دینیہ کی امداد سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پس وہ علوم دینیہ کے طلبہ کی امداد کر سکتے ہیں۔ خواہ سیّد ہوں خواہ غیر سیّد نیز حسب ضرورت و مصلحت دیگر امور خیر میں بھی بیسہ صرف کیا جا سکتا ہے۔ مساجد و امام بارگاہوں کی تعمیر بھی کی جا سکتی ہے۔ فقراء و مساکین مومنین کی دستگیری بھی کی جا سکتی ہے۔ بہرکیف فقیہہ و مجتہد اپنی صواب دید سے جہاں رضائے معصوم حتمی سمجھے گا۔ وہاں خرچ کرے گا اور اس کے تصرف پر اعتراض کرنا ایسا ہو گا۔ جیسا کہ معصوم کے تصرف پر کوئی اعتراض کرے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ وہ میری جانب سے تم پر حجت ہیں۔

پس اس روایت کے الفاظ میں اعلم یا غیر اعلم کا کوئی فرق نہیں۔ مقلد یا غیر مقلد کا کوئی نام نہیں بلکہ جو بھی جامع الشرائط فقیہہ ہو وہ اس مال میں تصرف کرنے کا اہل ہے اور عقلی طور پر ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

آیت مجیدہ خمس میں ذی القربیٰ کا لفظ عام ہے لیکن بمنطوق روایات اس سے مراد امام زمانہ ہے پس روایات متواترہ ہی مصداق آیت میں تخصیص کی موجب ہیں۔ اسی طرح والیتامیٰ والمساکین اور ابن السبیل کے مفاہیم اگرچہ عام ہیں لیکن بمنطوق روایات آل محمد کے افراد مراد ہیں۔ جن میں یہ اوصاف ہوں اور حق تصرف رسول و امام کو حاصل ہے جیسا کہ ان کے عمل سے واضح ہے اور وہی عموم آیت کا مخصص ہے اور زمانِ غیبت میں فقیہہ جامع الشرائط ہی نیابت کے فرائض انجام دے گا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا :۔ لفظ اللہ پر عطف ہے یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس نصرت خداوندی پر ایمان ہے جو جنگِ بدر کے دن تم پر اتری کہ خداوند کریم نے اس دن اپنی نصرت سے حق و باطل کے درمیان ایک امتیازی نشان قائم کر دیا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور کفار نو سو سے ایک ہزار کے درمیان تھے نیز مسلمان نہتے تھے اور کفار کے پاس کافی اسلحہ موجود تھا اور باوجود اس کے کفار کو بدترین شکست ہوئی۔ اسی لئے اس دن کو خدا نے یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا کہ یہ دن حق و باطل کے درمیان فرق کا دن تھا۔ ۱۷ یا ۱۹ ماہ رمضان ۲ھ جمعہ کا روز تھا۔

تنبیہ!

اس میں شک نہیں کہ آیت مجیدہ غنائم بدر کی تقسیم کے متعلق اتری۔ لیکن آیت مجیدہ کا حکم تاقیامت باقی ہے اس لئے اس کے عموم میں تمام مکاسب داخل ہیں خواہ از قسم غنائم اہل حرب ہوں یا فوائد اکتساب ہوں چنانچہ اس کی تفصیل حسب ضرورت بیان کی جا چکی ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ

جب کہ تم ارلی طرف اور وہ پرلی طرف (وادی کے) تھے اور قافلہ نچلی طرف

اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ

تھا تم سے اور اگر تم ایک دوسرے سے وعدہ کرتے تو وعدہ کا خلاف کر ڈالتے

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

لیکن پوری کرنی ہے اللہ نے وہ بات جو ہونی والی ہے تاکہ جو ہلاک ہو تو حجت کے بعد ہو

عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۟ ﴿۴۲﴾

اور جو زندہ ہو تو بھی حجت کے بعد ہو اور تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے

جنگِ بدر اسی جلد میں نویں پارہ کے رکوع ۱۵، ۱۶ کی تفسیر میں جنگ بدر سے متعلق آیات کی تفسیر گزر چکی ہے۔

بِالْعُدْوَةِ :- عدوہ کا معنی ہے کنارا۔ اور دنیا ادنیٰ کی مؤنث ہے۔ جس کا معنی ہے نزدیک یعنی مسلمان مدینہ کی جانب جو وادی کا کنارا تھا اس پر تھے اور کفار پرلے کنارے پر تھے۔

قُصْوٰى :- اقصیٰ کی مؤنث ہے جس کا معنی ہے دور اور یہ وہ تھے جو ابوسفیان کی امداد و حفاظت کے لئے بصورت لشکر مکہ سے آئے تھے جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اور انہی کو نفیر سے تعبیر کیا گیا ہے

وَالرَّكْبُ :- اس کا معنی قافلہ ہے اور یہ ابوسفیان کا قافلہ تھا جو مال تجارت کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا اور اس کو عیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسفل سے مراد نیچے کی طرف کیونکہ وہ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے جارہے تھے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ :- مسلمان قافلۂ ابوسفیان کے تعاقب کے خیال سے نکلے تھے اور حضور نے مسلمانوں کو وعدۂ پروردگار سے آگاہ فرمایا تھا کہ ان دو جماعتوں میں سے ایک پر تمہارا غلبہ ہوگا یا عیر یا نفیر یعنی ان دو میں سے ہمارا جس کے ساتھ بھی مقابلہ ہوگا۔ ہمارے مقابلہ میں وہی مفتوح و مغلوب ہوگا۔ پس ظاہری سہولت وفائدہ کے پیش نظر مسلمان عیر کو چاہتے تھے اور حقیقی کامیابی اور دائمی فائدے کے لئے حضور نفیر کے خواہش مند تھے اور مصلحت خداوندی بھی یہی تھی تاکہ قریش مکہ پر رعب قائم ہو جائے اور مسلمانوں کو اس کا علم نہ تھا۔ ورنہ

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ

جب کہ دکھائے تم کو اللہ نے خواب میں وہ تھوڑے سے اور اگر دکھاتا وہ تم کو بہت تو تم کمزور پڑ جاتے

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ

اور جھگڑا کرتے بات میں لیکن اللہ نے بچایا تحقیق وہ جاننے والا ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ

دلوں کی باتوں کا اور جب دکھایا ان کو جب تمہاری ملاقات ہوئی تمہاری نظروں

قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ

میں تھوڑا اور تم کو تھوڑا دکھایا ان کی نظروں میں تاکہ پوری کرے اللہ وہ

پہلے سے بہانے بنا لیتے اور مدینہ سے روانگی میں پس و پیش کرتے جس کی خدا خبر دے رہا ہے کہ اگر تم پہلے ایک دوسرے سے یہ وعدہ کرتے کہ نفیر سے لڑنا ہے ۔یعنی قریش مکہ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے تو تم میں اختلاف پڑ جاتا اور مرعوب ہو کر رہ جاتے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ :یعنی عالم خواب میں حضور کو ان کی تعداد تھوڑی دکھلائی تاکہ مومنین کے سامنے بیان کریں تو وہ گھبرا نہ جائیں ۔اسی بناء پر ارشاد فرمایا کہ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھلائی ہوتی تو تم لوگ گھبرا جاتے ۔ اور آپس میں جھگڑا کرتے۔

تفسیر "مجمع البیان" میں خواب کی چار قسمیں لکھی ہیں۔

۱۔ وہ خواب جو اللہ کی جانب سے ہو یہ خواب سچا ہوتا ہے اور اس کی تاویل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

۲۔ وسوسۂ شیطانی کا خواب

۳۔ مزاج انسانی میں اخلاط کے ایک دوسرے پر غلبہ کی وجہ سے خواب۔

۴۔ تسلط فکر کی وجہ خواب۔

آخری تینوں قسموں کو اضغاث احلام بھی کہا جاتا ہے اور پہلی قسم کا خواب الہام ہوا کرتا ہے۔ اور سرور کائنات کا یہ خواب بطور خوش خبری کے تھا۔

وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ :یعنی خداوند کریم نے خواب میں ان کی تعداد کم دکھا کر مومنوں کو بزدلی اور باہمی

خلفشار سے بچا لیا۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ :۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے تو خداوند کریم نے کفار قریش کا لشکر مومنوں کی نظروں میں تھوڑا دکھایا۔ چنانچہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ ستر ہوں گے تو اس نے جواب دیا نہیں۔ بلکہ ایک سو کے لگ بھگ ہوں گے۔

وَيُقَلِّلُكُمْ :۔ جس طرح مسلمانوں کو کافر تھوڑے دکھائی دیتے تھے اسی طرح کفار کو مومن بھی کم دکھائی دیتے تھے اور ویسے حقیقتاً بھی کفار کی کثرت کے مقابلہ میں مومنوں کی تعداد مٹھی بھر تھی اور اس میں اللہ سبحانہ کی یہ مصلحت کارفرما تھی کہ مومن کفار کی کثرت سے مرعوب نہ ہوں لہذا جان توڑ کر لڑیں اور غلبہ حاصل کریں اور کفار کی بھی ہمت پست نہ ہو اور بھاگ نہ جائیں بلکہ لڑ کر ذلت و خواری کا مزہ چکھیں اور اسلام کا رعب اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو اور یہ فطری اصول ہے کہ جس طرح سہمے ہوئے اور ڈرپوک انسان کو ایک دشمن دو دکھائی دیتا ہے اور دس کا سو اس کو نظر آتا ہے۔ اسی طرح حاوی اور دلیر انسان کو دشمن سو کا دس اور دو کا ایک نظر آیا کرتا ہے۔ یہاں خداوند کریم نے مومنوں کے دلوں میں جرأت و دلیری بھر دی تاکہ دشمن باوجود کثرت کے ان کو کم معلوم ہوں اور کفار تو تھے ہی زیادہ اور ان کی نگاہوں میں مسلمانوں نے تھوڑا نظر آنا ہی تھا اور فرشتوں کی امداد کو خدا نے ان سے پوشیدہ رکھ لیا۔ تاکہ جم کر لڑیں اور خوب مار کھا کر جائیں۔ ان کی بھی جرأت کی حالت یہ تھی کہ ابوجہل آواز دے کر کہتا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جا کر ان کو ہاتھوں سے پکڑ لو اور گرفتار کر لو۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ :۔ اس فقرہ کو دہرایا گیا ہے کیونکہ دونوں جگہ مطلب جدا جدا ہے۔ پہلے مقام پر عیر یا نفیر میں سے ایک پر غلبہ کی خبر سنا کر مسلمانوں کو آمادہ کیا اور حقیقت کو ان سے پوشیدہ رکھا تاکہ بزدل نہ پڑیں اور ہونے والا امر ہو کر رہے یعنی خدا کی نصرت دیکھیں اور اسلام کی شوکت دیکھیں۔

پس گمراہ ہونے والا جان بوجھ کر گمراہ ہو اور ہدایت پانے والا دیکھ بھال کر راہ ہدایت کو قبول کرے چنانچہ ظاہراً لِيَهْلِكَ بدل ہے لِيَقْضِيَ سے اور دوسری جگہ دونوں فریق ایک دوسرے کو تھوڑے دکھائے گئے۔ تاکہ خدا کا فیصلہ ہو کے رہے اور وہ ہے اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی شوکت کا مظاہرہ۔

مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

بات جو ہونے والی ہے اور اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے اے وہ جو ایمان لائے جب

لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

ملاقات کرو لشکر سے تو ثابت رہو اور یاد کرو خدا کو زیادہ تاکہ تم کامیاب ہو

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ آپس میں جھگڑو ورنہ کمزور ہو گے اور

رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

تمہاری شان چلی جائے گی اور صبر کرو تحقیق اللہ صابروں کے ساتھ ہے اور نہ ہو مثل ان

كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَ

کے جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے حالانکہ

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

وہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور اللہ ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے ہیں آگاہ ہے

رکوع نمبر ۲

فِئَةً :۔ اس کا معنی ہے جماعت، لشکر، گروہ اور اس سے مراد کافر گروہ ہے کیونکہ مومنوں کو جس گروہ و لشکر کے مقابلے میں ثابت قدمی کا حکم دیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ کافر ہی ہوگا۔ اسی قرینہ کی بنا پر فئۃ کی صفت کافرۃ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

فَتَفْشَلُوْا :۔ فشل سے ہے اور اس کا معنی ہے خوف کی وجہ سے بزدلی کا پیدا ہو جانا۔

رِيْحُكُمْ :۔ ریح کا معنی ہے عزت، دولت، شان اور شوکت وغیرہ

وَلَا تَكُوْنُوْا :۔ یعنی تمہاری حالت کفار مکہ کی طرح نہ ہونی چاہیئے جو اتراتے ہوئے گاتے بجاتے ہوئے اور شراب نوشی و عیاشی کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی شان دکھانے کے لئے نکلے۔ مروی ہے کہ ابوسفیان

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

اور جب زینت دی ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو اور کہا کہ کوئی غالب نہ ہوگا۔ تم پر

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ج فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ

آج لوگوں میں سے اور میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ پس جب دونوں لشکر ایک دوسرے

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى

سے ملے تو پلٹ گیا اپنی ایڑیوں پر اور کہنے لگا میں تم سے بیزار ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں

مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ط وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع ۲

جو تم نہیں دیکھتے تحقیق میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور خدا سخت سزا دینے والا ہے

جب اپنا قافلہ بمعہ سامان تجارت صحیح وسالم بچا کر نکل گیا تو اس نے قریش کو پیغام بھیجا کہ اب واپس آجاؤ تو ابوجہل نے جواب دیا کہ بدر میں ضرور جائیں گے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مقام بدر عربوں میں ایک مشہور میلہ گاہ تھا۔ جس میں سالانہ بڑا میلہ لگتا تھا اور اطراف وجوانب سے لوگ وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ ابوجہل کا خیال تھا کہ وہاں بدر میں تین روز قیام کریں گے۔ اونٹ نحر کریں گے لوگوں کے لئے عام لنگر جاری کریں گے شراب کی محفلیں گرم ہوں گی اور رقص وسرود میں عیش وعشرت کا وقت گزاریں گے۔ پس تمام عربوں میں ہماری عظمت وشان کا ڈنکہ بج جائے گا اور ان کے دلوں میں ہمارے رعب کا سکہ بیٹھ جائے گا چنانچہ وہ وہاں پہنچے اور فوج اسلام کے ہاتھوں ان کی سب کر وفر ختم ہوئی اور موت کے پیالے پی کر خازن جہنم کے مہمان جا ہوئے۔

کفار قریش کو شیطان کا بہکانا

وَاِذْ زَيَّنَ : کہتے ہیں جب قریش مکہ نے بدر کی طرف تیاری کی تو ان کو بنی کنانہ کے ساتھ سابقہ دشمنی اور لڑائی کا خیال آیا تو ارادے چھوڑ بیٹھے پس ابلیس سراقہ بن مالک کنانی کی شکل میں آنمودار ہوا اور یہ سراقہ بنی کنانہ میں شریف قوم تھا تو اس نے وعدہ کیا کہ آج تم پر کوئی غالب نہ ہوگا اور بنی کنانہ سے کسی قسم کا خطرہ نہ کرو۔ میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ پس بدر میں پہنچے تو مسلمانوں پر خدا کی نصرت نازل ہوئی اور ملائکہ کی صفیں اتریں جن کو ابلیس سمجھتا تھا اور وہ لوگ اس سے بے خبر تھے۔ پس جب دونوں فوجوں کی ٹکر ہوئی اس

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ
جبکہ کہتے تھے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری تھی کہ فریب دیا ان کو
هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
اپنے دین نے اور جو توکل کرے اللہ پر تحقیق اللہ غالب
حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ
حکمت والا ہے اور اگر دیکھے تو جب کہ لیتے ہیں کافروں کو فرشتے (بوقت موت)
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾
مارتے ہیں ان کے منہ کو اور پشت کو اور یہ کہ چکھو جلنے کا عذاب

وقت ابلیس کے ہاتھ میں حارث بن ہشام کا ہاتھ تھا۔ فرشتوں کو دیکھ کر فوراً بھاگا۔ حارث نے پوچھا یہ کیا ہے اے سُراقہ؟ کیا اس حالت میں ہمیں چھوڑ کر تو جا رہا ہے؟ تو ابلیس نے جواب دیا۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ حارث نے کہا تو کیا دیکھتا ہے؟ یہ یثرب کے کمزور لوگ ہی تو ہیں؟ بس ابلیس نے حارث کے سینے میں ایک مکا مارا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ جس سے باقی لوگوں پر بھی بزدلی چھا گئی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس نے فرشتوں کو نہیں دیکھا تھا بلکہ اس دشمن خدا کی ہمیشہ سے یہی عادت ہے کہ باطل کو حق کی ٹکر پر اکساتا ہے اور جب مشکل پڑ جائے تو کھسک جایا کرتا ہے پس اِنّی مَالَا تَرَوْنَ کا معنی ہے کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ جب شکست خوردہ قریش واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے سُراقہ سے کہا کہ تم نے خوب ہمیں مصیبت میں پھنسایا اور خود بزدل ہو کر بھاگ آئے تو سُراقہ نے جواب دیا کہ میں تو بدر میں گیا ہی نہیں تھا اور نہ مجھے تمہارے جانے کا علم تھا بلکہ مجھے تو تمہاری شکست کے بعد واپسی کا پتہ چلا ہے اور بس۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تب انہیں معلوم ہوا کہ وہ شیطان ہی تھا۔

اہلِ معقول نے جن اور فرشتہ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ جن وہ ناری جسم ہے جو ہر شکل اختیار کر سکے حتیٰ کہ کتا اور سور بھی بن سکے اور فرشتہ وہ نوری جسم ہے جو ہر شکل میں ظاہر ہو سکے سوائے کتے اور سور کے۔

پس ابلیس کا دارالندوہ میں قتلِ پیغمبر کے مشورہ کے لئے شیخ نجدی کی شکل میں آنا۔ بدر کے موقعہ پر سُراقہ

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

یہ اس لئے جو بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ نہیں ظلم کرنے والا

لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا

بندوں پر مثل طریقے آل فرعون کے اور ان کے جو ان سے پہلے کافر تھے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ

ساتھ آیات خداوندی کے پس ان کو پکڑا اللہ نے بوجہ ان کے گناہوں کے تحقیق اللہ قوی ہے سخت

کی شکل میں آنا متفقہ تاریخی مسئلہ ہے اور اسی طرح جبرئیل کا دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر بارگاہ نبوی ہونا بھی مسلمہ تاریخی حقیقت ہے

رکوع نمبر ۳

اِذْ يَقُوْلُ ص۲۴۲ ۔ جب جنگ بدر کے لئے تھوڑی تعداد میں مسلمان بے ہتھیار نکلے تو کفار کی ظاہری کرّو فر کو دیکھ کر منافق آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اپنے دین نے دھوکہ دیا ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ مارے جائیں گے لیکن خدا کا فیصلہ اپنی جگہ محفوظ تھا وہ اسلام کی شوکت بڑھانا چاہتا تھا کہ نہتے کمزور اور کم تعداد مسلمانوں کا مسلح طاقتور اور کثیر التعداد کفار کو بری طرح شکست دیکر پسپا کرنا اسلام کی صداقت کی دلیل بن جائے اور جہاں ایک طرف لوگوں کے دلوں میں اسلام کا سکہ بیٹھ جائے۔ وہاں کمزور اور تھوڑے مسلمانوں کے دلوں سے احساس کمتری ختم ہو جائے۔

بروایت عیاشی تفسیر "برہان" و "صافی" میں منقول ہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کو پیاس کا شکوہ ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام مشکیزہ لے کر کنویں پر گئے پس ایک تند و تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ پھر دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ ایسا ہوا تو واپس آکر حضرت رسالتمآبؐ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ پہلی مرتبہ جبرئیل ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ آرہا تھا۔ دوسری مرتبہ میکائیل اور تیسری مرتبہ اسرافیل ایک ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ وارد ہوئے۔ انہوں نے آپ کو سلام بھی کہا ہے اور وہ ہماری نصرت کے لئے پہنچے ہیں۔

ایک شخص کہتا ہے میں نے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے ابوجہل کی پشت پر ایک نشان دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا وہ فرشتے کی مار کا نشان تھا۔ نیز ایک شخص نے عرض کی کہ میں ایک مشرک کو مارنے کیلئے

الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى

سزا دینے والا ہے یہ اس لئے کہ خدا نہیں بدلتا کسی نعمت کو جو کسی قوم پر انعام

قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ

کرے یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہ اپنے نفسوں کی حالت اور تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

مثل طریقے آلِ فرعون کے اور ان کے جو ان سے پہلے تھے کہ جھٹلایا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ

اپنے رب کی آیات کو پس ہم نے ان کو ہلاک کیا بوجہ ان کے گناہوں کے اور غرق کیا آل

فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ

فرعون کو اور وہ سب ظالم تھے تحقیق بدترین زمین پر چلنے والے

آگے بڑھا تو دیکھا کہ اس کا سر تن سے پرواز کر گیا۔ آپ نے فرمایا۔ تجھ سے فرشتے نے اس کو پہلے قتل کر دیا۔ اور کہتے ہیں فرشتوں کے پاس لوہے کے گرز تھے کہ جب کافروں کو مارتے تھے تو ان کے زخموں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے تھے۔ (مجمع البیان)

اِذْ يَتَوَفَّى :- ظاہراً اگرچہ جنگِ بدر کے ساتھ متعلق ہے لیکن اس کا معنی عام ہے اور تمام کفار پر موت اسی طرح سخت ہوتی ہے۔ اسی بناء پر تو وارد ہے کہ مومن کے لئے موت جنت کا دروازہ ہے کہ موت کی راحت دنیا کی گزشتہ تمام تکلیفات اس کو بھلا دے گی اور موت کافر کے لئے دوزخ کا دروازہ ہے کہ موت کی سختی سے دنیا کے تمام عیش و آرام اس کو بھول جائیں گے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ :- کداب محلاً مرفوع ہے خبر ہے مبتدائے محذوف کی یعنی دَاْبُهُمْ كَدَاْبِ اور اس کا معنی ہے طریقہ اور لفظ آل کی تحقیق اسی جلد میں گزر چکی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کفار کو اتمام حجت کے بعد ہم عذاب کا مستحق قرار دیتے ہیں جیسا کہ فرعونیوں یا ان کے قبل کافروں کو ہم نے ان کے گناہوں کے بدلے میں گرفتار کیا تھا

لَمْ يَكُ :- اصل میں يَكُوْنُ تھا۔ لم جازمہ کی وجہ سے نون کا ضمہ سکون سے بدلا تو واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گئی اور نون کو بناء پر کثرت استعمال کے لئے حذف کر دیا گیا۔

اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ

اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کافر ہوئے پس وہ ایمان نہیں لاتے جن سے تم نے عہد لیا پس

ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر دفعہ اور وہ نہیں ڈرتے

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ

پس اگر ان کو قابو کرلو لڑائی میں تو عبرت دلاؤ ان کے ذریعے بعد والوں کو تاکہ وہ

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ

نصیحت حاصل کریں اور اگر ڈرو کسی قوم سے تو ان کو

علمی نکتہ كَانَ يَكُوْنُ :- کو اُم الافعال کہا جاتا ہے یعنی تمام فعلوں کی ماں کیونکہ کَانَ کا معنی ہے یا تھا اور یَکُوْنُ کا معنی ہوتا ہے یا ہوگا اور تمام فعلوں میں یہ معنی پایا جاتا ہے۔ اپنے مادہ کے مفہوم کے علاوہ جیسے ضَرَبَ اس کا مادہ کے لحاظ سے معنی ہے مارا۔ لیکن اس میں ہے یا تھا کا معنی خود بخود پایا جاتا ہے یعنی مارا ہے یا مارا تھا۔ اسی طرح یَضْرِبُ کا معنی مارتا ہے یا مارتا تھا یا مارتا ہوگا یا مارا ہوگا یا مارے گا وغیرہ تو بہر کیف کان یکون کا معنی ہر فعل میں پایا جاتا ہے۔ بنابریں یہ باب ام الافعال ہے پس جزم کی حالت میں بطور تخفیف اس کا نون حذف ہو جانے سے اس کے معنی میں کوئی خرابی نہیں پڑتی اور لَمْ یَكُ لَمْ اَكُ کا معنی لم یکن اور لم اکن کا رہتا ہے لیکن باقی افعال میں یہ چیز نہیں ہے۔

مُغَيِّرًا صـ ۲۴۴ :- یعنی خدا کسی قوم کی نعمت کو نہیں بدلتا جبکہ وہ خود نہ بدل جائیں۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خداوند کریم نے ایک نبی کو وحی کی کہ اپنی امت کو سنا دے۔ کوئی بستی اور کوئی قوم جو میری اطاعت پر ہوں اور خوشحال ہوں۔ پس میری خوشنودی کو چھوڑ کر میری ناراضگی کے کاموں میں لگ جائیں تو میں بھی ان کی خوشحالی کو ایسی حالت میں بدل دیا کرتا ہوں جو ان کو ناپسند ہو اور اسی طرح اگر کوئی بستی یا کوئی قوم میری نافرمانی پر ہو اور وہ سختی میں مبتلا ہوں۔ پس وہ میری معصیت سے میری خوشنودی کی طرف بدل جائیں تو میں بھی ان کی بدحالی کو خوش حالی کے ساتھ بدل دیتا ہوں۔ نیز آپ نے فرمایا میرے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ یہ خدا کی قضائے محتوم و مبرم ہے کہ کسی پر وہ نعمت

اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

پہلے آگاہ کردو برابر تحقیق اللہ نہیں پسند کرتا خیانت والوں کو اور نہ گمان کریں وہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ

جو کافر ہیں کہ ہم نکل گئے تحقیق وہ ہم کو عاجز نہیں کرسکتے اور تیار کرو ان کے لئے

مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

جس قدر حاصل کرو قوت اور گھوڑے بندھے ہوئے کہ رعب قائم کرو

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا

ان کے ذریعہ سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر اور دوسروں پر جو ان کے

بھیج کر اس سے چھینتا نہیں جبتک کہ اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد نہ ہو جس کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہو گیا ہو اور یہی وجہ ہے کہ شکر نعمت نعمت کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے اور کفرانِ نعمت، نعمت کے سلب کا موجب ہو جاتا ہے۔

كَدَابِ :۔ کی لفظ کو دو دفعہ دہرانے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ پہلے مقام پر کفار قریش کے کفر کی فرعونیوں کے کفر سے تشبیہ دے کر اخروی عذاب کے لئے دونوں کا یکساں طور پر مستحق ہونا بیان فرمایا اور دوسری جگہ تکذیب آیات میں دونوں کا ایک جیسا ہونا بیان کر کے دنیاوی عذاب میں دونوں کی یکساں گرفتاری بیان فرمائی۔

الدَّوَابِّ :۔ دابہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے زمین پر چلنے والا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عہد شکنی کرنے والوں سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں۔ جنہوں نے عہد کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے درپے آزار نہ ہوں گے اور نہ ان کے خلاف دشمنوں کی امداد کریں گے لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا اور کفار کی جنگ خندق کے موقع پر کافی امداد کی اور یکے بعد دیگرے عہد شکنی کا کردار پیش کیا۔ پس ان کے متعلق حکم ہے کہ اگر تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کو ایسی عبرتناک سزا دو کہ بعد والوں کو ایسی حرکات کی جرأت نہ ہو سکے اور پھر ایک قانون بتلایا کہ جب بھی کسی قوم کی عہد شکنی کا اندیشہ ہو اور ان سے ایسے افعال معرض ظہور میں آئیں جو عہد و پیمان کے خلاف ہوں تو پہلے ان کو آگاہ کرو اور اتمام حجت کرو تاکہ تم دونوں کو برابر اطلاع رہے کہ اب عہد کی پاسداری ضروری نہیں رہی اور بغیر حجت تمام کئے ان سے نہ لڑو تاکہ وہ تم کو خائن نہ سمجھیں کیونکہ اللہ خائن کو دوست نہیں رکھتا۔

تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

علاوہ ہیں کہ تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی کوئی چیز تم خرچ کرو گے راہ خدا میں

يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ

تو تم کو پوری دی جائے گی اور تم کو خسارہ نہیں دیا جائے گا اور اگر وہ مائل ہوں واسطے صلح کے تو تم

فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ

مائل ہو جاؤ اس کی طرف اور اللہ پر توکل کرو۔ تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے اور اگر

يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۗ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ

وہ تمہیں دھوکہ دینا چاہیں تو تحقیق اللہ کافی ہے وہ وہی ہے جس نے تیری مدد کی

اور تفسیر برہان وصافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیتیں بنی اُمیہ کے حق میں اتریں اور وہی خلق خدا میں سے بدترین زمین پر چلنے والے تھے جنہوں نے باطن قرآن میں کفر کیا (بہر کیف جو شخص بھی عہد خداوندی کو توڑ ڈالے وہ تا قیامت ان آیات کا باطنی مصداق ہے)

رکوع نمبر ۴

سَبَقُوْا صـ۲۴۶ :- یعنی جو کفار جنگ سے بچ کر بھاگ نکلے ہیں تو وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم نکل گئے بلکہ وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔ بلکہ پھر کبھی ان کی باری آجائے گی یا یہ کہ جو کفار دنیاوی عذاب سے بچ کر مر جاتے ہیں ان کے متعلق وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ گئے بلکہ وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔ آخر قیامت کا دن باقی ہے اور ہم ان کو دوبارہ زندہ کر کے پوچھ لیں گے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ صـ۲۴۶ :- قوت سے مراد باختلاف آرائے مفسرین، تیراندازی یا اتفاق یا توکل یا مضبوط مورچے یا دیگر آلات حرب تلوار ڈھال وغیرہ اور رباط الخیل سے مراد دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے گھوڑے سرحد پر تیار رکھنا ہے۔

سیاہ خضاب دشمن دین کے مقابلے میں جہاں ظاہری فتح کے لئے اسباب جنگ اور آلات حرب و ضرب کی فراہمی کی ضرورت ہے وہاں جسم وضع ولباس کی سج دھج دشمنان خدا کو

بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ

بلا واسطہ بھی اور بذریعہ مومنوں کے بھی اور جمع کیا ان کے دلوں کو اگر تم

اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ

خرچ کرتے زمین میں جو کچھ ہے سب تو نہ جمع کر سکتے ان کے دلوں کو

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

لیکن اللہ نے جمع کیا ان کو تحقیق وہ غالب و دانا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی تجھے اللہ کافی ہے اور وہ جنہوں نے تیری اتباع کی مومنوں سے

مرعوب کرنے کا ایک بہترین اور کارگر حربہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے جنگِ خندق کی فتح کے موقعہ پر حضرت علی علیہ السلام کو ناز و انداز سے چلتے ہوئے دیکھا۔ جبکہ آپ عمرو بن عبدود کا سر قلم کرکے واپس خراماں خراماں آرہے تھے اور کسی کہنے والے نے زبانِ طعن دراز کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس چال کو خدا ناپسند فرماتا ہے لیکن اس وقت جبکہ دشمنِ دین کے مقابلہ میں جہاد کے لئے انسان نکلے تو یہ چال خدا کو نہایت پسند ہے یعنی میدانِ جہاد و کارزار میں متکبرانہ چال بھی محبوبِ خدا ہے کیونکہ وہ دشمنانِ دین پر رعب کا ہتھیار ہے۔

اسی طرح لباس میں شان نظر آئے اور وضع میں بھی خوب جوانمردی کا مظاہرہ ہو۔ اسی بناء پر فرمایا ہے کہ بالوں پر سیاہ خضاب کرنا بھی دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار لگانے کے مترادف ہے۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے ایک قوم حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آئی جبکہ آپ نے سیاہ خضاب لگایا ہوا تھا تو انہوں نے اس کے متعلق پوچھا۔ پس آپ نے اپنی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور فرمایا لڑائی کے موقعہ پر جناب رسالتمآبؐ نے اپنی فوج کو فرمایا تھا کہ بالوں پر سیاہ خضاب کرلو تاکہ دشمن کے مقابلے میں تمہاری قوت ظاہر ہو۔ یعنی یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے مقابلے میں بوڑھوں کی فوج ہے گویا جوان بن کر جاؤ۔

بروایتِ فقیہہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سیاہ خضاب عورتوں کے لئے باعث انس و محبت اور دشمنوں کے لئے باعث رعب و مصیبت ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اسی آیۃ مجیدہ کے متعلق فرمایا کہ دشمن کے مقابلہ میں تیاری کرنے میں سیاہ خضاب بھی داخل ہے۔

عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ص۲۴۶: ان سے مراد مشرکین مکہ اور کفار عرب ہیں اور آخَرِیْنَ سے مراد یہودی لوگ یا اہل فارس یا منافق ہیں جو بوجہ خفیہ رہنے کے مومنوں پر اپنی دشمنی ظاہر نہ کرتے تھے۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا ص۲۴۷: پہلے حکم دیا کہ اگر وہ صلح کی خواہش کریں تو صلح کرلو اور اس آیۂ مجیدہ میں فرماتا ہے اگر وہ صلح کے بہانہ سے تمہارے ساتھ دھوکہ کرنا چاہیں تو تم اللہ پر توکل کرو۔ وہی تمہیں کافی ہے جس نے اپنے مخصوص ذرائع سے اور مومنین کے واسطے سے پہلے بھی تمہاری امداد فرمائی۔

حضرت علیؑ ناصر پیغمبر ہیں

تفسیر برہانؒ میں بروایت ابن بابویہ ابوہریرہ سے منقول ہے کہ عرش پر لکھا ہوا ہے انا اللّٰہ لا الہ الا انا وحدی لا شریك لی محمد عبدی ورسولی ایدتہ بعلی۔ یعنی میں اللہ ہوں کوئی لائق عبادت نہیں سوائے میرے میرا کوئی شریک نہیں۔ محمد میرا عبد ہے اور اس کی مدد کی ہے میں نے ساتھ علیؑ کے اور ھُوَالَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وہ وہی ہے جس نے تمہاری تائید کی اپنی نصرت سے اور خدا کی نصرت سے مراد علیؑ ہے اور بالمؤمنین میں بھی علیؑ داخل ہے پس خدا کی بلاواسطہ نصرت بھی علیؑ اور بالواسطہ نصرت بھی علیؑ ہے اور حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیہ حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے اور ابن شہر آشوب نے تاریخ بغداد سے بروایت انس بھی یہی نقل کیا ہے کہ اس کا مصداق حضرت علیؑ ہے۔ اس مضمون کی دوسری احادیث بھی مروی ہیں۔

اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ص۲۴۸: قبل از اسلام قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان سخت دشمنی تھی جو بعد از اسلام دوستی سے مبدل ہوگئی اور یہ لوگ انصار تھے۔

وَمَنِ اتَّبَعَكَ ص۲۴۸: بروایت "حلیۃ الاولیاء" ابوہریرہ سے منقول ہے کہ اس کا مصداق بھی حضرت علی علیہ السلام ہے۔

علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے ان دونوں آیتوں کو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی نصوص میں شمار کیا ہے پہلی آیت ھُوَالَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اور دوسری آیت یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ابن روزبہان ناصب متعصب نے پہلی آیت کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ واقعی اہل سنت کی روایات میں یہ روایت موجود ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تعلق رکھتی ہے لیکن بایں ہمہ یہ آیت نص خلافت نہیں ہے۔

صاحب "دلائل الصدق" نے فرمایا ہے کہ "دُرِمنثور" سیوطی اور کنز العمال ج ۶، ص۱۵۸ میں نیز "ینابیع المودۃ" میں منقول ہے کہ عرش پر تحریر موجود تھی جو پہلے گزر چکی ہے اور ابوہریرہ، ابن عباس اور انس بن مالک

راویانِ حدیث نے اعتراف کیا ہے کہ آیتِ مجیدہ میں مومنین سے مراد حضرت علیؑ ہی ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا ایمان تمام مومنین کے برابر ہے۔ اسی لئے تو صیغہ جمع سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب ایسا ہے تو حضرت علی علیہ السلام کی تمام مومنوں سے افضلیت ثابت ہو گئی اور امامت بھی منصوص ہو گئی خصوصاً جبکہ حضرت علیؑ کی تائید رسولؐ کی تصدیق عرش پر بھی تحریر ہے۔ پس ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ علی افاضل مومنین میں سے ہیں حضرت علیؑ پر ظلم ہے اور ان کی حق تلفی ہے۔ آیت اور روایت تو صاف بتلاتی ہیں کہ علیؑ افضل المومنین ہیں نہ کہ افاضل مومنین میں داخل ہیں اور خداوند کریم نے علیؑ کی تائید کو اپنی تائید کے ساتھ مقرون کر کے ان کی اہمیت کو اور اجاگر فرما دیا ہے۔

دوسری آیت کے متعلق ابن روزبہان نے کہا ہے کہ اگر ثابت ہو بھی کہ یہ حضرت علیؑ کے حق میں ہے تو من جملہ فضائل علیؑ یہ بھی ایک فضیلت ہے اس میں نص خلافت کی کوئی بات نہیں ہے اور نیز اس نے کہا ہے ظہور آیت عام مومنوں کے لئے ہے۔

تو صاحب "دلائل الصدق" نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ظہور آیت عام نہیں بلکہ خاص ہے کیوں کہ یہاں مومنوں میں سے وہ شخص مراد ہے جو رسول کا متبع ہو اور اتباع میں قیود کا نہ ہونا بتلاتا ہے کہ اتباع علی الاطلاق رکھتا ہو یعنی جملہ امور و فرامین رسالت میں ان کا تابع فرمان ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کبھی اطاعت کرے اور کبھی جی چرا لے کسی وقت جی ہاں! اور کبھی کبھی نہیں جی! کرنے والا نہ ہو بلکہ اطاعت رسولؐ میں تن من دھن کی ہر قسم کی قربانی سے دریغ کرنے والا نہ ہو اور کسی وقت بھی اس کا فعل خلافِ مرضی رسولؐ نہ ہو۔ پس اس اتباع کا دوسرا نام عصمت ہی ہے اور جو معصوم ہے بلاشک غیر معصوم پر وہ حاکم و امام ہے اور تمام امت کا اجماع ہے کہ سوائے علیؑ کے دوسرا صحابہ رسولؐ میں سے کوئی بھی معصوم نہیں۔

نیز رسولؐ کی کفایت میں خدا کا اپنی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا ذکر کرنا حضرت علیؑ کی تمام مسلمانوں سے افضلیت میں نص قطعی ہے پس ان کی امامت ثابت ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ

اے نبی ابھارو مومنوں کو لڑائی پر اگر ہوں گے تم سے بیس

صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا

جم کر لڑنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم سے ایک سو تو غالب ہوں گے ایک ہزار

مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

پر ان میں سے جو کافر ہیں کیونکہ وہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اب تخفیف کر دی اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر ہوں گے تم سے

رکوع نمبر ۵

یَاَیُّهَا النَّبِیُّ :- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور میں اگر کفار کی تعداد مومنوں سے دس گنا زیادہ ہوتی تھی تب بھی جہاد واجب تھا اور اس سے کنارہ کشی گناہ تھی کیونکہ بعد میں فرماتا ہے کہ اب خدا کی جانب سے تم پر تخفیف ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار دُگنے ہوں تو جہاد واجب ہے اور اس سے کنارہ کشی حرام ہے اگر دُگنی تعداد سے زیادہ ہوں تو جہاد ساقط ہے بنابریں بعد از وفاتِ پیغمبر حضرت علیؑ پر ہر دو اصولوں کی رُو سے باعتبار ظاہر قرآن جہاد ساقط تھا لہذا ان کے سکوت پر اعتراض کرنا قرآن سے ناواقفیّت کی کھلی دلیل ہے۔

لَا یَفْقَهُوْنَ :- یعنی تمہارے غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہو پس اس کی نصرت تمہارے شامل حال ہے اور وہ لوگ چونکہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ نصرتِ خداوندی سے محروم ہیں اور مغلوب رہتے ہیں۔

تفسیر" برہان" میں عیاشی سے مروی ہے کہ جب وفاتِ پیغمبر کے بعد سقیفہ میں اجتماع ہوا اور عمر کے کہنے پر قنفذ کو علیؑ کو بلانے کے لئے بھیجا گیا تو اس نے کہا تم کو خلیفہ بلا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پیغمبرؐ نے سوائے میرے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا وہ واپس گیا اور دوبارہ آکر کہا کہ آپ کو مسلمانوں کے فیصلہ پر چلنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا مجھے رسول کی وصیّت ہے کہ دفن کے بعد گھر سے باہر قدم نہ رکھوں۔ جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں۔ وہ واپس

مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ

ایک سو جم کر لڑنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم سے ایک ہزار تو غالب ہوں گے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ

دو ہزار پر بحکم خدا اور اللہ ساتھ صابرین کے ہے نہیں ہے نبی کے لئے کہ اس

يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ

کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ سختی کرے زمین میں تم چاہتے ہو

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

فائدہ دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب دانا ہے

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ

اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کا پہلے سے تو البتہ پہنچتا تمہیں اس کے بارے میں جو تم نے لیا ہے

آیا اور پھر عمر مع چند آدمیوں کے گیا۔ بی بی پاک نے دروازہ بند کر لیا اور ان کو خیال تھا کہ بغیر اذن اندر کوئی نہ قدم رکھے گا لیکن عمر نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو کر حضرت علیؑ کو مجبور کر کے لائے۔ بی بی پاک نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ کو علیؑ کے سایہ سے محروم کرنا چاہتے ہو۔ اگر باز نہ آؤ گے تو میں بال پریشان چاک گریبان اپنے بابا کی قبر پہ جا کر فریاد کروں گی چنانچہ حسنینؑ کو ساتھ لے کر قبر پیغمبرؐ کا رُخ کیا تو حضرت علیؑ نے سلمان سے فرمایا۔ اگر بی بی نے گریبان چاک کر کے بال پریشان کر کے پیغمبرؐ کی قبر پہ فریاد کی تو مدینہ پر عذاب خداوندی آ جائے گا۔ پس سلمان نے اگر عرض کی تو بی بی نے فرمایا کہ علیؑ کے قتل پر مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ سلمان نے عرض کی۔ مجھے بھی علیؑ نے بھیجا ہے تو بی بی نے فرمایا۔ پس میں صبر کرتی ہوں۔ پس جب حضرت کو لے چلے اور قبر پیغمبر کے پاس سے گزرے تو حضرت علیؑ نے قبر پیغمبر کی دیکھ کر یہ آیت پڑھی یابن ام ان القوم استضعفونی ..... الخ عمر نے کہا بیعت کرو۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر نہ کروں تو پھر؟ پس عمر نے جواب دیا۔ ہم قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا تم اللہ کے بندے اور رسولؐ کے بھائی کو قتل کرو گے تو عمر نے جواب دیا۔ اللہ کا بندہ تو ٹھیک لیکن ہم رسولؐ کا بھائی تسلیم نہیں کرتے اور تین دفعہ اس فقرہ کو دُہرایا اسی کے آخر میں ہے حضرت علیؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا اگر تیرے پاس بیس آدمی بھی جمع ہو جائیں تو جہاد کرنا اور تو نے بھی اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اگر بیس صابر

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ

بڑا عذاب پس کھاؤ اس سے جو لیا تم نے درحالیکہ حلال وطیب ہے اور ڈرو اللہ سے تحقیق

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ

اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے نبی کہہ دیجئے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں قیدی

الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ

ہیں اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں اچھائی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم

مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٠﴾ وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ

سے لیا گیا ہے اور بخشے گا تم کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر ارادہ کریں تمہاری خیانت کا

فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

تو تحقیق خیانت کر چکے ہیں اللہ کی اس سے پہلے پس تم کو غلبہ دیا ان پر اور اللہ جاننے والا دانا ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

اللہ کی راہ میں (مہاجر) اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی (انصار) وہ بعض دوست ہیں

ہوں گے تو وہ سو پر غالب ہوں گے۔ اے اللہ! میرے پاس بیس بھی موجود نہیں ہیں۔ تین دفعہ یہ فقرہ آپ نے دہرایا۔
حتّٰی یُثْخِنَ صفحہ ۲۵۲: جنگ بدر میں مسلمانوں کے نو آدمی یا گیارہ آدمی شہید ہوئے جن میں چار قریشی تھے اور باقی انصار تھے اور سعد بن خثیمہ انصاری اسی جنگ میں شہید ہوا اور مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے جن میں سے اکثر حضرت علیؓ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے اور باقی سب مسلمانوں نے مارے تھے اور ستر آدمی ان کے قیدی ہوئے جن میں حضرت عباسؓ رسولؐ کے چچا بھی تھے۔ ان قیدیوں کو رسیوں سے جکڑ کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ قیدیوں میں حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز سن کر حضرت پیغمبرؐ کو نیند نہ آئی۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا۔ میرا چچا عباسؓ کراہ رہا ہے۔ اس لئے نیند نہیں آ رہی۔ پس اس کو چھوڑ دیا گیا تب آپ سوئے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اگر چاہو تو ان قیدیوں کو قتل کر دو اور اگر

چاہو تو ان کو چھوڑ دو اور ان کا فدیہ لے لو لیکن ان کے بدلے میں تمہارے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے۔ مسلمانوں نے کہا۔ ہم فدیہ لیں گے اور اگر بعد میں ہمارے اسی قدر آدمی شہید ہو بھی گئے تو ہم راضی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور دوسرے سال جنگ احد میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے۔ آیت مجیدہ میں اسی بات کا حوالہ ہے کہ نبی کے لئے درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں تاکہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دے یا ان پر احسان کر کے چھوڑ دے بلکہ اس کا فرض ہے کہ سختی کرے اور کفار کو قتل کرے تاکہ دوسروں پر اسلام کا رعب قائم ہو کیونکہ یہ پہلا جہاد تھا اور اس میں سختی کی ضرورت تھی نہ کہ نرم دلی کی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ صـ۲۵۲: یعنی اگر اللہ کا فیصلہ نہ ہوتا کہ بغیر اتمام حجت کے وہ عذاب نہیں بھیجتا اور چونکہ تم لوگوں نے فدیہ لے لیا ہے اور اس سے قبل خدا کا اس بارے میں حکم موجود نہ تھا ورنہ اگر پہلے تم پر حجت تمام ہو چکی ہوتی تو اب ایسا کرنے سے تم پر عذاب نازل ہو جاتا۔

رکوع نمبر ۹

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ صـ۲۵۳: بدر کے وہ قیدی جو مسلمان ہو گئے اور وہ عباس، عقیل اور نوفل بن حارث تھے ان کے لئے خطاب ہے کہ اے پیغمبرؐ ان کو کہہ دو اگر تمہاری نیت میں خلوص ہے تو جو فدیہ تم لوگوں سے لیا گیا ہے۔ خدا تم کو اس کا اچھا بدلہ دے گا اور جناب رسالتمآبؐ کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے حق میں اتری ہے کہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا لیا گیا تھا (ہر اوقیہ بیس مثقال ہوتا ہے اور مثقال تقریباً نصف تولہ کے برابر ہوتا ہے) اور اس کے بدلے میں مجھے بیس غلام ملے کہ ان میں کم سے کم کی قیمت بھی بیس ہزار درہم تھی اور مجھے زمزم عطا ہوا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جمیع اموال مکہ سے یہ بہتر ہے اور اللہ سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔ بروایت قتادہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر کیلئے وضو کر چکے تھے کہ بحرین کا مال اسی ہزار پہنچ گیا اور آپ نے نماز سے پہلے اس کو تقسیم کر دیا اور عباس کو حکم دیا کہ تم اسے اٹھا لو تو عباس کہتے تھے کہ یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے جو مجھ سے لیا گیا تھا اور اللہ سے بخشش کی امید کرتا ہوں فَاَمْكَنَ یعنی اَمْكَنَكَ ان کی پہلی خیانت کفر و شرک تھی پس خدا نے ان پر حضورؐ کو تسلط دے دیا اور فرماتا ہے اگر پھر خیانت کریں گے تب بھی خدا کو ان پر قدرت حاصل ہے وہ پھر انتقام لے گا۔

وِلَايَتِهِمْ صـ۲۵۵: بعضوں نے ولایت کا معنی وراثت کیا ہے کہ جو مسلمان ہجرت کر چکے تھے وہ ہجرت نہ کرنے والوں کی وراثت کے حقدار نہیں تھے کیونکہ اس وقت مہاجر و غیر مہاجر میں ایک دوسرے کی وراثت کا حق نہ تھا اور بعضوں نے اس کا معنی مدد و نصرت کیا ہے یعنی ہجرت نہ کرنے والوں کی دنیاوی امور میں تمہارے اوپر مدد واجب نہیں۔ ہاں اگر دین کے بارے میں ان کو تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرو بشرطیکہ تمہاری امداد ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا عہد و پیمان قائم ہے پس اگر تمہارے ساتھ عہد و پیمان رکھنے والوں کے خلاف غیر مہاجر مسلمان تم سے مدد کی

بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ

بعض کے اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تو نہیں تمہارے لئے ان کی مدد

مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ

کرنا کچھ بھی یہاں تک کہ ہجرت کریں اور اگر تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم پر ان

فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ

کی مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے خلاف کہ تم میں اور ان میں عہد ہو اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا

اس کو جو تم کرتے ہو جانتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں بعض دوست ہیں بعض کے اگر ایسا

تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ ﴿۷۳﴾ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ

نہ کرو گے تو زمین پر بڑا فتنہ اور فساد ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور

هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا

ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۴﴾

وہ ہی سچ مچ مومن ہیں ان کے لئے بخشش اور پاکیزہ رزق ہے

خواہش کریں تو اس صورت میں ان کی مدد نہ کرو۔ کیونکہ عہد شکنی لازم آئے گی۔ اِلَّا تَفْعَلُوْا : یعنی جو تم کو حکم دیا گیا ہے کہ مومن ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں اور ایک دوسرے کے آڑے وقت میں امداد کریں اور کفار سے دست بردار رہیں اگر اس ہدایت پر تم عمل نہ کرو گے تو فتنہ عظیم بپا ہوگا کیونکہ مہاجر مسلمان اگر تم سے دینی امداد کی توقع بھی نہ رکھیں تو وہ بالآخر کفار کے دام تزویر میں پھنس جائیں گے

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا : پھر مہاجرین و انصار کی مدح سرائی فرما رہا ہے کہ وہ لوگ سچ مچ مومن ہیں اور مدح ان لوگوں کی ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہے ورنہ جو لوگ بعد از پیغمبر یا زمان پیغمبر میں ایمان سے مرتد ہو گئے اس قسم کی مدحیہ آیات کے مصداق سے خارج ہیں

ہجرت | دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا بڑی فضیلت ہے۔ اسی بناء پہ تو ہے بدوی شخص مہاجر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ تو وہ تم

مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ

میں سے ہیں اور صاحبان رحم بعض قریب ہیں بعض سے کتاب خدا

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

میں تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

کا پیشنماز نہ ہو یا پیشنماز کثیر ہوں تو اس کو ترجیح دی جائے جو ہجرت میں سابق ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہجرت کا معنی کیا ہوگا ؟ تو بعض علمائے اعلام نے ذکر کیا ہے کہ مومن جس جگہ اپنے شعائر مذہب کو دشمنان دین کے غلبہ کی وجہ سے قائم نہ کرسکتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرے اور وہاں جائے جہاں مذہبی امور کی ادائیگی کرسکے - اسی طرح جہاں کوئی عالم دین موجود نہ ہو جو واجبات شرعیہ کی تعلیم دے تو وہاں سے ہجرت کرکے ایسے مقام کو جائے سکونت بنائے جہاں دین کا سیکھنا ممکن ہو نیز طلب علم کے لئے وطن چھوڑ کر عالم مسافرت میں وقت گزارنا اگرچہ اصطلاحی طور پر اس کو ہجرت نہیں کہا جا سکتا لیکن ثواب اور فضیلت میں اس سے کم بھی نہیں ہے -

تنبیہ :- اس رکوع میں اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا تین مرتبہ دہرایا گیا ہے لیکن ہر ایک مقام پر غرض بیان جداجدا ہے پہلے جس مقام پر ذکر ہوا ہے وہاں مہاجرین وانصار کی باہمی برادری انس ومحبت کے متعلق ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور چونکہ قدیمی دستور کے ماتحت وراثت بھی عقد مواخات ومحبت کی بناء پر تقسیم ہوا کرتی تھی - پس آیت مجیدہ میں ہر مہاجر اور غیر مہاجر کے درمیان سے ولایت کی نفی کی گئی کہ ان کا آپس میں سلسلۂ وراثت بھی منقطع ہے اور دوسرے مقام پر جہاں اس فقرہ کا اعادہ کیا گیا ہے وہاں ہجرت کی فضیلت ذکر کی ہے کہ ہجرت کرنے والے مسلمان بغیر عذر کے ہجرت نہ کرنے والوں سے افضل ہیں بلکہ ان کا ایمان حق اور وہ مومن حق ہیں پھر تیسرے مقام پر اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ مبادا لوگ یہ سمجھیں کہ اب سے پہلے جو لوگ ہجرت کرچکے ہیں صرف وہی اس فضیلت کے حقدار ہیں اور بعد کے ہجرت کرنے والے اس فضیلت سے محروم ہوں گے - پس ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو لوگ بعد میں ہجرت کریں وہ بھی اس فضیلت کے مالک ہوں گے - وَاُولُوا الْاَرْحَامِ - یہ آیت پہلے حکم کے لئے نسخ ہے کہ اب وراثت عقد مواخات ومحبت کے ماتحت نہ ہوگی بلکہ بلحاظ رشتہ ہوگی اور اس سلسلہ میں بھی بعض بعض سے اولیٰ ہیں چنانچہ بنابر نسب کے وراثت کیلئے تین طبقے مقرر ہیں پہلے کی موجودگی میں دوسرا محروم اور دوسرے کی موجودگی میں تیسرا محروم ہوگا اور قاعدہ کلیہ یہ کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوگا - چنانچہ مسئلہ کی تفصیل تفسیر کی چوتھی جلد میں گزر چکی ہے - والحمد للہ

تمت بالخیر ۲۰ ؍ ۶ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ ناظر حسین
۴] علامہ سید علی نقی
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا محمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم